سیاستدانوں، (ر) فوجی افسروں اور بیوروکریٹس کا منشور

آؤ پاکستان لوٹیں

اشرف شریف

دارُالعِلم پبلی کیشنز
22-اے حبیب بینک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور فون : 7231391

انتساب

بار بار لُٹنے والے غریب عوام کے نام

سمندری بلائیں تھیں جو خشکیوں پہ آگئیں

کشید کر لیا گیا وطن کا خوں نچوڑ کر
یہ گل کھلائے جا رہے تھے سب ادارے توڑ کر
یہ پی گئے سمجھ کے ماں کا دودھ قومی مال کو
گواہ کر رہا ہے، ان کا ماضی، ان کے حال کو
الاٹ کر لیے گئے پلاٹ چھانٹ چھانٹ کر
سرے میں محل لے لیا وطن کو لوٹ لاٹ کر
یہ معتبر سی ہستیاں جو اربوں کھربوں کھا گئیں
سمندری بلائیں تھیں جو خشکیوں پہ آ گئیں
وطن کو اس مقام پر یہ بے ضمیر دھر گئے
کہ سود کی ادائیگی پہ قرض لینے پڑ گئے

یہ وقت ہے لٹیرے ڈاکوؤں کا احتساب ہو
نصاب کے تحت یہاں شفاف انتخاب ہو
وطن کا مال لوٹ کر جو لے گئے وہ لا سکیں
یہ اس سے پہلے اس وطن سے بھاگ کر نہ جا سکیں
جو دیکھ پائے راہزنوں کو دور اور قریب سے
امید ہے اتار لو گے، قوم کو صلیب سے
لگا دو ٹکٹکی انہیں، کہو کہ جیل میں سڑو
نکالنا ہے گھی اگر تو ٹیڑھی انگلیاں کرو
اگل دیں خود ہی دولتیں یا آپ دیں اُکھاڑ کر
نکال لے گی قوم ورنہ پیٹ ان کے پھاڑ کر

محمد یٰسین رضا

حسن ترتیب

کتاب مکمل نہیں

میں یہ تو دعویٰ نہیں کرتا کہ کتاب مکمل ہوگئی' یہ دعویٰ کیا ہی نہیں جا سکتا کہ ہر صبح سورج جب طلوع ہوتا ہے تو گزشتہ رات کی تاریکی میں کیے گئے کئی قابل نفرت کاموں کو بے پردہ کر دیتا ہے لہٰذا روزانہ درجنوں مجرم گرفتار کرنے والے اہلکار اگلے دن پھر کئی نئے مجرموں کو پکڑ لاتے ہیں۔ اس طرح گھپلوں اور جرائم کی کتاب پر ہر لمحہ نئی کہانیاں خود بخود ابھرتی رہتی ہیں۔ میں نے اس کتاب پر ابھرنے والی ایسی ہی چند کہانیاں چھانٹ کر ان کی جلد بندی کرا دی ہے۔

اس کتاب کو مرتب کرنے میں خارجی حوصلہ افزائی سے زیادہ اندر کے ارادے نے زیادہ کام کیا میں بھی خواب دیکھتا ہوں لیکن کئی بار کھلی آنکھوں دیکھے گئے کریہہ منظر خواب کو بھی ڈراؤنا بنا دیتے ہیں۔ میں قلم سے ان کریہہ اور ناپسندیدہ منظروں کو زندگی سے نکالنا چاہتا ہوں تاکہ میرے جیسے لاکھوں لوگوں کی آنکھوں میں جو بھی خواب اترے باوضو اور معطر اترے۔

کتاب کے آغاز میں چند ایسے رہنماؤں کا بھی ذکر ہے جنہوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا ان کی یہ جدوجہد قابل تحسین ہے۔ کچھ بزرگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایوب کھوڑو اور لیاقت علی خان میں جو ذاتی اختلافات تھے۔ ان کی بنیاد پر وفاقی حکومت نے ان پر بدعنوانی کے الزامات لگا کر انہیں برطرف کر دیا۔ اختلافات کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ لیاقت علی خان کا پاکستان میں اس وقت کوئی حلقہ

انتخاب نہ تھا۔ وہ کراچی کو وفاقی علاقہ قرار دے کر اسے اپنا حلقہ انتخاب بنانا چاہتے تھے لیکن ایوب کھوڑو جو اس وقت سندھ کے وزیراعلیٰ تھے۔ اسے صوبائی معاملات میں مداخلت اور ان کے حقوق غصب کرنے کی کوشش قرار دے کر مخالفت پر اتر آئے، جس پر لیاقت علی خان اور کھوڑو میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔

اس طرح نواب افتخار ممدوٹ بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ بھارت میں ان کی جاگیر میں چالیس گاؤں تھے۔ ممدوٹ پنجاب کے وزیراعلیٰ تھے۔ لاہور کے اس وقت کے ڈی سی راجہ حسن اختر نے انہیں بتائے بغیر پچاس مربع پر باغات انہیں الاٹ کر دیئے اور اراضی اس اراضی سے کہیں کم تھی جو نواب ممدوٹ بھارت چھوڑ آئے تھے لیکن لیاقت علی خان کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس کے باعث پیدا ہونے والے اختلافات کے نتیجے میں نواب ممدوٹ کو بھی کرپشن کے الزامات کا سامنا کرنا پڑا۔

خان عبدالقیوم کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ ساری زندگی کرائے کے مکان میں رہے اگر وہ کرپشن کرتے تو اپنا گھر نہ بنا لیتے۔ ہم یہی گزارش کر سکتے ہیں کہ خان قیوم نے ممکن ہے اپنی خاطر بدعنوانی نہ کی ہو لیکن حکمرانی کے نشے میں انہوں نے کئی افراد کو جو نوازا تو یہ بھی تو بددیانتی ہوئی۔ بہرحال سیاسی رہنما کی زندگی میں ایسے لمحات آتے رہتے ہیں جب وہ ہیرو ہوتا ہے اور دوسرے ہی لمحے زیرو ہو جاتا ہے۔ ہیرو بن کر وہ بھول جاتا ہے کہ اس کا کوئی ملک بھی ہے وہ کسی غریب قوم کا نمائندہ ہے یا اس کا کوئی فرض بھی ہے۔ اس کا صرف ایک ہی کردار نظر آتا ہے۔ وہ صرف لٹیرا دکھائی دیتا ہے جو ہر ایک کو لوٹتا ہے جو ہارس ٹریڈنگ کرتا ہے۔ کمیشن اور کک بیکس لیتا ہے، بڑے بڑے منصوبوں کے لائسنس لیتا ہے، قبضے کرتا ہے اور قرضے لے کر ہڑپ کر جاتا ہے۔ ہم نے ان کے وہی چہرے کتاب پر ثبت کر دیئے ہیں جو انہوں نے خود دکھائے۔ اب یہ اچھے ہیں یا برے اس کا ذمہ ہم پر نہیں، خود سیاستدانوں پر عائد ہوتا ہے۔

میں خصوصی شفقت پر شکرگزار ہوں۔ اطہر ندیم صاحب، حافظ شفیق الرحمٰن، فاروق فیصل خان، ہارون عدیم، ڈاکٹر اشتیاق احمد، احمد ظہیر اور اپنے والدین کا جن کے ساتھ اور تربیت نے اچھے برے کی تمیز سکھائی۔ محمد عفیف طہٰ کا مسلسل اصرار اور تعاون حاصل نہ ہوتا تو یہ دستاویز شاید ترتیب نہ دی جا سکتی۔

کتاب میری صحافتی زندگی کا صرف ایک پہلو ہے۔ خدا سے دعا گو ہوں کہ مجھے وہ کچھ بھی کتابی شکل میں لانے کی ہمت دے جس سے اہل علم و ادب کنارہ کش ہو چکے ہیں۔

اشرف شریف

دُرہ لہرا چکا ہے

اشرف شریف اقلیم قرطاس وقلم کا ایک معتبر نام ہے۔ متانت اور ثقاہت اس کی شخصیت کا جز و لاینفک ہیں۔ وہ ناپ تول کر لکھتا اور ناپ تول کر بولتا ہے۔ اناپ شناپ لکھنا اور الم غلم بولنا اسے کسی طور پسند نہیں۔ اِس کا قلم جس بھی لفظ کو چھوتا ہے' در شہوار بنا دیتا ہے۔ وہ حقائق کے بحر کا شناور' الفاظ کا جوہری اور معانی کا صراف ہے۔ وہ ان قلمکاروں میں سے ہے جن کی تحریریں پڑھنے کے بعد قاری یہ رائے قائم کرتا ہے کہ جو بندھ گیا سو موتی .... وہ اپنی شناخت اور پہچان ...... تصورات نگاری اور مفروضات نویسی کے بجائے حقائق نگاری کو بنانا چاہتا ہے۔ حقیقت نگاری کبھی اگر خشک پیرائے اور یبوست زدہ لہجے میں ہو تو قاری کی طبع شیشہ نفس کے لیے گرز گراں کی حیثیت رکھتی ہے۔ اشرف شریف کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ کڑوی سے کڑوی بات کو انتہائی میٹھے الفاظ کی پھبن اور رسیلے لہجے کا بانکپن عطا کرتا ہے۔ جس ادیب' قلمکار اور مصنف کی تحریر ان خصائص کی چاندنی میں سنگھار کرتی ہو' قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ یقیناً کسی ''اولڈ ہاؤس'' کے ''کامن روم'' میں عمر رفتہ کو آواز دینے والی کوئی از کار رفتہ شے ہے۔ ہمارے ہاں فکری بے بضاعتی اور ذہنی کم مائیگی کا عالم یہ ہے کہ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ علم و دانش' فکر و فن' تحقیق و جستجو اور تفتیش و تفحص کی وسیع و عریض دنیا نوجوانوں کے لیے

''علاقہ ممنوعہ'' ہے۔ کیا اس ''علاقہ ممنوعہ'' میں داخلے کے لیے ''امیدوار'' کا ''پیر فرتوت'' ہونا اولین شرط ہے۔ عمومی مشاہدہ گواہ ہے کہ OLD is Gold کی لکیر پیٹنے والوں نے ایک دور تک تحقیق وجستجو اور تصنیف وتالیف کو ''گزرے وقتوں کی عبارت'' بنا کر رکھ دیا تھا لیکن اس ''عہد روایات شکن'' میں اشرف شریف جیسے باغی جوانوں نے یہ ثابت کیا ہے۔

بزرگی بہ عقل ست نہ کہ بسال

اشرف شریف میرا کولیگ ہے۔ میں اس نوجوان کے دنوں کے گداز' شبوں کی تپش' امنگوں' تمناؤں' آرزوؤں' جستجوؤں اور حوصلوں سے دمکتی اور دمکتی پیشانی پر ابھی سے ستارہ بلندی کو ٹمٹماتے دیکھ رہا ہوں۔ وہ دن دور نہیں جب یہ ستارہ ماہ کامل بن کر فکر ونظر اور علم وادب کے افق پر جگمگائے گا۔

شاید اشرف شریف جیسے ہی کسی فاضل نوجوان کو دیکھ کر انگریزی ادبیات کے ایک نقاد نے کہا تھا

HE has an old

Head on his

Young Shoulders

یہ امر میرے لیے مایہ صد افتخار وابتہاج ہے کہ اسم بامسمے اشرف شریف کی پہلی کتاب ''سیاستدانوں کا منشور...... ''آؤ پاکستان لوٹیں'' کے عنوان سے مارکیٹ میں آ چکی ہے۔ یہ ایک قومی اور تاریخی دستاویز ہے۔ اس کتاب میں اشرف شریف نے وطن عزیز کے وسائل و ذرائع کو مال غنیمت سمجھ کر لوٹنے والے ان لٹیروں کے چہروں سے گھونگھٹ الٹا ہے۔ جنھیں سادہ لوح عوام بر بنائے ناخواندگی قومی رہنما تصور کرتے رہے ہیں ...... اس کتاب کے اوراق وصفحات ان عزت مآب رہنماؤں کے ذلت مآب سیاہ کارناموں سے عوام کو آگاہ کرتے ہیں ...... یہ کتاب' محض ایک کتاب نہیں' بھرپور فرد جرم ہے ...... یہ کتاب محض اوراق و صفحات کا مجموعہ نہیں' قومی لٹیروں کے خلاف ایک مضبوط ایف آئی آر ہے بلکہ یہ کہنا شاید

زیادہ مناسب ہو کہ اس کتاب کا ہر صفحہ بدعنوانوں کے خلاف مبسوط وائٹ پیپر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مختصر مگر جامع کتاب حقیقی معنوں میں ایسا ''کوزہ'' ہے جس میں سمندر ٹھاٹھیں مار رہے ہیں۔ کوزے کو سمندر میں سمونا کوئی آسان کام نہیں۔

آیئے! اب اس امر کا جائزہ لیں کہ بدعنوانی کیا ہے اور بدعنوان کون ہے۔ مادیاتی' مالیاتی' معاشیاتی اور اقتصادیاتی حوالے سے ہر وہ شخص بدعنوان ہے جو اپنی ظاہر کردہ آمدنی سے بڑھ کر زندگی بسر کر رہا ہے۔ ہمارے فاضل دوست صاحبزادہ عبدالوحید سبحانی کا یہ ''الہامی جملہ'' ملاحظہ فرمائیں۔

The person who is living beyond his means is corrupt,

اس تناظر میں جب ہم بطور ایک غیر جانبدار تجزیہ نگار کے گردوپیش رقص فرما حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو بلا تامل اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بدعنوانی کی اس لنکا میں ہر کوئی باون گزا ہے ...... بیوروکریسی کے یہ ڈینوسار اور مقتدر دریائی گھوڑے قومی خزانے کے نخلستان کو بلاخوف و خطر روندتے اور اجاڑتے رہے ...... مالیاتی بدعنوانیوں کے بدلگام جھکڑوں اور اختیاراتی بے ضابطگیوں کے منہ زور طوفانوں نے اس گلشن میں وہ دھماچوکڑی اور اودھم مچایا کہ کوئی شاخ اور روش محفوظ نہ رہی۔ ملک وملت کے یہ ہمدرد قومی وکمرشل بینکوں اور قومی وعوامی خزانے کو بے دردی سے اس طرح لوٹتے رہے جس طرح کسی دور میں ہلاکو خان نے بغداد کو...... ازابیلا فرینڈ نے غرناطہ کو اور نادر شاہ درانی نے دہلی کو تاخت وتاراج کیا تھا...... ان چیرہ دستوں نے ملکی معاشیات کو اس بری طرح رگیدا کہ عالمی سطح پر ہماری معاشیات پر ''بدمعاشیات'' کی پھبتی کسی جانے لگی ...... اور پھر گردش فلک نے وہ روز بد دکھایا کہ اس ملک کا ایوانِ اقتدار ننگوں کا حمام بن کر رہ گیا ...... بدنصیبی تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہوتا رہا اور انصاف کی دیوی کی آنکھوں پر بندھی پٹی ایک سینٹی میٹر بھی نہ سرکی۔ ''میزان بردار'' بھی چپ ''علم بردار'' بھی لب بستگی کا مظاہرہ کرتے رہے اور قلم بردار بھی تصویر حیرت بنے بیٹھے رہے...... مجسموں کے اس سوئے ہوئے شہر میں صرف لٹیرے جاگ رہے ہیں ...... شیر کے پنجے' کوبرے کے پھن'

بھیڑیئے کے دانت' بچھو کی دم' بھڑ کے ڈنک اور مچھر کی ٹانگ سے لکھنے کا دعویٰ کرنے والے خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتے رہے...... سامری کا طلسم اپنا اثر دکھا چکا اور رنگ جما چکا ہے...... ہر کوئی سونے کے بچھڑے کی پوجا کر رہا ہے...... سب پر سکوت مرگ طاری ہے...... شہر...... شہر خاموشاں اور چہرے سرسر سے تراشی ہوئی سوچوں کا روپ دھار چکے ہیں...... ایسے میں اشرف شریف اپنے قلم کو کشکول بنانے کے بجائے درۂ فاروقی بنا کر لہرا رہا ہے...... درہ لہرا چکا ہے...... جلد وہ وقت آئے گا جب ''آؤ پاکستان لوٹیں''...... لوٹیں' لوٹیں اور لوٹیں...... کی دعوت دینے والے قومی مجرموں کو ٹکٹکیوں کے ساتھ کس کر باندھا جائے گا اور جلاد کا لہراتا ہوا کوڑا اور اس کوڑے کا فراٹا ان کی برہنہ کمروں پر یہ تحریر رقم کر دے گا۔

حذر اے چیرہ دستاں
سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

حافظ شفیق الرحمٰن

ستمبر 2000ء

کرپشن' پس منظر اور پیش منظر

ملک قائم ہوئے آج نصب صدی سے چار سال اوپر ہونے کو ہیں لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ ایسے نئے نئے مسائل سر اٹھا رہے ہیں' جن کے بارے شائد پاکستان کا مطالبہ کرنے والوں نے سوچا تک نہ تھا۔ پاکستان بنا تو اس وقت آلات پیداوار تبدیل ہو رہے تھے۔ پوری دنیا میں ٹیکنالوجی کی نئی صف بندی ہو رہی تھی بعض ممالک نے تو ان ہی دنوں عروج حاصل کر لیا تھا۔ برصغیر کا ہندو بحری سفر کو اپنے ایمان کے لیے خطرہ سمجھتا تھا لہٰذا وہ ہزاروں برس برِصغیر میں خود ساختہ قید کا اسیر رہا۔ مسلمان ایک جدید تہذیب کے علمبردار بن کر یہاں وارد ہوئے تو سب سے پہلے ان کی دفاعی ٹیکنالوجی اور جنگ کرنے کے انداز نے انہیں مقامی باشندوں سے بہتر ثابت کیا لیکن پھر آہستہ آہستہ وہ بھی برصغیر کے اسیر ہو کر رہ گئے۔ یہ اسیری ان کی عادات اور رائج رسومات پر بھی اثر انداز ہوئی۔ اب جدید تہذیب کے دعویدار مسلمان اور صدیوں سے ایک ہی منڈپ کے گرد پھیرے لیتے ہندو میں اس سے زیادہ کوئی فرق نہ رہا کہ ایک گروہ مندر میں پوجا کرتا اور دوسرا مسجد میں نماز ادا کرتا۔ ہندو دھرم کو دلدل کہا جاتا ہے۔ برصغیر میں آنے والی ہر حملہ آور قوم اس دلدل میں اترتی چلی گئی۔ ہندو ازم نے دن بدن تن آسانی اور مذہب سے بیگانہ ہوتے مسلمانوں پر بھی اثر کیا اور مسجدوں کے آئمہ کرام بھی پنڈتوں کی طرح تمام مذہبی امور کے

مختار بن گئے۔ بچے کے کان میں پیدائش کے وقت پنڈت بھجن یا وید پڑھتا اور مولوی صاحب اذان دیتے۔ پنڈت مندر کا مالک بنا ہوا تھا لہٰذا مولوی صاحب نے بھی مسجد پر سب مسلمانوں کے بجائے اپنے حق کو زیادہ طاقتور بنانا شروع کر دیا۔ اس طرح سوائے کلمہ نماز کے فرق کے دونوں گروہوں کے اکثر معاملات ایک ہی جیسے تھے۔ عام مسلمان گھرانوں کی محنت کش عورتیں بزرگوں یا اجنبیوں سے ہندو عورتوں ہی کی طرح گھونگٹ نکالتیں جبکہ زیادہ معزز یا دولت مند شمار کیے جانے والے خاندانوں کی عورتیں مکمل پردہ کرتیں اور باہر آنے جانے کے لیے بھی پالکی استعمال کرتیں یا گھر سے باہر صرف تاریکی میں نکلتیں۔ مسلمان اور ہندو میں اگر جھگڑا ہوتا تو اسی وجہ سے کہ مسلمان گائے کو ذبح کرنے کے حق میں دلائل دیتا اور ہندو انہیں ہندی مسلمان کہتا جبکہ مسلمان عرب سے بالکل کٹے ہونے کے باوجود خود کو عربوں سے منسوب کرتے۔

ہندوستان اس وقت بھی ہندوستانی ہی کہلاتا تھا جب یہاں سینکڑوں برس تک مسلمان خاندان حکومت کرتے رہے۔ کسی نے بھی ہندوؤں کے لیے الگ ملک بنانے پر غور نہ کیا نہ ہی مسلمانوں کی جدا ریاست کو ضروری سمجھا گیا یعنی عمومی حالات ایسے کشیدہ اور بدتر نہ تھے کہ بادشاہ تو بادشاہ عوام تک کے ذہن میں یہ بات نہ آتی۔ چند ہندو راجے اگر موجود تھے تو ان کے دربار میں مسلمان مشیر اور وزیر بھی موجود تھے۔ اسی طرح مسلم حکمرانوں کے درباروں میں بھی ہندو اہل علم اور اہل ہنر اعلیٰ مناصب پر فائز تھے۔

مسلم حکمرانوں نے ہندوستان کی دیگر اقوام سے ممتاز کرتی ہوئی اپنی صفت یعنی بہتر جنگی صلاحیت اور حکمت عملی کو بھلا کر جاگیرداری نظام کو مضبوط کیا۔ جنگجو مسلمان اب جاگیردار کہلائے جانے لگے۔ وہ اپنی جاگیر میں ایک بادشاہ کی طرح رہتے۔ رعونت نے ان کے دماغ کو ٹھکانہ بنا لیا۔ انسان حقیر کیڑے مکوڑے بن کر رہ گئے۔ دوسری جانب ہندو نے شاہی درباروں میں موجود رہ کر خود کو سیاسی طور پر زیادہ چست بنا لیا۔ وہ جوڑ توڑ اور حکومتیں بنانے گرانے میں اہم کردار ادا کرنے لگے۔ مذہب مولوی کے حوالے کرنے والے مسلمانوں نے سیاست ہندو کے حوالے کر دی۔

انگریز ہندوستان وارد ہوا تو ہندو نے بھانپ لیا کہ نیا اَن داتا آ پہنچا اس نے انگریز کے ساتھ خفیہ روابط استوار کر لیے۔ اجتماعی محفلوں میں بلا جھجک شراب کے استعمال نے ہندو کو انگریز کے قریب کر دیا جبکہ مسلمان کو ان محفلوں میں بلانے کا سلسلہ دن بدن کم سے کم اور پھر ختم ہو گیا۔ انگریز ہندو دوستی میں شراب کی اہمیت کو کوئی بھی محقق اور تاریخ دان نظر انداز نہیں کر سکتا۔ انگریز ہندو دوستی میں دوسری اہم بات رقص و سرود کی مخلوط محفلیں تھیں گو کہ اس وقت تک مسلمان امراء بھی شراب اور رقص کے عادی ہو چکے تھے۔ تاہم ان محفلوں میں مسلمان عورتیں شریک نہیں ہوتی تھیں۔ چانکیہ کی تعلیمات کے مطابق ہندوؤں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ خفیہ معلومات کے حصول اور اعلیٰ سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے خوبصورت عورتوں کو استعمال کریں۔ ہندو پہلے عورت کے ذریعے مسلمان حکمرانوں کے قریب ہوا اور بعد میں اسی عورت کے ہاتھ میں شراب کا جام دے کر اسے انگریز کے سامنے کر دیا۔ اب انگریز اور ہندو ایک ہو چکے تھے اور مسلمان ایک فرد لاتعلق بن کر رہ گئے۔

مسلمانوں کا دستِ راست ہندو جلد ہی انگریز کا بھی دست راست بن گیا۔ اس کا ''مہابلی'' سیاسی طور پر اس سے کم تر ہو گیا۔ مسلمانوں کی جاگیریں ہندو کو ملنے لگیں تو وہ سماجی رتبے میں بھی مسلمان سے بڑھ گیا۔ مسلمان مزید مایوسی کا شکار ہوتے گئے۔ بگڑے ہوئے جاگیرداروں کی جاگیریں چھن گئیں تو انہیں کہیں قدم جمانے کی جگہ ہی نہ ملی۔ تاہم وہ اپنے سیاسی اور سماجی رتبے کے دوبارہ حصول کیلئے سوچ بچار کرنے لگے۔ اس سوچ نے انہیں سیاسی عمل میں شریک ہونے پر مجبور کر دیا۔ دوسری جانب انگریز جو سائنس کی بنیاد پر ہر مفروضے کو تولنے کا عادی تھا۔ اس نے ہندو دھرم کو کچھ اقتدار کے رعب اور کچھ منطق کی بناء پر غلط ثابت کر دیا۔ انگریز کی ہاں میں ہاں ملانے والے چند ہندو عوام کے درمیان بتوں کو خدا اور دیوی دیوتا کہتے لیکن انگریز کی محفل میں اپنی قوم کی حماقت پر ہنستے کہ وہ اپنے ہاتھ سے تراشے پتھروں کو دیوتا قرار دے رہے ہیں۔ انگریز نے سیاسی مشاورت کے لیے ان ہی ہم خیال ہندوؤں کو دوسروں سے الگ کر کے اپنے نائبین کی حیثیت دینا

شروع کر دی۔

اسی دور میں برطانیہ خود بہت سی تبدیلیوں کے عمل سے گزر رہا تھا۔ اندرونی طور پر اسے مزدور تحریکوں اور بعض مفکرین کی تعلیمات نے اس درجہ خوفزدہ کر دیا کہ اسے ڈر محسوس ہونے لگا کہ ان دانشوروں کا پیغام ہندوستان پہنچ گیا تو کہیں یہاں کے باشندے بھی حکومت کے خلاف نہ بھڑک اٹھیں۔

انیسویں صدی کی ابتداء میں برطانیہ جو دنیا کا سب سے بڑا صنعتی ملک تھا' وہاں مزدوروں کی حالت بہت خراب تھی۔ زمین سے بیدخل ہونے والے کاشتکاروں نے یہ سمجھ کر مشینیں توڑنا شروع کر دیں کہ ان کا رزق چھیننے والی یہی مشینیں ہیں حالانکہ سارا قصور سرمایہ داری نظام کا تھا جو کھیتوں سے بیدخل ہونے والوں کو کارخانوں میں جذب نہ کر سکتا تھا۔ 1817ء میں اس تحریک نے اتنا زور پکڑا کہ پارلیمنٹ نے ایک قانون منظور کیا جس کی رو سے مشینوں کی توڑ پھوڑ پر موت کی سزا مقرر کی گئی چنانچہ جنوری 1813ء میں صرف ایک شہر میں مشین توڑنے پر 13 افراد کو پھانسی دی گئی۔

اس دور میں فیکٹریوں میں روزانہ سترہ گھنٹے کام ہوتا اور کام کرنے والے زیادہ تر بچے یا عورتیں ہوتیں جن کو مردوں کی نسبت بہت کم اجرت ملتی تھی۔ جرمانے کا رواج عام تھا۔ برطانیہ کی سوتی' اونی اور ریشمی کپڑے کی ملوں میں مزدوروں کی کل تعداد 3 لاکھ 56 ہزار تھی۔ ان میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار مرد اور ایک لاکھ 96 ہزار عورتیں تھیں۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مارکس نے زندگی کے چھ سال طوفان بلا سے نبرد آزمائی کرتے گزارے۔ وہ جرمنی سے جلاوطن ہوا تو فرانس پہنچا۔ پیرس سے نکالا گیا تو برسلز گیا وہاں سے پھر پیرس کولون پھر پیرس اور پھر لندن جا پہنچا۔ یہاں اس کا کوئی ذریعہ آمدنی نہ تھا۔ اینگلز بھی نہ تھا جو مدد کرتا۔ اسی اثناء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے موافقین اور مخالفین کے درمیان ہندوستان کے مستقبل بارے بحث چھڑ گئی۔ بات یہ تھی کہ 1833ء کے قانون ہند کے مطابق ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر کی میعاد 1853ء میں ختم ہونے والی تھی۔ کمپنی نے سندھ پنجاب اور سرحد پر جس طرح قبضہ کیا تھا اور بقیہ ملک میں جو

بدعنوانیاں کی تھیں۔ ان کے پیش نظر برطانیہ کا ایک حلقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا سخت مخالف ہو گیا تھا۔ اس کا مطالبہ تھا کہ اب کمپنی تجارتی ادارہ نہیں رہی۔ نئے قانون کے تحت ہندوستان کا نظم ونسق برطانوی حکومت کی نگرانی میں آ گیا۔

سرزمین ہندوستان میں انگریزوں کی سیاسی مداخلت اٹھارویں صدی کے وسط میں شروع ہوئی لیکن سو سال کے اندر اندر وہ پشاور سے رنگون تک اور سری نگر سے راس کماری تک پورے برصغیر پر قابض ہو گئے۔ البتہ انہوں نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے بہت سی دیسی ریاستوں کو نام نہاد خود مختاری دیئے رکھی۔ ان ریاستوں کے والی برطانیہ کے سب سے زیادہ وفادار ثابت ہوئے۔ مارکس ان والیان کے کردار کو جنگ آزادی 1857ء سے پانچ برس پہلے جان چکا تھا وہ لکھتا ہے کہ ''یہ والیان ریاست انگریزوں کے سب سے وفادار غلام ہیں۔ وہ برطانوی نظام کا سب سے مضبوط قلعہ ہیں اور ہندوستان کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ مارکس کا کہنا تھا کہ انگریز سے قبل ترک' تاتاری اور مغل ہندوستان میں آئے۔ انہوں نے مقامی تہذیب وتمدن کا اثر قبول کر لیا۔ البتہ انگریزوں کا تمدن بالاتر تھا۔ انگریزوں نے دیہی جمعیتوں کو پارہ پارہ اور مقامی صنعتوں کو نیست ونابود کر کے مقامی تمدن کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہر چند کہ ملبے کے ڈھیر میں حیات نو کی تجدید مشکل دکھائی دیتی ہے لیکن یہ عمل شروع ہو چکا ہے۔ مارکس نے اس احیاء کی دس علامتوں کی نشاندہی کی۔ اس کے نزدیک معاشرتی احیاء کی پہلی شرط ملک کی سیاسی وحدت تھی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ ہندوستان پہلی بار انگریزوں کے عہد میں سیاسی وحدت بنا حتیٰ کہ مغلوں کے زمانے میں بھی ہندوستان کو یہ وحدت نصیب نہ ہوئی تھی۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ ''کلکتہ میں انگریز مجبوراً دیسی باشندوں کو اپنی سرکاری ضرورتوں کے تحت مغربی تعلیم دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہندوستان میں ایک نیا طبقہ ابھر رہا ہے۔ مارکس لکھتا ہے کہ ہندوستانیوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ انگریز کے نافذ کردہ معاشرے کے نئے عناصر یعنی مشینی صنعت کاری کا پھل اس وقت تک نہیں کھا سکیں گے جب تک برطانیہ میں موجود حاکم طبقے کی جگہ اشتراکی راج نہ آ جائے یا خود ہندوستانی اتنے قوی نہ ہو جائیں

کہ انگریزوں کی غلامی کا جوا اتار پھینکیں'' اور یہی وہ پیغام تھا جس سے انگریز خوفزدہ ہو گیا اور اس نے ہندوستان میں اپنے حامی افراد کی انڈین نیشنل کانگریس کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم کر دی۔

کانگریس ابتداء میں انگریز کے مفادات کا تحفظ کرتی رہی تاہم سیاسی کردار کے باعث اس میں ہندوستان میں نئی سیاسی سوچ کے حامل لوگ تیزی سے آنے لگے اور پھر ہندوستانیوں اور حکومت برطانیہ کے درمیان تعلقات کے پل کا کام کرنے والی کانگرس کے اندر ہی سے ملک کو انگریز سے آزاد کرانے کی سوچ نے جنم لیا اور دن بدن یہ نئی سوچ پختہ ہوتی گئی اور زیادہ سے زیادہ حلقوں کی جانب سے تائید نے کانگریس کا کردار بدل دیا اب وہ انگریز کی مددگار نہ رہی۔ انگریزی سکولوں اور کالجوں سے فارغ التحصیل افراد انگریزی تحریکوں اور برطانیہ مخالف اقوام نے بھی ہندوستانیوں کے حق میں بیانات سے لے کر عملی کوششوں تک کا کام سنبھال لیا۔

یہاں یہ بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ کانگرس کا قیام صرف برطانیہ میں مزدور تحریکوں کے خوف سے نہ تھا بلکہ انتظامی طور پر مقامی افراد کی مدد حاصل کرنا اور دیگر کئی امور بھی اس کے قیام کی وجہ بنے۔

بیس برس کے لگ بھگ تن تنہا کانگرس ہندوستانیوں کی نمائندہ جماعت بنی رہی تاہم اس کا سیاسی کردار واضح ہوتے ہی پہلے سے سیاسی سوچ کے حامل ہندو اس پر قابض ہو کر یہ تاثر دینے لگے کہ اب انگریز کے رخصت ہوتے ہی 'رام راج' نافذ ہو گا۔ جس میں وہ حکمران ہوں گے اور مسلمانوں سے اپنی محکومی کا بدلہ لیں گے۔ اعتدال پسند قائدین کی کوشش کے باوجود جب دونوں گروہوں میں خلیج وسیع سے وسیع تر ہونے لگی تو مسلم قائدین نے باہمی مشورے سے آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی اور یوں سینکڑوں برسوں سے ایک جگہ رہنے والے ہندو مسلم الگ الگ ریاستوں کے حصوں میں جت گئے۔ دونوں انگریز سے آزادی چاہتے تھے۔ اس وقت تک برطانیہ کی مزدور تحریکیں لیبر پارٹی بن کر پر سکون انداز میں سیاسی عمل میں شامل ہو چکی تھیں۔

قائداعظم نے پاکستان کا مطالبہ کرنے والوں کی قیادت سنبھال کر دن رات اس کے حصول کے لیے وقف کر دیا پاکستان مخالف عناصر میں اکثر لوگ اس بنا پر اس کی مخالفت کرتے تھے کہ انگریز نے اپنے اندرونی خطرات کے پیش نظر ان کے ذریعے ہی بر صغیر پر حکومت کی تھی۔ ان لوگوں میں مسلمان، ہندو، سکھ سب شامل تھے۔ یہ لوگ اپنے مفادات کی خاطر انسانوں کو قتل کرنے والوں کی پشت پناہی کرنا اور سرکاری مراعات کو ذاتی امور پر خرچ کرنے کے عادی تھے یہ لوگ اس دور میں رائج کرپشن کے تمام طریقوں سے آگاہ تھے۔ پولیس ان کے فرمانبردار رہتی تھی۔ لہذا وہ طاقتور تو تھے ہی ظلم کرنے میں بے باک بھی ہو گئے۔

پاکستان کا قیام خالصتاً محروم لوگوں کی تمناؤں کا ثمر تھا۔ لیکن ان لوگوں کی بدقسمتی کہ ان کے تمام رہنما جاگیردار، سرمایہ دار اور پولیس کے ذریعے طاقتور بننے والے ہی تھے قائد اعظم ان لوگوں کو لاکھ کوشش کے بعد بھی سیدھے راستے پر نہ لا سکے۔ یہی وجہ تھی کہ ملک بنتے ہی پیر الٰہی بخش، ممتاز دولتانہ اور ایوب کھوڑو سمیت کئی وزراء اعظم (اس وقت وزیر اعلی وزیر اعظم کہلاتا تھا) کے خلاف بدعنوانی کے الزامات کی صدائیں گلی گلی گونجنے لگیں۔ قائداعظم اپنے پاکستان کا حشر اس طرح ہوتا نہ دیکھ سکے ان کی وفات کے بعد پوری سیاست پر پاکستان کے قیام سے قبل انگریز کے وفادار کہلائے جانے والے خاندانوں نے قبضہ کر لیا۔ مراعات یافتہ طبقہ سرکاری مشینری کے کل پرزوں سے آگاہ تھا اور ان سے کام لینا جانتا تھا لہذا سب سے پہلے تو انہوں نے قائداعظم کے سچے ساتھیوں اور پیروکاروں کو سیاست سے اور حکومت سے آؤٹ کر دیا اس کے بعد انہوں نے نائب قاصد، کانسٹیبل، کلرک، پٹواری، سے لے کر مجسٹریٹ، نائب تحصیلدار اور وزارتوں تک پر اپنے آدمی لا بٹھائے اب کوئی ان کے حصار سے کیسے بچ پاتا۔ لہذا ملک کے مفاد کی بجائے ذاتی مفاد کو سامنے رکھا جانے لگا۔ ہر حکمران نے اپنے اپنے ایجنڈے پیش کئے اور ساتھ ہی کچھ کرپشن اور بے ایمانی کی نئی مثالیں قائم کر دیں۔ لوگوں کے دلوں سے پہلے مذہب کے لیے احترام ختم کیا گیا۔ پھر ہر اس چیز کو عام کر دیا گیا جس کی مذہب اجازت نہیں دیتا

۔بڑا ہونے کا معیار ذاتی نیکی اور اچھے اوصاف کی بجائے دولت مقرر ہوا۔ تو پھر ہر آدمی نے بڑا بننے کے لیے دولت اکٹھا کرنا شروع کر دی ان بڑے آدمیوں نے پھر بھی اپنا قد چھوٹا دیکھا تو انھوں نے سرے محل اور رائے ونڈ پیلس بنا لیے لیکن یہ جب بھی آئینہ دیکھتے ہیں وہ ان کے کم ہوتے قد کو بڑا دکھا دیتا ہے اور یہ بونے اپنا قد مزید بڑا کرنے کے لیے لوٹ مار میں لگ جاتے ہیں۔ شاید یہ کرپشن کے ذریعے اپنا سر آسمان تک بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ عام لوگ کیڑوں مکوڑوں کی طرح کبھی پاؤں تلے مسلے جائیں گے اور کبھی انہیں کوئی بھی تیز ہوا کہاں سے کہاں جا پھینکے گی۔ ہمارے سامنے کی تاریخ میں سیاستدانوں کی تجارت کا وہ واقعہ بہت اہم ہے۔ جب بے نظیر وزیراعظم اور نواز شریف وزیراعلیٰ تھے۔

آئی جے آئی کے ایم این اے حضرات مری کے ہوٹل میں ٹھہرائے گئے جس پر پنجاب حکومت کا کڑا پہرہ تھا۔ بے نظیر نے اپنے ارکان شیر پاؤ کے حوالے کر دیئے جنہوں نے ان کو سوات میں ٹھہرایا۔ اس زمانے میں ایم کیو ایم پیپلز پارٹی کی اتحادی جماعت تھی مگر تحریک عدم اعتماد کا نوٹس دینے کے بعد اس جماعت نے یکطرفہ طور پر پیپلز پارٹی سے اتحاد ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ آخر الامر یہ تحریک ناکام ہو گئی۔ آئی جے آئی والے اس تحریک کے لیے اکثریت جمع نہ کر سکے۔ وہ پیپلز پارٹی کے جن اراکین پر تکیہ کیے ہوئے تھے۔ وہ وقت سے پہلے ہی ساتھ چھوڑ گئے۔ اس وقت پنجاب انتظامیہ جس قدر دیدہ دلیری سے کام لے رہی تھی۔ اس کا اندازہ اس ایک واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ پیپلز پارٹی کے کچھ اراکین اسمبلی اور وزراء اسلام آباد پہنچے۔ وہ ایئرپورٹ پر لاؤنج سے باہر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ان میں ایک دو وفاقی وزراء بھی تھے کہ ایک پولیس آفیسر وہاں پہنچا اور ایک ایم این اے سے ایک گاڑی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ڈی سی صاحب اس گاڑی میں بیٹھے ہیں وہ آپ سے ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔ ایم این اے ان کے ساتھ چل پڑے۔ پولیس افسر نے پہلے سے سٹارٹ گاڑی میں انہیں بٹھایا اور مری روانہ ہو گئے اور پیپلز پارٹی کے وزراء اور دوسرے ارکان اسمبلی جو ایئر

پورٹ پر کھڑے تھے۔ وہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اس لیے کہ یہ علاقہ پنجاب انتظامیہ کے تحت تھا۔

اس وقت جمہوری عمل دوبارہ شروع ہوا تھا۔ اس نوزائیدہ جمہوری عمل کو آغاز ہی میں بڑے سانحوں کا شکار ہونا پڑا اور وہ لوگ جو جمہوری اقدار کی پاسداری کا عزم رکھتے تھے۔ ان کے لیے بھی غلط ہتھکنڈے استعمال کرنے کے علاوہ چارہ نہ رہا اور ہارس ٹریڈنگ اور دھن دھونس دھاندلی سیاسی چلن ٹھہرے یوں کہیں کہ ہمارا کثافت زدہ سیاسی ماحول جس نے ہمیں جکڑ رکھا ہے۔ یہ اس قسم کے واقعات کی دین ہے جہاں سیاسی لیڈر اور ارباب بست وکشاد یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے اقدامات کے دوررس نتائج کیا ہو سکتے ہیں وہ صرف فوری فائدے اور ذاتی غرض فی الفور پوری کرنے کے قائل ہوتے ہیں۔ صدر مملکت کی طرف سے ایوان صدر کو سیاسی سازشوں کی آماجگاہ بننے کی اجازت دینا یا پھر فوجی قیادت کا سیاسی جوڑ توڑ میں حصہ لینا کس حد تک مناسب ہے۔ اس کا اندازہ اس قسم کی حرکات کے نتائج سے ہو جانا چاہیئے۔

بے نظیر حکومت کے خلاف عدم اعتماد کے ڈرامے کے سبھی کرداروں سے باز پرس کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے جس زہریلے پودے کا بیج بویا اس نے نہ صرف ملک کی سیاسی فضا کو مسموم کیا بلکہ خود مملکت کے ڈھانچے کو بھی ہلا دیا۔ بعض افسران اور اداروں کے گمراہ کن رویے کے نتیجے میں مذکورہ اداروں کے چہرے دھندلا کر رہ گئے۔ ہماری یہی درخواست ہے کہ جہاں بدعنوان افراد کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ وہاں ان کی ماضی کی ایسی کارروائیوں کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے جنہوں نے قومی زندگی میں غلط روایات کو جنم دیا جن کے نتیجے میں پوری سیاسی فضا زہریلے دھوئیں سے بھر گئی جب تک اس قسم کے ڈراموں کا سدباب نہیں کیا جاتا۔ معاملات سدھر نہیں سکتے۔ تحریک عدم اعتماد پیش کرنا آئینی حق ہے لیکن یہ سارا عمل آئین کے دائرے کے اندر ہونا چاہیئے۔ اپنے اور مخالف ارکان کو اغوا کر کے لے جانا اور اس کام کے لیے ریاستی اختیار اور ریاستی مشینری استعمال کرنا وفاداریاں خریدنے کے لیے سرکاری وسائل کو کام میں لانے کی آئین کسی طور بھی

اجازت نہیں دیتا۔قومی سیاسی زندگی کو صحیح راہ پر ڈالنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ماضی کی تمام بری روایات کی بیخ کنی کی جائے ہماری سب سے بڑی بدقسمتی یہی رہی ہے کہ ہم نے ماضی میں اس قسم کی روایات کو پنپنے دیا۔ ہر بار ان کے خلاف ردعمل ظاہر نہیں کیا۔اس قسم کی غیر جمہوری روایات کا آغاز حسین شہید سہروردی کو پاکستان کی مرکزی اسمبلی کی رکنیت کا حلف اٹھانے سے روکنا تھا پھر مخالف صوبائی قیادت کو طاقت کے ذریعے دبانا اور اپنے تابع فرمان کرنے کی کوشش اہم مسئلے پر اسمبلی میں رائے شماری کے وقت سے پہلے مخالف اراکین کو پولیس کی گاڑیوں میں بھر کر دور دراز ویرانوں میں چھوڑ آنا' جہاں سے انہیں واپسی کے لیے کوئی سواری میسر نہ ہو' ایسے ہی ہتھکنڈے ہماری سیاسی تاریخ کا حصہ رہے ہیں جن کے خلاف نہ بعد میں کسی نے کارروائی کی نہ عوام میں ان کے خلاف مناسب ردعمل پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر ہماری قومی سیاسی زندگی میں آغاز ہی سے غیر جمہوری کارروائیوں پر خاموشی اختیار نہ کی جاتی اور برسراقتدار لوگوں کو یہ بتانے کی کوشش کی جاتی کہ عوام ان کی ایسی حرکتوں کی تائید نہیں کرتے اور سیاسی مخالفین کو کچلنے اور کرپشن کے لیے ریاستی اختیار اور وسائل کے استعمال کے خلاف ہیں تو شاید آج ہماری تاریخ مختلف ہوتی' اس قدر تاریک نہ ہوتی۔موجودہ حکومت نے سیاسی عمل کی تطہیر کا بیڑہ اٹھایا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا یہ پروگرام جامع ہو یہ درست ہے کہ ہماری تاریخ کے سیاہ واقعات میں بےنظیر کی پہلی حکومت کے خلاف تحریکِ عدمِ اعتماد کا واقعہ تنہا نہیں مگر یہ واقعہ زندگی پر پڑنے والے منفی اثرات کا سرچشمہ رہا ہے۔'



ایوب کھوڑو

پہلی کرپشن

9 مئی 1948ء کو کراچی کے ضلعی مجسٹریٹ کے روبرو لائنو ٹائپ مشین کیس کی ابتدائی سماعت ہو رہی تھی۔ یہ کیس ایوب کھوڑو کے خلاف قائم ہوا تھا۔عدالت نے سندھ کے وزیراعلیٰ کھوڑو کو ایک لاکھ روپے کی ضمانت جمع کرانے کا حکم دیا۔ایوب کھوڑو کی جانب سے اے کے بروہی یہ مقدمہ لڑ رہے تھے۔ مقدمے کی نوعیت یہ تھی کہ مذکورہ مشین درحقیقت سندھ گورنمنٹ پریس کی ملکیت تھی' جسے چوری کر کے ایوب کھوڑو کے سندھ آبزرور نامی اخبار کے پریس میں پہنچا دیا گیا۔ پاکستان سپیشل پولیس نے چند روز کی محنت کے بعد مسروقہ مشین برآمد کر لی۔ 1948ء کے آغاز میں روزنامہ جنگ' ڈان' روزنامہ انجام میں ایوب کھوڑو کی مبینہ رشوت ستانی' اقربا پروری اور دیگر بدعنوانیوں کی مسلسل نشاندہی کی جانے لگی۔ گورنر سندھ نے وزیروں کے محکمے تبدیل کر دیئے تاکہ کابینہ خوش اسلوبی سے کام کر سکے۔کھوڑو سے محکمہ داخلہ اور تعمیرات عامہ کا محکمہ لے لیا گیا تاکہ پولیس کا استعمال کر کے ارکان اسمبلی کو خوفزدہ نہ کیا جاسکے تاہم ایوب کھوڑو نے اسے گورنر کی بے جا مداخلت قرار دیا۔ معاملہ طول پکڑ گیا اور قائداعظم کے سامنے پیش کر دیا گیا۔گورنر نے

ایوب کھوڑو کی بدعنوانیوں' بدانتظامیوں اور رشوت ستانیوں کے ثبوت قائداعظم کو پیش کر دیئے چنانچہ قائداعظم کی ہدایت پر ترمیم شدہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کی دفعہ 51 کے تحت گورنر نے ایوب کھوڑو کو سندھ کے وزیراعظم کے عہدے سے برطرف کر دیا۔ (اس وقت صوبے کا وزیراعلیٰ وزیراعظم کہلاتا تھا)۔ ایوب کھوڑو کی برطرفی سے ایک روز قبل قائداعظم نے نواب ممدوٹ' ممتاز دولتانہ' اور سردار شوکت حیات جو کہ پنجاب کے وزراء تھے' ان سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا تھا کہ حکومت پنجاب مرکزی حکومت کی جانب سے مقرر کردہ سپیشل فورس کے ان افسران سے تعاون نہیں کرتی جو صوبے میں انسداد رشوت ستانی کیلئے مقرر کیے گئے ہیں۔ تاہم کھوڑو کے معاملے میں وقت کے انتظار کی گنجائش نہ تھی کیونکہ وہ 24 فروری 1948ء میں سندھ مسلم لیگ کی سٹینڈنگ کمیٹی سے یہ قرارداد منظور کرا چکے تھے کہ کراچی کو سندھ سے الگ کر کے وفاقی دارالحکومت بنایا گیا تو اس کی مخالفت کی تحریک شروع کی جائے گی۔ 8 مارچ 1948ء کو عبدالغفار خان اور جی ایم سید کی تشکیل کردہ پیپلز پارٹی کے منشور منظر عام پر آنے اور ایوب کھوڑو کی جی ایم سید سے مسلسل ملاقاتوں اور صلاح مشوروں نے خطرات میں بہت اضافہ کر دیا۔ 4 جنوری 1949ء کو سندھ کے گورنر شیخ دین محمد نے فیصلہ کیا کہ کھوڑو کیخلاف بدعنوانی اور رشوت ستانی کے سلسلے میں تحقیقاتی رپورٹ شائع کرا دی جائے۔

خان عبدالقیوم خان

(وزیراعلیٰ سرحد)

قیام پاکستان کے فوراً بعد صوبہ سرحد میں خان عبدالقیوم خان کی بدعنوانی' رشوت ستانی اور لوٹ مار کا یہ حال تھا کہ قائداعظم نے اپریل 1948ء کو پشاور کے جلسہ عام میں اس کا سخت نوٹس لیا اور کہا کہ ''مجھے معلوم ہے کہ ہم میں ایسے اشخاص موجود ہیں جو بدعنوانی' رشوت ستانی اور اقرباء پروری کے مجرم ہیں' آپ کی حکومت' آپ کا صوبہ' آپ کی وزارت اور آپ کے وزیر اور افسران ہماری نظر میں ہیں۔ ہم بہت جلد اس کا تجزیہ کرنے کے قابل ہو جائیں گے اور اپنے جسد سیاست سے زہر کو باہر نکال پھینکیں گے لیکن آپ کو صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے اور ہمیں موقع اور معقول وقت دینا چاہئے۔''

قائداعظم کے یہ الفاظ اس بات کی علامت تھے کہ سرحد حکومت کے اندر بدعنوان گھس چکے ہیں خان عبدالقیوم خان کی کرپشن پر سرحد کے شہری بلبلا رہے تھے مگر قائداعظم کو مہلت نہ ملی اور ان کی وفات سے تمام معاملات ادھورے اور نامکمل رہے۔

قیام پاکستان کے کچھ ہی دنوں بعد سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی کانگریسی وزارت کو برطرف کر دیا گیا اور خان عبدالقیوم خان کو جو 1945ء تک مرکزی اسمبلی میں کانگریس کی پارلیمانی پارٹی کے ڈپٹی لیڈر تھے' وزیراعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ یاد رہے کہ قیوم

خان نے 1945ء میں گولڈ اینڈ گنز کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں قائداعظم پر سخت الزامات لگائے گئے تھے لیکن جب تک یہ کتاب بازار میں آتی قیوم خان مسلم لیگ میں شامل ہو چکے تھے۔ وزیراعلیٰ بنتے ہی انہوں نے اپنے بڑے مخالفین' خان عبدالغفار خان اور چند پرانے مسلم لیگیوں مثلاً پیر مانکی شریف وغیرہ سے بدلے چکانے شروع کیے۔ غفار خان اور ان کے کچھ حامیوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ خان عبدالقیوم کی کرپشن کے انکشافات کرنے اور ان کی مخالف قوتوں کا ساتھ دینے پر ہفتہ وار اخبار ''پختون'' بند کردیا گیا۔ 1939ء سے شائع ہونے والے اس اخبار کی بندش کا حکم خود خان عبدالقیوم خاں نے دیا۔

خان عبدالقیوم خان کی حکومت نے اخبارات پر وحشیانہ حملے کیے۔ 1949ء میں انہوں نے روزنامہ ''سرحد'' کے ڈیکلریشن کی منسوخی کا حکم جاری کیا' ساتھ ہی اخبار کے ایڈیٹر رحیم بخش غزنوی کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔ ''الجمعیت'' کے ایڈیٹر سلطان شاہ گیلانی کو قیوم خان کی مسلم لیگی وزارت پر تنقید کرنے کے باعث 1949ء میں گرفتار کرلیا گیا۔ طویل عدالتی کارروائی کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا لیکن ان کا دو ہزار روپے کا زرضمانت ضبط کرلیا گیا۔

نواب افتخارالدین ممدوٹ

پنجاب کے ایک سرکاری اہلکار نے نواب ممدوٹ کے کہنے پر زرعی اراضی کا ایک ٹکڑا ان کے نام الاٹ کر دیا جبکہ نواب ممدوٹ کا اس پر کوئی حق نہیں بنتا تھا لہٰذا اس اہلکار کے خلاف کارروائی کے ساتھ ساتھ نواب ممدوٹ سے مذکورہ اراضی واپس لے لی گئی۔ 1950ء کی دہائی میں ''پروڈا'' اور ایبڈو جیسے قوانین بھی منظور ہوئے تا کہ کرپٹ سیاست دانوں کو نااہل قرار دیا جا سکے۔ ایوب کھوڑو' قاضی فضل اللہ' حمید الحق چودھری بھی پروڈا کی زد میں آئے لیکن بعد میں گورنر جنرل نے انہیں معافی دے دی۔ فاروق لغاری کے والد بھی ایسے ہی قوانین کی زد میں آ کر نااہل قرار پائے تھے۔

پیر الٰہی بخش

(وزیر اعلیٰ سندھ)

ایوب کھوڑو کی بدعنوانی کے الزامات پر برطرفی کے بعد پیر الٰہی بخش سندھ کے وزیر اعلیٰ بنے۔ ان کے خلاف پانچ ایڈیٹروں نے ہندو نوازی‘ رشوت ستانی‘ اقربا پروی‘ سمگلروں کی پشت پناہی اور دیگر بدعنوانیوں کے الزامات عائد کیے۔ پی آئی بی کالونی کی اراضی کی رقوم کے ضمن میں الزامات اس کے علاوہ تھے۔ اس سلسلے میں گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین کی صدارت میں اعلیٰ سطح کا ایک اجلاس ہوا‘ جس میں یہ طے پایا کہ صوبائی گورنر پیر الٰہی بخش پر عائد الزامات کی تحقیقات کریں گے۔ ان پر ایک الزام یہ بھی تھا کہ ان کا ایک ہندو دست راست عین اس وقت گرفتار کرلیا گیا جب وہ مبینہ طور پر سرکاری دستاویزات لے کر بھارت فرار ہورہا تھا۔ بہرحال پیر الٰہی بخش کی حکومت 9 ماہ چلی اور پھر انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔

اس سے قبل مشرقی بنگال کے وزیر اعظم (وزیر اعلیٰ) خواجہ ناظم الدین کے خلاف بھی بدانتظامی‘ نااہلی‘ بدعنوانی اور اقرباء پروری کے الزامات عائد کیے گئے۔



ایوب خان اور گوہر ایوب خان

فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور حکومت کو ترقیاتی منصوبوں کے حوالے سے پاکستان کا بہترین دور کہا جاتا ہے تاہم اس دور میں بھی دولت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز‘ مشرقی پاکستان کو احساس محرومی کا شکار رکھنا‘ پرمٹوں اور الاٹمنٹوں کا سلسلہ جاری تھا‘ ایوب خان نے محترمہ فاطمہ جناح کے خلاف انتخاب لڑ کر ساری زندگی کے لیے نفرتیں خرید لیں۔ وہ اپنے بیٹے کیپٹن گوہر ایوب کو بھی سیاست میں لے آئے۔ 1990ء میں ارب پتی گوہر ایوب نے صرف 306 روپے ٹیکس ادا کیا۔ ایوب خان نے مختلف شہروں میں اپنے من پسند افراد میں جو پلاٹ الاٹ کیلئے ان کی موجودہ قیمت 20 ارب سے 50 ارب روپے بنتی ہے۔ گوہر ایوب اپنی رنگین طبیعت کے باعث کئی کہانیاں تخلیق کر چکے ہیں۔ بطور سپیکر قومی اسمبلی ان کے زیر استعمال 5 گاڑیاں تھیں۔ ایوب خان کے دور میں اندازاً پچاس ہزار ایکڑ اراضی الاٹ کی گئی‘ اس میں پنجاب کے وسطی علاقے میں اسی ہزار نو سو ایکڑ ڈیرہ اسماعیل خان میں دو ہزار دو سو پچتالیس ایکڑ اور غلام محمد بیراج میں سوا چھ ہزار ایکڑ‘ گدو بیراج کے علاقہ میں اٹھائیس ہزار ایکڑ سے زائد اراضی مدح سرائی کرنے والے درباریوں میں تقسیم کی گئی۔ ایوب خان اپنے بیٹوں کو فوج سے نکال کر کاروبار میں لے آئے۔ اس وقت کے وزیر خزانہ ایم شعیب نے ان کے بیٹے گوہر ایوب کو امریکہ کی مشہور

فرم جنرل موٹرز کی ایجنسی لے دی جو جلد ہی گندھارا انڈسٹریز میں تبدیل ہوگئی اور اس کے مالکان گوہر ایوب اور ان کے سسر جنرل حبیب اللہ کا شمار ملک کے امیر ترین خاندانوں میں ہونے لگا۔ جولائی 1968ء کے اختتام تک گوہر ایوب خان ان اداروں کے چیئرمین یا ڈائریکٹر تھے۔ اروسہ انوسٹمنٹ لمیٹڈ' ہاشمی کین کمپنی لمیٹڈ' گندھارا انڈسٹریز لمیٹڈ' گوہر حبیب لمیٹڈ اور جانانہ ڈی مالوچہ ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ شامل ہیں۔ ان کی اس وقت مجموعی دولت 40 لاکھ ڈالر کے لگ بھگ تھی۔ اسی دور میں نواب آف کالا باغ امیر محمد خان گورنر مغربی پاکستان نے بھی سیالکوٹ میں کوکا کولا فیکٹری لگائی۔ گورنر نے اس کا لائسنس اپنے ایک ملازم یٰسین کے نام پر حاصل کیا۔ فیکٹری کیلئے سنٹرل کوآپریٹو بینک نے قرضہ دیا مگر بدلے میں نہ کوئی سکیورٹی دی نہ کوئی تحریری معاہدہ ہوا۔ اس بینک کے سیکرٹری چودھری ظہور الٰہی تھے۔ اس دور میں مشرقی پاکستان کے ایک گورنر ذاکر حسین کی بیوی کو محکمہ بحالیات نے کراچی میں ایک بنگلہ الاٹ کیا۔ ایم شعیب اس دور میں وزیر خزانہ تھے جو پاکستان کا وزیر بن کر بھی ورلڈ بینک کی ملازمت کرتے رہے اور اپنی تنخواہ زرمبادلہ کی صورت میں وصول کرتے۔ اس کام کی انہوں نے ایوب خان سے خصوصی اجازت حاصل کر رکھی تھی۔

مارشل لاء کا ایک ضابطہ انہی دنوں سامنے آیا کہ لوگوں کو بیرون ملک جمع شدہ زرمبادلہ واپس لانے کی ترغیب دی جائے لیکن کچھ صنعت کاروں اور تاجروں نے اپنی خفیہ دولت ظاہر کرنے کی حکومتی پالیسی کی مخالفت کی۔ ان لوگوں کو گرفتار کرلیا گیا لیکن بعد میں چھوڑ دیا گیا۔ ان میں چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے ایم اے رنگون والا' اے کے سومار جے ایس پولو اور احمد اے کریم شامل تھے۔



ذوالفقار علی بھٹو کی سخاوتیں

بھٹو سے پلاٹ لینے والوں میں فاروق لغاری 1133 مربع گز' غلام مصطفیٰ جتوئی ایم این اے 1406 مربع گز' سردار شوکت حیات اور مولانا عبدالحق کو دو دو پلاٹ الاٹ کئے گئے دیگر پلاٹ لینے والوں میں ملک محمد صادق ایم این اے 800 ' ملک محمد اختر ایم این اے 800 ' محمد سردار خان ایم این اے 800 ' چودھری غلام حیدر چیمہ ایم این اے 800 ' غلام نبی چودھری ایم این اے 800 ' نیامت اللہ خان شنواری ایم این اے 800 ' چودھری نثار احمد پنوں ایم این اے 800 ' چودھری ممتاز احمد ایم این اے 800 ' سردار شوکت حیات ایم این اے 1400 ' مہر غلام حیدر بھروانہ ایم این اے 933 ' صاحبزادہ نذیر سلطان آف سلطان باہو ایم این اے 1066 ' خان کمال محمد گوریجہ ایم این اے 1066 ' محمد خان چودھری ایم این اے 978 ' چودھری محمد اسلم سیلر 1066 محمد ہاشم خازئی 1066 ' مس عذرا مسعود دختر میاں مسعود احمد ایم این اے 1066 ' مہر مہران خان بجارانی سینٹر 977 ' فضل الٰہی پراچہ سینٹر 1066 ' عبدالنبی کانجو ایم این اے' اکبر خان ایم این اے 933 ' احمد خان معرفت شہادت خان بھٹی ایم این اے 933 ' تاج محمد جمالی سینٹر (سابق وزیر اعلیٰ بلوچستان ہیں) 1066 ' حاجی صالح خان ایم این اے 1011 ' شہادت علی خان ایم این اے 1011 ' حاجی سید حسین شاہ سینٹر 933 ' غلام رسول تارڑ ایم این اے 800 ' اتالیق جعفر علی شاہ ایم این اے

800 ‘خواجہ سلیمان ایم این اے 800 ‘محمد حنیف خان ایم این اے 933 ‘مس طلعت احسان دختر احسان الحق پراچہ سینٹر 1244 ‘سید قمر الزمان شاہ سینٹر 1322 ‘صاحب زادہ فاروق علی خان سپیکر 800 ‘ملک محمد سلیمان ایم این اے 800 ‘محمد زمان اچکزئی سینٹر 933 ‘شیر باز خان مزاری ایم این اے 1066 ‘شفقت خان ایم این اے 1066 ‘پیر عبدالقادر شاہ جیلانی ایم این اے 1066 ‘عبدالعزیز بھٹی ایم این اے‘ مہر شفیع عثمان فاتح سینٹر 1000 ‘احمد وحید اختر سینٹر 800 ‘چودھری جہانگیر علی ایم این اے 1166 ‘خان حبیب اللہ خان چیئر مین سینٹ 800 ‘محمد داؤد خان ایم این اے 2000 ‘مسز نوبیہ خانم دختر سلطان ایم این اے‘ نصر اللہ خان خٹک ایم این اے 2500 ‘قمر زمان سینٹر 500 ‘ظہور الحق سینٹر‘ ڈاکٹر غلام حسین ایم این اے 1777 ‘مخدوم محمد امین ایم این اے 800 ‘احمد رضا قصوری ایم این اے 800 ‘سید خیال شاہ سینٹر‘ چودھری بشیر احمد ایم این اے‘ حفیظ اللہ چیمہ ایم این اے 1244 ‘منظور حسین دوہرا ایم این اے 1244 ‘میاں حامد یاسین ایم این اے 1244 ‘سید صرار ہی گردیزی ولد عباس حسین گردیزی ایم این اے 800 ‘پاشان میر ولد خورشید حسن میر ایم این اے 933 ‘میر دریا خان کھوسو ایم این اے 1244 ‘ملک نصر اللہ خان آفریدی سینٹر 800 ‘ممتاز فاروق خٹک ایم این اے 1322 ‘ملک جہانگیر خان ایم این اے 1244 ‘راؤ عبدالستار ایم این اے 1244 ‘نوابزادہ محمد ذاکر قریشی ایم این اے 1175 ‘کرم بخش اعوان ایم این اے 1311 ‘محمد یوسف خٹک ایم این اے 1472 ‘عبدالعزیز پیرزادہ ایم این اے 1444 ‘راجہ تری دیورائے ایم این اے 1066 ‘اسعد علی نون ایم این اے 1244 ‘میاں احسان الحق ایم این اے 1244 ‘میاں احسان الحق ایم این اے 1066 ‘میاں غلام عباس خان ایم این اے 1040 ‘عبدالسبحان ایم این اے 1040 ‘سردار عبدالعلیم ایم این اے 1000 ‘مربع گز بیگم شیریں وہاب ایم این اے 1200 مربع گز‘ سکندر یوسف عبدالرحمٰن ایم این اے 1066 گز کے پلاٹ لینے والوں میں شامل تھے۔

نام	مربع گز
مولانا مفتی محمود	1066 گز
مولوی نعمت اللہ (ایم این اے)	1066 گز
مولوی صدر الشہری (ایم این اے)	1066 گز
مولانا عبدالباقی (ایم این اے)	106 گز
مولانا عبدالحق (ایم این اے)	800 گز (دو پلاٹ)
مولانا کوثر نیازی (ایم این اے)	3157 گز
مولانا غوث ہزاروی (ایم این اے)	555 گز
مولانا عبدالحکیم (ایم این اے)	800 گز

بھٹو سے پلاٹ لینے والے ایم این اے سینٹر/ایم پی اے

لاہور کی انتہائی ماڈرن کالونیوں گارڈن ٹاؤن گلبرگ مسلم ٹاؤن اور شادمان میں دو کنال سے آٹھ کنال تک کے پلاٹ ان لوگوں میں کوڑیوں بھاؤ بانٹے گئے۔ سینٹر احسان الحق دو کنال‘ محمد خان دو کنال‘ میاں شہادت علی خان دو کنال‘ سابق صوبائی وزیر محمد صادق ملھی دو کنال‘ چودھری غلام قادر دو کنال‘ سابق وزیر اعلیٰ کے مشیر راجہ منور احمد (کنال) چودھری مشتاق احمد (دس مرلے) صوفی نذیر محمد (دس مرلے)‘ مہر یز علی مہر (دس مرلے)‘ سابق صوبائی وزیر اوقاف و جیل خانہ جات ملک حاکمین خان (دو کنال)‘ ملک خالق داد (دو کنال) چودھری بشیر احمد (دو کنال)‘ حاجی محمد بخش مخدوم (دس مرلے)‘ چودھری حمید اللہ (دو کنال) شامل ہیں۔ جبکہ پیپلز پارٹی کیا راضی حاصل کرنے والوں کے نام اس طرح ہیں۔ عارف اقبال بھٹی نائب صدر پی پی (ایک کنال)‘ مولوی ہدایت اللہ (ایک کنال) شہزاد جہانگیر بار ایٹ لاء (ایک کنال)‘ قیوم نظامی سیکرٹری اطلاعات پی پی پی پنجاب (دس مرلے)‘ راجہ محفوظ علی حیدر پی پی پی رحیم

یار خان (دس مرلے)' بہادر حسین ڈار (دس مرلے)' ایس اے رؤف (دس مرلے)' حکیم عمر دین صدر پی پی پی داتا نگر لاہور (دس مرلے)' ذکیہ بیگم نے دس مرلے کا پلاٹ لیا۔ سابق صوبائی وزیر محمد افضل وٹو (دو کنال) رائے احمد حیات کول (دو کنال) مرزا طاہر بیگ (ایک کنال)

خاص افسروں کو پلاٹوں کی الاٹمنٹ

بھارت میں پاکستان کے سفیر سید فدا حسین دس مرلے سابق اسسٹنٹ ایڈووکیٹ' عبدالستار نجم (ایک کنال)' مقبول حسین قریشی صاحب زادہ صادق حسین قریشی وزیر اعلیٰ پنجاب (دو کنال) عاشق حسین قریشی معرفت صادق حسین قریشی وزیر اعلیٰ پنجاب (دو کنال)' جسٹس محمد افضل چیمہ سیکرٹری وفاقی وزارت قانون (دوک نال) آصف ہاشمی افسر یکے از بکار خاص وزیر اعلیٰ پنجاب (سوا کنال)' شیخ محمد اسد اللہ سیکرٹری پنجاب اسمبلی (ایک کنال) ایک ریٹائرڈ چیف جسٹس ہائی کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج اور جج صاحبان کو (دو دو کنال)' شوکت علی رانا اسسٹنٹ کمشنر فیروز والا (ایک کنال)' سید عابد علی سابق ڈائریکٹر جنرل پبلک ریلیشنز پنجاب اور مال ڈائریکٹر پی آر او واپڈا (دو کنال)' میجر جنرل سعد طارق سابق چیئر مین واپڈا (دو کنال)' میاں وحید الدین ڈپٹی سیکرٹری بورڈ آف ریونیو (دو کنال)' فاروق ایوب ایڈیشنل سیکرٹری سروسز جنرل ایڈمنسٹریشن (دو کنال)' نبی بخش بھٹی پرائیوٹ سیکرٹری وزیر اعلیٰ (ڈیڑھ کنال)' شیخ صلاح الدین ڈپٹی ڈائریکٹر ایل ڈی اے (ایک کنال)' سلمان خالق سابق آئی جی پنجاب پولیس (دو کنال)' انور آفریدی سابق آئی جی پنجاب (چھ کنال)' اشفاق احمد خان ٹاؤن پلانر (ڈیڑھ کنال)' ثناء اللہ ڈپٹی ٹاؤن پلانر (ایک کنال)' کے محمود وفاقی ایڈیشنل سیکرٹری (ایک کنال)' اے اے نسیم کمشنر سی (دو کنال) مبارز خان اے آئی جی ویلفیئر پنجاب پولیس (ایک کنال)' ایس ایم اشرف جائنٹ ڈائریکٹر لیبر ویلفیئر (ایک کنال)' محمد اسلم

بٹ پی اے ٹو آئی جی (دس مرلے)' حاجی محمد اکرم صوبائی سیکرٹری (ڈیڑھ کنال)' نذیر احمد سپرنٹنڈنٹ گورنر ہاؤس (دس مرلے)' شوکت علی کمپرولر گورنر ہاؤس (دس مرلے)' ایم اے مفتی پی اے ٹو سیکرٹری ٹو گورنر پنجاب (دس مرلے)' یوسف سپروائزر فشریز گورنر ہاؤس (دس مرلے)' امی احمود چیئر مین پنجاب پبلک سروس کمیشن (دو کنال) ' کے زیڈ درانی کمشنر سوشل سیکورٹی (ایک کنال)' اے یو سلیم ایڈمنسٹریٹر لاہور میونسپل کارپوریشن (ایک کنال)' ریٹائرڈ بریگیڈیر مظفر خان ملک چیف سیکرٹری پنجاب۔ (دس مرلے)' چودھری محمد اکرم سابق سیکرٹری خوراک (دس مرلے)' جاوید احمد قریشی چیئر مین سیڈ کارپوریشن (ایک کنال)' خالد جاوید کمشنر لاہور ڈویژن (ایک کنال)' اقبال مسعود صوبائی سیکرٹری (ایک کنال)' اسد علی شاہ ہوم سیکرٹری پنجاب (ایک کنال)' نسیم احمد سابق سیکرٹری اطلاعات (ایک کنال)' صاحبزادہ رؤف علی سابق انسپکٹر جنرل پولیس (دو کنال اور دو کنال کا دوسرا پلاٹ اہلیہ کے نام)' ڈاکٹر اسد ملک سیکرٹری ہاؤسنگ (دو کنال)' علی حسن انڈونیشیاء میں پاکستانی سفیر (دو کنال) اے کے چودھری صوبائی سیکرٹری (دو کنال)' آئی اے امتیازی سابق ایڈیشنل سیکرٹری (دو کنال)' خالد احمد کھرل ڈپٹی کمشنر لاڑکانہ سابق وزیر بے نظیر بھٹو دور (دو کنال) ہمایوں فیض رسول (دو کنال)' شوکت حسین پرسنل اسسٹنٹ وزیر اعلیٰ (دس مرلے) ملک منظور علی کمپرولر چیف منسٹر ہاؤس (دس مرلے)' مراتب علی شیخ پی آر او وزیر اعلیٰ (دس مرلے) حفیظ اللہ اسحاق ڈپٹی کمشنر لاہور (دو کنال)' کشور ناہید پاکستان نیشنل سنٹر (ایک کنال)' ایل ڈی اے کے سید امتیاز' عبدالحمید ڈار' عبدالقدیر کوثر اور عباس علی شاہ (ایک ایک کنال) مسماۃ نور جہاں (دو کنال) گجرات' منیر علی ہرل فیصل آباد' صوفی نذر محمد نارووال' چودھری مشتاق احمد لاہور اور سید نذیر حسین حافظ کو ایک ایک کنال کے پلاٹ دیئے گئے۔ اس کے علاوہ شیخ رشید وفاقی وزیر اور ڈپٹی سپیکر مسٹر شمیم احمد بھی پلاٹ حاصل کرنے والے خوش نصیبوں میں شامل ہیں۔

بھٹو دور میں سیکرٹ فنڈ سے موجیں

بھٹو دور میں بیشتر حصہ پارٹی مقاصد کے لیے استعمال کیا گیا اور کئی پارٹی لیڈروں نے اپنی ضروریات اسی سے پوری کیں۔

خورشید حسن میر کو جو رقم دی	194632 روپے
غلام مصطفیٰ جتوئی	80000 روپے
ڈاکٹر مبشر حسن	230000 روپے
ڈاکٹر غلام حسین	100000 روپے
ناصر رضوی	210000 روپے
پی پی پی کے صوبہ سرحد کے صدر حیات شیر پاؤ	40000 روپے
پی پی پی پنجاب کے صدر میاں محمد افضل وٹو	40000 روپے
محمد خالد ملک	10000 روپے
پی پی پی کوئٹہ کے صدر غوث بخش رئسانی	190000 روپے
صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ مسٹر نصر اللہ خاں خٹک	150000 روپے

انٹیلی جنس بیورو کے فنڈز سے دی جانے والی رقم کچھ اس طرح ہے۔

خورشید حسن میر	15367 روپے
ڈاکٹر مبشر حسن	30000 روپے
ڈاکٹر غلام حسین	40000 روپے
ناصر علی رضوی	10000 روپے
حیات محمد شیر پاؤ	50000 روپے
آفتاب احمد شیر پاؤ	20000 روپے
میاں محمد افضل وٹو	20000 روپے
محمد خالد ملک	50000 روپے
سردار غوث بخش رئیسانی	45000 روپے
نصر اللہ خان خٹک	30000 روپے

پیپلز فاؤنڈیشن ٹرسٹ کو قیمتی پلاٹ کی الاٹمنٹ

لارنس روڈ پر واقع پلاٹ صرف 5 لاکھ 64 ہزار روپے کی معمولی قیمت پر دیا گیا۔ جبکہ مارکیٹ میں اس کی اس وقت قیمت 60 لاکھ روپے سے زائد تھی۔ ٹرسٹ نے کراچی میں بھی 3549 گز کا پلاٹ 235 روپے فی مربع گز کے حساب سے حاصل کیا جبکہ اس وقت اس کی قیمت 1500 روپے فی مربع گز تھی۔

ابوظہبی کے حکمران نے دو کروڑ 48 لاکھ 75 ہزار 729 روپے 30 پیسے دیئے۔ یہ رقم پاکستان کے عوام کو دی گئی لیکن ٹرسٹ نے اسے بھٹو اور پیپلز پارٹی کا پروپیگنڈہ کرنے کے لیے غلط طور پر استعمال کیا۔

وزیر بلدیات سندھ کی کرپشن

سندھ کے وزیر بلدیات جام صادق کی بدعنوانیاں بھٹو دور میں اتنی مشہور ہوئیں کہ ایک مرتبہ بھٹو نے کراچی ائرپورٹ پر کہا کہ جام صادق تم کہیں مزار قائد اعظم کسی کو الاٹ نہ کر دینا ورنہ قوم میرے پیچھے پڑ جائے گی۔ جام صادق نے ہزاروں پلاٹ اپنے دور میں الاٹ کئے' گندے نالے تک نہ چھوڑے۔ کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی کو دیوالیہ کر کے رکھ دیا۔ اس دور میں کے ڈی اے سکینڈل مشہور ہوا تھا۔



غلام مصطفیٰ جتوئی کی کرپشن

(سابق نگران وزیراعظم)

قومی احتساب بیورو کی سابق نگران وزیراعظم غلام مصطفیٰ جتوئی کے خلاف قومی خزانے کو اربوں روپے کا نقصان پہنچانے پر تحقیقات میں شدید بدعنوانیوں کے انکشافات ہوئے تحقیقات کے ابتدائی مرحلہ میں یہ بات سامنے آئی کہ غلام مصطفیٰ جتوئی نے 6 اگست 90ء سے 6 نومبر 90ء کے تھوڑے سے عرصے میں اربوں روپے کے 57 پلاٹ پسندیدہ افراد کو بانٹ دیئے تحقیقات کے مطابق سابق نگران وزیراعظم نے تمام پلاٹ نومبر کے مہینے میں الاٹ کئے جوان کے عبوری اقتدار کا آخری مہینہ تھا تمام پلاٹ اسلام آباد کی رہائشی سرکاری کالونیوں میں الاٹ کئے گئے تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق مسٹر جتوئی نے راولپنڈی کے طارق عمر کو صرف 500 روپے فی مربع گز کے حساب سے رعایتی قیمت پر پلاٹ دیا اسلم (راولپنڈی) اور حیدر علی لغاری (اسلام آباد) کو بھی انہی نرخوں پر پلاٹ دیئے لاہور کی بلقیس بیگم کو 600 مربع گز کا پلاٹ 800 روپے مربع گز کے حساب سے الاٹ کیا راولپنڈی کے عزیز داور کو ایک ہزار مربع گز کا پلاٹ 800 روپے فی مربع گز' عائشہ قیصر اسلام آباد کو 500 مربع گز کا پلاٹ 500 روپے فی مربع گز' صبیحہ عین الدین اسلام آباد' نسیم احمد عثمانی کراچی اور قیوم قمر کو بالترتیب 500` 311 اور 500 مربع گز کے پلاٹ 500 روپے فی مربع گز کے حساب سے دیئے

گئے رحیم مختار اور کول ملک اسلام آباد کو آٹھ آٹھ سو مربع گز کے پلاٹ صرف 250 روپے فی مربع گز کے حساب سے دیئے گئے عابدہ پروین اسلام آباد اور نعیم الرحمان اسلام آباد کو چھ چھ سو مربع گز کے پلاٹ 800 روپے فی مربع گز کے حساب سے دیئے گئے راولپنڈی کے گل رحیم کو 111 مربع گز کا پلاٹ 300 روپے فی مربع گز کے حساب سے دیا گیا۔ اسلام آباد کے غلام مجتبیٰ کو 500 مربع گز کا پلاٹ 372 روپے مربع گز کے حساب سے دیا گیا۔ صادق آباد کے فضل الٰہی کو چھ سو مربع گز کا پلاٹ 800 روپے فی مربع گز کے حساب سے دیا گیا۔ راولپنڈی کے بشیر احمد کو 365 مربع گز کا پلاٹ 800 روپے فی مربع گز کے حساب سے دیا گیا۔ سید ضیا عباس کراچی کو 800 مربع گز کا پلاٹ 250 روپے فی مربع گز کے حساب سے دیا گیا۔ شکیل احمد ایک ہزار مربع گز کا پلاٹ 250 روپے فی مربع گز دیا گیا۔ رشیدہ نثار پانچ سو مربع گز 500 روپے فی مربع گز' مطلوب حسین 365 مربع گز 300 روپے فی مربع گز' مطلوب حسین 365 مربع گز 300 روپے فی مربع گز' واجد علی غوری 500 مربع گز' محمد احمد مفتی 500 مربع گز 500 روپے فی مربع گز' کرنل اشفاق پرویز ڈپٹی ملٹری سیکرٹری (سابق وزیراعظم) 500 مربع گز 500 روپے فی مربع گز' اعجاز خان عباسی ایک ہزار مربع گز 250 روپے فی مربع گز ' قاضی احسان الدین ایک ہزار مربع گز 250 روپے فی مربع گز' منظور حسین 111 مربع گز 300 روپے فی مربع گز' عبیدہ الیاس 356 مربع گز 185 روپے فی مربع گز' ایس ایم فاروق 500 مربع گز 500 روپے فی مربع گز' مولانا متین ہاشمی لاہور 500 مربع گز 500 روپے فی مربع گز' محمد سعید 111 مربع گز 300 روپے فی مربع گز' حاجی دین محمد 111 ربع گز 300 روپے مربع گز' محمد بخش 111 مربع گز 300 روپے فی مربع گز' سکندر علی 111 مربع گز 300 روپے فی مربع گز' انور علی 111 مربع گز 300 روپے فی مربع گز' محمد بخش' محمد بچل' نذیر گوبل' عمر جتوئی' علی اصغر جتوئی' بختو بی بی اور علی محمد کو 111 مربع گز کے پلاٹ 300 روپے فی مربع گز کے حساب سے دیئے گئے۔ عبدالقیوم شیخ کو 335 مربع گز کا پلاٹ 300 روپے فی مربع گز' محمد اسماعیل' قربان علی' احمد خان' غلام قادر' رحمت اللہ' محمد ابراہیم' محمد سلمان اور علی مراد کو 111 مربع گز کے قیمتی پلاٹ 300 روپے فی مربع گز کے حساب سے دیئے گئے۔ محمد یونس کو 500

مربع گز کا پلاٹ دیا گیا جب کہ دینی بخش جتوئی اور کیپٹن محمد صفدر رائے ڈی سی جی برائے (سابق وزیراعظم) کو 500 مربع گز کے پلاٹ 300 روپے فی مربع گز کے حساب سے دیئے گئے۔

جتوئی اور جام صادق نے وزارت کے دوران نسرین منہاس نامی خاتون اور اس کے لواحقین کو مختلف رہائشی سکیموں میں 9 رہائشی پلاٹ عطا کئے۔ قاعدہ کے مطابق ایک فرد کو صرف ایک پلاٹ مل سکتا ہے۔ اسی خاتون کو کلفٹن سکیم نمبر 5 کے بلاک نمبر 2 میں ایک ہزار گز کا پلاٹ نمبر ڈی 104، گلشن اقبال سکیم 24 کے بلاک نمبر 4 میں چھ سو گز کا پلاٹ نمبر سی 96 اور شمالی کراچی کے سیکٹر 11 بی میں چار سو گز کا پلاٹ نمبر بی 193 الاٹ کیا۔ اسی طرح انہوں نے ایک خاتون کو تین رہائشی پلاٹ اس کی ذاتی خدمات کے صلے میں دیئے ان کے چھوٹے صاحبزادے کو ایک چھ سو گز اور دوسرا چار سو گز کا پلاٹ الاٹ کیا گیا۔ نسرین کے خاندان کی ایک خاتون زرینہ منہاس کو تین پلاٹ دیئے گیے۔



جنرل ضیاء الحق

جنرل ضیاء الحق نے جولائی 1977ء میں اقتدار سنبھالا تو فوری طور پر سابق وزراء، مشیروں، ارکان اسمبلی اور افسروں کے خلاف تحقیقات کا حکم دے دیا۔ پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن، پورٹ قاسم، کراچی پورٹ ٹرسٹ اور دیگر منصوبوں میں کروڑوں کے غبن اور خورد برد کا سراغ لگانے کا اعلان کیا گیا۔ انتخابی دھاندلیوں میں ملوث 475 اعلیٰ سول افسروں اور زرعی اصلاحات کی خلاف ورزیوں کے جرم میں ذوالفقار علی بھٹو، ممتاز بھٹو اور غلام مصطفیٰ جتوئی پر مقدمات چلانے کے فیصلے بھی منظر عام پر آئے۔ 89 سیاست دانوں کے مقدمات نااہل قرار دینے والی عدالتوں کے سپرد کر دیئے گئے۔ ان میں بیگم نصرت بھٹو، حفیظ پیرزادہ، ممتاز بھٹو، شیخ رشید، قائم علی شاہ، معراج خالد، صادق قریشی، جام صادق، عبداللہ بلوچ، وحید کپڑ، نصراللہ خٹک، ملک حاکمین، بیگم اشرف عباسی، افتخار تاری، رانا اقبال، ارشاد ملک، شمیم احمد خان، غلام نبی، خورشید حسن میر، مختار اعوان، خالد ملک، طاہر محمد خان، حفیظ چیمہ شامل تھے لیکن آج تک کسی کے خلاف کارروائی نہ ہو سکی۔

جنرل ضیاء الحق نے بھٹو دور کی کرپشن اور خورد برد میں ساتھ دینے والے کئی افراد کے خلاف سخت ایکشن لینے کا اعلان کیا لیکن ان کی اپنی کابینہ میں وزیر تجارت زاہد سرفراز

کاری کنڈیشنڈ کاروں کی درآمد کا سیکنڈل پکڑا گیا' جس میں ری کنڈیشنڈ کاروں پر پابندی کے باوجود یہ کاریں درآمد کی گئیں۔ اس وقت کے اسسٹنٹ کلکٹر امپورٹ اینڈ ایکسپورٹ نے بتایا تھا کہ اس سیکنڈل میں ملوث ارکان کو وفاقی وزیر کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اس کے علاوہ مصطفیٰ گوکل (وفاقی وزیر) کا شپنگ کارپوریشن کے جہازوں کی خرید وفروخت کا بہت بڑا اسکینڈل بھی سامنے آیا۔

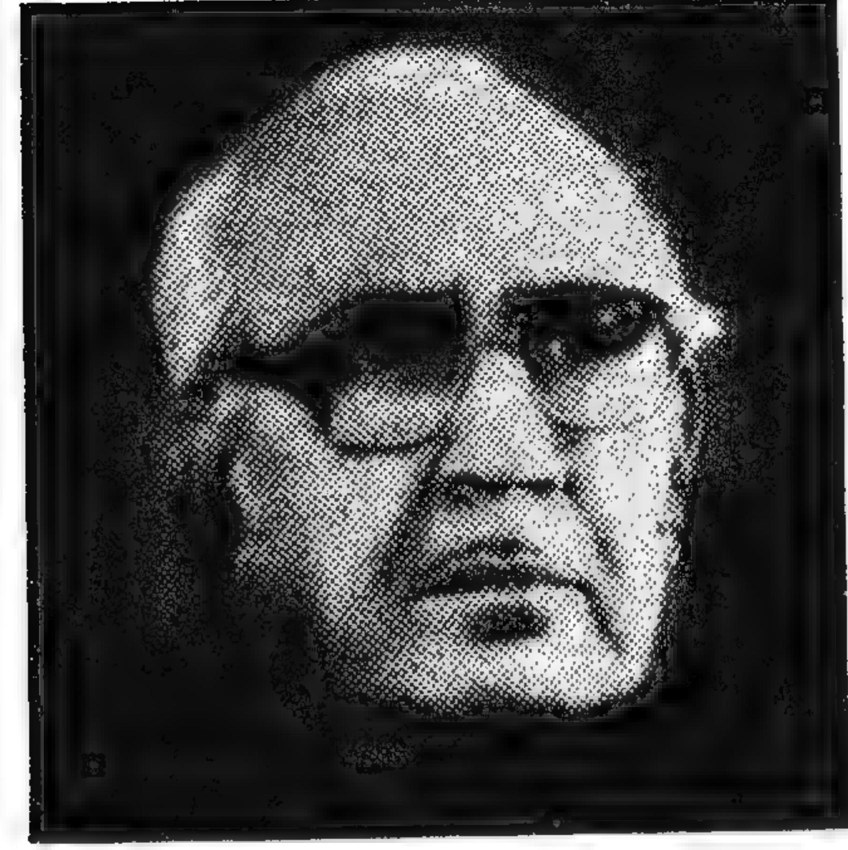
جنرل صاحب نے ایک فوجی افسر کی ہیلمٹ ساز کمپنی کو فائدہ پہنچانے کے لیے موٹرسائیکل پر ہیلمٹ پہننے کی لازمی شرط کا قانون لاگو کیا اور اسے کروڑوں کا فائدہ پہنچایا۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں ان کے برادر نسبتی نے بینکوں سے 170 کروڑ روپے قرض حاصل کیا۔

جنرل ضیاء الحق اور پلاٹوں کی تقسیم

1981ء سے 85ء تک اسلام آباد کے سیکٹر جی 6' جی 7 اور ایف 6' ایف 8 میں 76 پلاٹ بانٹے گئے شہر کے سب سے مہنگے علاقے ای 7' جی 9' جی 10 اور ایف 10 کے پلاٹ اس کے علاوہ ہیں جنرل ضیاء الحق نے اپنے فرزند اعجاز الحق کو 1066 گز کا پلاٹ اور اپنے بھائی محمد اظہار الحق کو 1400 گز کا پلاٹ الاٹ کیا۔

دس پلاٹ ایسی عورتوں کو دیئے گئے جن کی ولدیت یا زوجیت ظاہر نہیں کی گئی تھی' ان میں مسز ثریا فرمان علی 200 گز مسز شوکت آراء' 223 گز مسز تسنیم کوثر 233 گز' اور مسز سعدیہ انور شامل ہیں۔ پلاٹ حاصل کرنے والے دیگر خوش قسمت افراد کے نام یہ ہیں۔ کیپٹن وحید ارشد ولد ارشد چودھری 1378 گز ڈاکٹر محمد افضل سابق وزیر تعلیم 875' مسز انجم نسرین 855' ڈاکٹر آفتاب احمد خان 800' مسز روبینہ سلیم 1066' ڈاکٹر بشارت جذبی' 1666' مسز نسرین اختر 500' الٰہی بخش سومرو 1066' لیفٹیننٹ جنرل محمد اکرم 888' اے کے بروہی' مسز آر محمد علی خان 933' گل جی 938' مسز ثریا

صفدر 1233' مسز سعید زمان نقوی' 800 مسٹر ریاض خان 800' انور حسین 933' ایئر مارشل وقار عظیم 1323' شوکت جاوید 555' صغیر اسد حسین 1200' محمد افضل کھوٹ 1122' لیفٹیننٹ جنرل جہانداد خان' 1800' عبدالقیوم 556' راجہ محمد اکرم خان 556' سیٹھ اللہ دتہ 1066' سید حسن رضا 700' بریگیڈیئر محمد انور 700' ڈاکٹر ساجد شاہ 466' مسز سرور سلطانہ 466' مسز نیئر محفوظ 466' مسز شاہد شمسی 466' لیفٹیننٹ کرنل محمد ظہیر ملک' لیفٹیننٹ عبدالجلیل 800' شفیع اے سہوانی 800' ایڈمرل (ر) کے آر نیازی 1512' بریگیڈیئر ذوالفقار احمد خان 800' مسز سلیمہ آر خان 800' ایئر مارشل جمال اے خان 800' مسز عزت بانو بلگرامی 800' مسز زبیدہ فیاض 667' کرنل (ر) ایم اے حسن 667' محمد اسلم باجوہ 800' ایم زید اے تیموری 700' وائس ایڈمرل احمد ضمیر 855' بیگم بشریٰ ملک زوجہ میجر جنرل عبدالوحید ملک 600' اے آر صدیقی 800' ایڈمرل طارق کمال خان 1556' مسز شمیم اعجاز 666' پروفیسر شیخ امتیاز علی 600' سید احمد شہود الحق ایڈووکیٹ 600' چودھری فضل داد 1155' نوابزادہ جہانگیر شاہ جوگیزئی 933' رفیق احمد 955' شیخ حفیظ الرحمٰن 861' الطاف یاور 738' طارق حمید 206' سردار خضر حیات 666 مربع گز پلاٹ حاصل کرنے والوں میں شامل ہیں۔



غلام اسحاق خان

(سابق صدر پاکستان)

نائب تحصیلدار سے ترقی کر کے گورنر سٹیٹ بینک چیئرمین سینٹ اور بعد ازاں صدر مملکت کے عہدے تک پہنچنے والے غلام اسحاق خان نے کرپشن کے الزامات پر بینظیر بھٹو کی حکومت برطرف کی تو بینظیر نے جواباً ان پر درج ذیل الزامات عائد کیے۔

(i) صدر نے اپنے ایک داماد جس کو منشیات کی سمگلنگ پر امریکہ نے گرفتار کیا' رہائی دلائی۔

(ii) اپنے ایک داماد کو خوش کرنے کے لیے ایک ٹیلی فون کنٹریکٹ کو منسوخ کر دیا۔

(iii) اپنے داماد کو ڈیزل کے پلانٹ سے نوازا۔

(iv) دامادوں کو دیئے گئے قرضہ جات معاف کر دیئے۔

صدر کے جن دامادوں پر الزامات لگائے گئے ان میں سے ایک کو پیپلز پارٹی نے ہی اپنے 1993ء سے 96ء تک کے دور میں وفاقی وزیر کے اہم عہدے پر فائز کیے رکھا۔ غلام اسحاق خان جو اس وقت صدر تھے' نے بھی اپنے ہی لگائے گئے الزامات کے تحت کسی بھی شخص کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہ کی کرپشن کے ان واقعات کی تحقیقات کرانے سے ان کے دامادوں کی کرپشن اور خورد برد کے واقعات بھی سامنے آ

جاتے۔ بینظیر حکومت میں صدر کے داماد عرفان اللہ مروت پر سردار شوکت حیات کی بیٹی ونیا حیات کے گھر ڈکیتی اور اس کے ساتھ زیادتی کا الزام لگایا گیا لیکن کچھ بھی نہ ہو سکا۔ صدر مملکت کے عہدے تک پہنچنے اور کئی دہائیوں تک اہم حیثیتوں اور کرسی کا لطف اٹھانے والے غلام اسحاق خان نے اس ملک میں کوئی بنیادی تبدیلی لانے یا رشوت' کرپشن اور بیروزگاری کے خاتمہ کے لیے کچھ بھی نہ کیا حالانکہ انہیں فنانس کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔



غلام مصطفیٰ کھر

(سابق وزیر اعلیٰ، گورنر پنجاب اور وفاقی وزیر)

کھر اپنے طلسماتی کارناموں کی ایک پوری تاریخ رکھتے ہیں' مالی سے زیادہ ان کی اخلاقی کرپشن کی داستانیں زیادہ مشہور ہیں۔ بے نظیر بھٹو وزیر اعظم بنیں تو پاکستان کا سب سے زیادہ ''پیداواری'' محکمہ واپڈا ان کے حوالے کر دیا۔ اپنے دور میں مصطفیٰ کھر اس قدر طاقتور ہو گئے تھے کہ بعض لوگوں کے خیال میں وہ پورا محکمہ فروخت کر سکتے تھے۔ انہوں نے مظفر گڑھ میں اپنی بچی کھچی بے کار اراضی فروخت کی اور لاہور کے نواح میں واقع نارنگ منڈی ضلع شیخو پورہ میں حکومتی وسائل استعمال کرتے ہوئے نئی جاگیر بنانا شروع کر دی۔ کچھ خریدی اور کچھ حکومتی دباؤ ڈال کر حاصل کر لی۔ اس اراضی کو قابل کاشت بنانے کے لیے واپڈا کے سارے وسائل یہاں جھونک دیئے گئے۔ دو برسوں میں ہی سرکاری رقم سے یہ بنجر زمین پنجاب کی سب سے زیادہ زرخیز زرعی اراضی کا روپ دھار گئی۔ انہوں نے واپڈا کو دونوں ہاتھوں' دونوں پیروں بلکہ اپنے منہ سے بھی لوٹا اور یہ محکمہ کنگال ہوتا گیا۔ واپڈا کے دو طیارے مصطفیٰ کھر کی دسترس میں رہے لیکن ریکارڈ میں ان کے استعمال کا اندراج چیئر مین واپڈا اور دوسرے اعلیٰ عہدیداروں کے ناموں کے ساتھ ہوتا رہا۔ غلام مصطفیٰ کھر پہلے پی پی پی میں شامل ہوئے پھر چیئر مین بھٹو کے خلاف

ہو گئے اور مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ 77ء کی تحریک کے آخری دنوں میں دوبارہ بھٹو کے مشیر اعلیٰ بنے۔ پھر نیشنل پیپلز پارٹی کے قیام کیلئے غلام مصطفیٰ جتوئی کے ساتھ مل کر کوششیں کیں۔ 88ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کے حامی کے طور پر الیکشن لڑا لیکن 1990ء میں بے نظیر کے خلاف ہو گئے اور نواز شریف کے دور میں خاموشی اختیار کی اور اپوزیشن لیڈر بے نظیر بھٹو کا ساتھ دیتے رہے۔ نواز شریف کے دوسرے دور میں بے نظیر بھٹو نے خود ساختہ جلا وطنی اختیار کی تو کھر نے خود کو پارٹی لیڈر کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا لیکن راؤ سکندر اقبال اور دیگر افراد کی مخالفت کے باعث ان کا کمزور گروپ کامیاب نہ ہو سکا۔ آج بھی وقتاً فوقتاً نارنگ منڈی سے ایسی خبریں آتی رہتی ہیں کہ مصطفیٰ کھر کے مویشی دوسرے زمینداروں کے کھیتوں میں گھس جاتے ہیں اور اگر ان مویشیوں کو وہاں سے نکالا جائے تو کھر صاحب کے غنڈے ان زمینداروں پر تشدد کرنے سے نہیں ہچکچاتے۔

2 ستمبر 1990ء کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مصطفیٰ کھر نے کہا کہ میں بینظیر کا راستہ روکنے والی قوتوں کا ساتھ دوں گا۔ بینظیر نے اقتدار بچانے کیلئے ملکی مفادات کا سودا کیا۔ خزانہ لٹنے کا ذمہ دار آصف زرداری ہے۔ جب قیادت غیر محبِ وطن ہو تو کارکن کا فرض بنتا ہے کہ اس قیادت کو ہٹا کر پارٹی کو بچائے۔ 20 ماہ کے دور میں وزیر اعظم ہاؤس کرپشن کا منبع تھا۔ انہوں نے ''انکشاف'' کیا کہ بے نظیر کے کم از کم دو اقدامات جو میرے علم میں ہیں ایسے ہیں جو پاکستان کے خلاف سازش تھی۔ انہوں نے اپنا اقتدار بچانے کے لیے ملک کے مفاد کو بیچا۔ اس لیے ان سے الگ ہو کر میں مطمئن ہوں کیونکہ میرے نزدیک کرپٹ وزیر اعظم کا ساتھ دینا غلط ہے۔

اب مصطفیٰ کھر کے بارے میں بے نظیر کے خیالات سے بھی استفادہ کر لیں وہ کہتی ہیں کہ یہ نان سینس ہے اور یہ کہ پارٹیاں اور وفاداریاں بدلنا اس کا معمول ہے لیکن ان باتوں کے باوجود بے نظیر نے انہیں پھر وزیر بنا لیا۔

غلام مصطفیٰ کھر کے سگے بھائی نور ربانی کھر نے جون 1975ء میں ان کے

خلاف استغاثہ دائر کیا جس میں انہوں نے حلفاً یہ بیان دیا کہ ''ملک غلام مصطفیٰ کھر کو 26 دسمبر 1977ء کے دن گورنر پنجاب مقرر کیا گیا تو وہ مجھے اپنے ساتھ لے آئے اور گورنر ہاؤس میں حفاظتی دستے کا نگران مقرر کیا۔ اس عرصہ کے دوران میں نے دیکھا کہ غلام مصطفیٰ کھر زیادہ تر فلمی اداکاروں محمد علی' زیبا' شبنم اور دیگر اداکاراؤں کے ساتھ رہتے ہیں اور اکثر ایسی پارٹیاں منعقد کی جاتیں جہاں کال گرلز کو بھی مدعو کیا جاتا۔



مولانا فضل الرحمٰن

مولانا مفتی محمود کے صاحبزادے اور جمعیت علماء اسلام کے جنرل سیکرٹری مولانا فضل الرحمٰن کی لوٹ مار سے قبل ان کا ایک بیان ملاحظہ کریں۔ مولانا فرماتے ہیں ''اپوزیشن اور حکومت نے ملک کو کنگال کر دیا ہے۔ ارکان اسمبلی ایوان میں لڑتے ہیں مگر رات کو اکٹھے شراب پیتے ہیں''

اسلام کے نام پر جن جماعتوں نے ذاتی اغراض اور مفادات حاصل کیے۔ جمعیت علماء اسلام بھی ان میں شامل ہے۔ اسلامی نظام کے نفاذ کی حامی یہ جماعت ہمیشہ لادین قوتوں کی اتحادی رہی لیکن اسلامی نظام کے قیام کے لیے اسلامی جماعتوں سے مل کر کبھی کوشش نہ کی۔ اس جماعت نے 1970ء میں تنہا الیکشن لڑا بعد میں ولی خان کی سیکولر جماعت سے اتحاد کیا البتہ 1974ء کی تحریک ختم نبوت اور بعد میں تحریک نظام مصطفیٰ میں اس جماعت نے بھرپور حصہ لیا۔ اس جماعت کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن کا ایک بیان آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں' دوسرا دیکھئے ''موجودہ کرپٹ نظام مجبوراً برداشت کرنا پڑ رہا ہے''۔ دونوں بیانات بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں جاری ہوئے اور اس

وقت مولانا بے نظیر بھٹو کے اتحادی تھے' ان کا دوسرا رخ دیکھئے کہ ایک طرف 1996-97 کے بجٹ کے خلاف یوم احتجاج بھی منایا اور دوسری جانب زبردستی بجٹ منظور کرانے کے بعد حکومتی پارٹی کی طرف سے دیئے گئے عشائیہ میں شرکت کر کے وزیرخزانہ کو مبارکباد بھی پیش کی۔ مولانا فضل الرحمٰن نے بے نظیر دور میں حکومتی وسائل کا ذاتی استعمال کیا اور بے نظیر کے مذہبی بنیادوں پر مخالف افراد کو ان کی حکومت کے حق میں شرعی جواز فراہم کرتے رہے۔ مولانا نے اس پورے دور میں پرمٹوں کا حصول جاری رکھا اور ڈیزل کے اتنے زیادہ پرمٹ حاصل کیے کہ خود بے نظیر بھٹو اور ان کے ساتھی انہیں اپنی نجی محفلوں میں اصل نام کے بجائے مولانا ڈیزل کے نام سے پکارنے لگے۔

امور خارجہ سے بالکل ناواقف مولانا فضل الرحمٰن نے امور خارجہ کی کمیٹی کا جس طرح ذاتی استعمال کیا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ مولانا ہمیشہ غیرملکی دورہ پر رہے صرف 23-3-1994 تا 18-4-1994 کے دوران لگ بھگ ایک ماہ کے دوران ان کے غیرملکی دوروں پر 6لاکھ 35 ہزار 911 روپے خرچ ہوئے۔ مولانا غیرملکی دورہ مکمل کرکے وطن لوٹتے تو فوری طور پر مزید پرمٹوں کے حصول کی کوشش میں لگ جاتے' جب ان کے کسی مطلوبہ پرمٹ کی منظوری میں تاخیر ہوتی تو وہ فوراً اپنی فتوؤں والی پٹاری کھولتے اور چپکے سے عورت کی حکمرانی کے حرام ہونے کا راگ الاپنے لگتے۔



جنرل (ر) حمید گل

متحدہ قومی موومنٹ کی رابطہ کمیٹی کے کنوینر ڈاکٹر عمران فاروق نے بتایا کہ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل (ر) حمید گل پر ہم نے یہ الزام نہیں لگایا کہ انہیں نارووال میں زمین حکومت نے الاٹ کی ہے بلکہ ہماری تحقیقات کے مطابق 1966ء میں جب وہ نارووال میں ایف آئی یو کے مقامی کمانڈر تھے تو انہوں نے ایک بیوہ کی اراضی پر ناجائز قبضہ کرلیا تھا تاہم انہوں نے یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ انہوں نے 1400 کنال اراضی ڈھائی ہزار روپے میں خریدی تھی جس کی موجودہ مالیت دو لاکھ روپے ہے اور اس اراضی کا 23 سال تک مقدمہ چلتا رہا ہے۔ عمران فاروق نے کہا کہ جنرل حمید گل نے یہ تو تسلیم کرلیا کہ اس اراضی پر مقدمہ چلتا رہا مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ مقدمہ کیوں بنا اور انہوں نے اس میں کس طرح کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے مزید بتایا کہ جنرل حمید گل نے بدعنوانی کے الزام سے بچنے کیلئے یہ اراضی اپنی اہلیہ شہناز بیگم اور بیٹوں عبداللہ اور عمر گل کے نام منتقل کردی اور اپنی اہلیہ کو کاغذات میں غیرشادی شدہ ظاہر کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ اراضی ریاستی مہاجر خاتون مہر بی بی کی تھی جس کا کل رقبہ ایک کنال بارہ مرلے تھا مگر اسے 13 مربع 17 ایکڑ میں بدل دیا گیا۔ اس مقصد کیلئے عارضی نمبردار

خادم حسین کو کنگ آف سمگلرز کے نام سے مشہور مقامی بدمعاش اکرم خان کے ذریعے ڈرا دھمکا کر کاغذات پر دستخط کرائے گئے۔ جنرل حمید گل نے اکرم خان کو سمگلنگ کے مال سمیت گرفتار کیا مگر اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ زمین کا قبضہ دلائے گا۔ اسی قسم کی کارروائیوں کے باعث مقامی لوگوں نے ایک مرتبہ حمید گل کی جیپ روک کر احتجاج کیا اور گاڑی میں موجود افراد کی ڈنڈوں سے پٹائی کی۔ حمید گل نے سرکاری ریوالور سے فائرنگ کر کے لوگوں کو منتشر کیا اور تھانہ غریب شاہ میں رپورٹ درج کرائی۔ دیہاتیوں نے مال افسر کی عدالت میں مقدمہ درج کرایا' جہاں فیصلہ ان کے حق میں ہوا جو دوسری عدالتوں سے تبدیل کرا لیا گیا۔ ان ناانصافیوں کی اطلاع سابق وزیراعلیٰ پنجاب نوازشریف کو بھی دی گئی۔ ڈاکٹر عمران فاروق کے بقول آنسہ شہناز بیگم کے نام پر شکرگڑھ کے مختلف دیہات میں 2447 کنال 8 مرلہ اراضی رجسٹرڈ ہے۔ اس اراضی میں فوج کی جانب سے الاٹ کردہ اراضی کا ایک مرلہ بھی نہیں۔ موضع بھویا تحصیل شکرگڑھ میں حمید گل کے بیٹوں کے نام 1415 ایکڑ اراضی رجسٹرڈ ہے۔ ان لڑکوں کو شکر گڑھ کا رہائشی ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ زمین حمید گل کے ملازمین دو سال تک کاشت کرتے رہے۔ تاہم یہاں سے ایک مغوی عورت کی برآمدگی کے بعد چھوڑ گئے۔ جنرل حمید گل نے لڑکوں کے برعکس اپنی اہلیہ کا تعلق سرگودھا سے لکھا ہے۔ ڈاکٹر عمران فاروقی کا کہنا ہے کہ جنرل مشرف نے احتساب کا نعرہ لگایا ہے اگر وہ مخلص ہیں تو کرپٹ سابق جرنیلوں کا بھی احتساب کریں۔

نوابزادہ نصراللہ خان اینڈ سن

قیام پاکستان کے لیے قربانیوں کا سلسلہ اپنے عروج پر تھا کہ احرار رہنما سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے اعلان کیا کہ ''پاکستان بن گیا تو میری داڑھی پیشاب سے مونڈھ دینا'' اس جماعت مجلس احرار کے اس وقت کے سیکرٹری جنرل نوابزادہ نصراللہ خان تھے۔ انہوں نے بھی اپنے قائد کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ان کی سیاست کا آغاز ہی پاکستان اور قائداعظم کی مخالفت سے ہوا۔ نوابزادہ نصراللہ صاحب خود کو کتنا پاکیزہ اور پارسا سمجھتے ہیں' اس کا ثبوت یہ واقعہ ہے کہ نوازشریف دور میں کشمیر کمیٹی کے چیئرمین چودھری سرور نے ایک ملاقات میں انکشاف کیا کہ نوابزادہ نصراللہ نے اپنا پہلا غیرملکی دورہ اس وقت کیا جب بے نظیر نے انہیں جمہوریت لانے اور جمہوریت کو بھیجنے کی کوششوں پر کشمیر کمیٹی کا چیئرمین بنایا۔ چودھری سرور کی تصدیق کے بعد میں نے اپنے ایک کالم میں یہ بات بیان کر دی۔ اگلے ہی روز نوابزادہ نصراللہ کے سیکرٹری کا فون آیا کہ آپ نے نوابزادہ کی توہین کی ہے۔ میں نے پوچھا کہ کس طرح؟ سیکرٹری بولا آپ نے لکھا ہے کہ نوابزادہ نے کشمیر کمیٹی کا چیئرمین بننے کے بعد اپنا پہلا غیرملکی دورہ کیا حالانکہ وہ تو نواب ہیں۔ ایسے کئی دورے کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا اچھا اگر انہیں اس پر اعتراض ہے تو میں کل یہ لکھ دیتا ہوں کہ نوابزادہ نصراللہ نے اس کمیٹی کا سربراہ بننے سے قبل بہت سے دورے کیے۔ اس قسم کی بحث کے آخر میں سیکرٹری نے دھمکیاں دیتے ہوئے فون بند کر دیا۔ بعد میں چودھری سرور کی بات کی میں نے مزید تصدیق کی تو کشمیر کونسل کے سابق ڈائریکٹر ایف ڈی مسعود اور اس وقت کے ڈائریکٹر سلطان احمد نے بھی

چودھری سرور کے بیان کی تصدیق کی۔

نوابزادہ نصراللہ نے ملک میں بحالی جمہوریت کے لیے جتنی کوشش کی' اتنی ہی کوششیں جمہوریت کے خاتمے کے لیے کیں۔ حقے اور شاعری کے شوقین نوابزادہ نصراللہ نے بھی زمیندار سے صنعتکار بننے کا فیصلہ کیا تو ایک بہت بڑی مل لگانے کے لیے کروڑوں کا قرضہ لے لیا۔ بے نظیر بھٹو کے دوسرے دورحکومت میں ان کے فرزند نوابزادہ منصوروزیر بنے اور ان لیڈروں کی طرح ملکی وسائل اور مراعات سے خوب استفادہ کیا' جس طرح ان کے ہم پیشہ افراد نے اپنا وطیرہ بنا رکھا تھا۔ 1995ء کے دوران نوابزادہ منصور کا سفری خرچ دولاکھ گیارہ ہزار پانچ سو چونتیس روپے تھا۔ جنوری 1996ء میں نوابزادہ منصور کی بیٹی اور نوابزادہ نصراللہ کی پوتی کی شادی پر صرف ہوٹل کے اخراجات 22 لاکھ روپے تھے جبکہ شادی کے سلسلے میں 11 سرکاری ریسٹ ہاؤس استعمال کیے گئے اور اپنے مہمانوں کی آؤ بھگت کے لیے 40 سرکاری گاڑیاں استعمال کی گئیں۔ کیا آپ اور میں یہ سب سہولتیں حاصل کر سکتے ہیں؟ بے نظیر بھٹو پہلی بار وزیراعظم منتخب ہوئیں تو 88ء02.03 کے اخبارات میں نوابزادہ نصراللہ خان کا یہ بیان چھپا کہ ''بے نظیر بھٹو غیر جماعتی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لے کر ان لوگوں کے ساتھ اقتدار میں شریک ہونے کو تیار ہیں جنہیں وہ اپنے والد مرحوم کے قاتل قرار دیتی ہیں۔ اس سے بے نظیر کی غیر آئینی اور غیر جمہوری ڈیل کی عکاسی ہوتی ہے۔'' بعدازاں نوابزادہ نصراللہ دوسرے دورحکومت میں بینظیر کی جانب سے کشمیر کمیٹی کی چیئرمین شپ پر راضی ہو گئے اور مرسڈیز گاڑیوں پر گھومنے لگے۔ سینکڑوں ایکڑ زرعی اراضی باغات اور فیکٹری کے مالک ہونے کے باوجود چند سال قبل تیار کی گئی ایک فہرست کے مطابق نوابزادہ نصراللہ اور ان کے فرزند نوابزادہ منصور انکم ٹیکس ادا نہ کرنے والوں میں شامل تھے۔

اگر دیکھا جائے تو پاکستان میں حکومت چاہے کسی فوجی آمر کی ہو یا جمہوری اس کے خاتمے کے لیے جب بھی کوئی منصوبہ بندی کی گئی تو نوابزادہ نصراللہ اس کے بنیادی کردار رہے۔ وہ جس شخصیت کی حکومت کے خاتمہ کے لیے کوششیں کرتے ہیں۔ اس

کی حکومت ختم ہوتے ہی پہلے دوستوں کے مخالف اور اس کے حامی بن جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ حکومتیں بدلتی رہتی ہیں لیکن عوام ان کی تبدیلی سے وہ فوائد حاصل نہ کر سکے جو ان کا حق تھے۔ تاہم ایک بات طے ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کی جماعت کے ابھی ارکان نہ ہونے کے باعث کئی عہدے خالی پڑے ہیں۔ نوابزادہ نصراللہ کی ہوشیاری نے انہیں ہر تحریک کی فرنٹ سیٹ پر بٹھا رکھا ہے۔ نوابزادہ نصراللہ خان نے 1994ء 29.03 تا 1994 `28.04` تک غیر ملکی دوروں پر پندرہ لاکھ نو ہزار پانچ سو اٹھانوے روپے خرچ کیے جبکہ 1994-09-03 سے 1995-10-07 تک ان کے غیر ملکی دوروں پر سرکاری خزانے کے اکتالیس لاکھ چھتر ہزار چار سو اڑسٹھ روپے خرچ ہوئے۔ جمہوریت اور غریبوں کے حقوق کی بات کرنے والے نوابزادہ نصراللہ جن کا سیکرٹری صحافیوں کو دھمکیاں دینے پر اتر آتا ہے کہ انہوں نے نوابزادہ کی توہین کی کہ ان کا پہلا غیر ملکی دورہ سرکاری رقم سے کیا گیا۔ کشمیر کمیٹی کے چیئرمین کے طور پر سات لاکھ 16 ہزار سالانہ تنخواہ ڈیڑھ لاکھ ٹرانسپورٹ الاؤنس جبکہ 5 لاکھ تفریحی الاؤنس لیتے رہے

نوابزادہ نصراللہ کشمیر کمیٹی کے چیئرمین بنے تو ان کی صوابدید پر کروڑوں کا فنڈ چھوڑ دیا گیا۔ انہیں ایک وزیر مملکت جیسا پروٹوکول دیا گیا اور ان کی تمام خواہشات کو فوراً پورا کیا جاتا۔ اس سارے عرصے میں نوابزادہ پٹرول پمپوں کے اجازت نامے اور جائیدادیں حاصل کرتے رہے۔ ایک دو بار ایسا بھی ہوا کہ بے نظیر یا ان کے کسی با اختیار وزیر نے نوابزادہ کی خواہش کا فوری احترام نہ کیا تو فوراً حکومت پر ان کی تنقید تیز ہو گئی۔ وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے اس کا نوٹس لیا تو انہیں بتایا گیا کہ نوابزادہ کا مطالبہ ہے کہ اسلام آباد والی رہائش میں اٹھارہ کمرے ہیں جبکہ صرف تین ایئر کنڈیشنرز لگائے گئے ہیں لہٰذا وہ ایسے ماحول میں سرکاری رہائش گاہ میں نہیں رہ سکتے۔ بے نظیر کے کون سے ذاتی پیسے خرچ ہونے تھے لہٰذا انہوں نے فوراً عوام کے ٹیکسوں سے جمع رقم سے 15 ایئر کنڈیشنرز لگوا دیئے۔ اگلے روز وفاقی حکومت کا ایک خاص نمائندہ نوابزادہ نصراللہ کو اس ٹھنڈی رہائش پر لے آیا اور ساتھ ہی تمام اختلافات ختم ہو گئے۔

800 سیاستدانوں کی نااہلی

قومی احتساب بیورو کے حکام کو یقین ہے کہ 1997ء کے انتخابات میں حصہ لینے والے تقریباً 800 سیاستدان غلط انتخابی گوشوارے داخل کرنے کے الزام میں نااہل قرار پا جائیں گے۔ بیورو کے سربراہ جنرل امجد کا کہنا ہے کہ ان سیاستدانوں کو نااہل قرار دلانے کا طریقہ کار جلد طے کرلیا جائے گا۔ وفاقی وزیر قانون عزیز اے منشی نے کہا کہ چونکہ اس وقت اسمبلیاں موجود نہیں ہیں اور خاص طور پر سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد جس میں اس نے جنرل مشرف کی حکومت کو 3 سال دیئے ہیں۔ یہ بات بہت آسان ہوگئی ہے کہ وزیر قانون خود ریفرنس بھیج سکتا ہے۔ احتساب بیورو کے حکام رات گئے تک اپنا کام نمٹانے میں مصروف نظر آتے ہیں جن لوگوں کی نااہلی متوقع ہے' ان میں دونوں سابق وزراء اعظم بینظیر بھٹو اور نواز شریف کے علاوہ گیارہ سابق وزراء اعلیٰ اور 25 سابق وفاقی وزیر' وزیر مملکت اور مختلف کارپوریشنوں کے چیئرمین شامل ہیں جبکہ بے شمار ارکان قومی وصوبائی اسمبلی بھی شامل ہیں۔ سابق وزیر اعلیٰ نواز شریف کی طرف سے داخل کئے جانے والے انتخابی گوشوارے میں انہوں نے 5 لاکھ کی ایک گاڑی ویلتھ ٹیکس حکام سے پوشیدہ رکھی' اپنی بیگم کے پاس نقد دولت 9 لاکھ 12 ہزار 973 کے بجائے 7 لاکھ 12 ہزار 973 ظاہر کی۔ اپنے بیٹے حسن نواز کے نام چودھری شوگر ملز کے حصص ظاہر نہ کیے جبکہ اسی سال حسن نواز کی طرف سے ویلتھ ٹیکس ایک لاکھ 32 ہزار 845 روپے کو بھی کہیں ظاہر نہ کیا گیا۔

سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو کے انتخابی گوشوارے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی نوڈیرو کی رہائش گاہ کے بارے میں دولت ٹیکس حکام کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ یہ مکان اور بہت زیادہ زرعی زمین ان کی صاحبزادی بختاور کے نام ہے۔ الیکشن کمیشن کے سامنے بینظیر بھٹو نے اس کی مالیت سات لاکھ روپے ظاہر کی ہے۔ اس کے علاوہ دو مرسڈیز کاریں اور نقد رقم بھی خفیہ رکھی گئی۔

جن سابق وزراء کے خلاف کارروائی جاری ہے۔ ان میں سے تین کا تعلق پنجاب سے چار کا سندھ سے اور چار کا صوبہ سرحد سے ہے۔ ان میں میاں شہباز شریف سرفہرست ہیں جنہوں نے اپنے انتخابی گوشوارے میں 78 ہزار ایک سو روپے نقد اور 3 لاکھ 60 ہزار 55 روپے واجب الادا رقم کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں میاں منظور احمد وٹو کے کھاتے میں بدعنوانی اور خفیہ اثاثوں کی ایک طویل فہرست موجود ہے۔ سندھ کے سابق وزرائے اعلیٰ سید عبداللہ شاہ' آفتاب شعبان میرانی' سید قائم علی شاہ اور سید غوث علی شاہ کے گوشواروں میں بھی غلط بیانیاں موجود ہیں اور انہوں نے اپنے پورے اثاثے ظاہر نہیں کیے۔ ان میں سب سے زیادہ گھپلے غوث علی شاہ کے ہیں۔ صوبہ سرحد کے سابق وزراء اعلیٰ سردار مہتاب خان عباسی' آفتاب خان شیر پاؤ' پیر صابر شاہ کے علاوہ ارباب محمد جہانگیر نے دھاندلی اور بدعنوانی کے علاوہ الیکشن کمیشن اور ٹیکس حکام کے سامنے صحیح اعداد وشمار پیش نہیں کیے۔ جس کی بنیاد پر وہ عدالتوں سے نااہل قرار پا سکتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ ان لوگوں سے رواداری اور نرمی کا سلوک عوام کو قبول نہیں۔ ان لوگوں نے خود کو عوام کا خادم قرار دے کر ان کے حقوق غصب کیے ہیں۔ اگر کسی حکومت اور عدالتوں نے بدعنوان لیڈروں کو پھانسی نہ چڑھایا تو وہ دن دور نہیں جب کوئی سرمایہ دار کوئی جاگیردار اور کوئی جرنیل عوام کے مستقل جذبات کو ٹھنڈا نہ کر سکے گا اور پھر تخت گرائے جائیں گے اور تاج اچھالے جائیں گے۔



چودھری برادران

پاکستان میں اگر یہ کہا جائے کہ سب سے زیادہ کسی خاندان نے فائدے اٹھائے تو نوازشریف خاندان کے ساتھ گجرات کا چودھری خاندان بھی ہوگا۔ چند ایکڑ کے مالک اور معمولی ملازمت کرنے والے چودھری ظہور الٰہی نے سیاست میں آتے ہی اپنے کاروبار کو وسیع سے وسیع تر کرلیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزندوں نے اس سلسلے میں خوب ترقی دی۔ حکومت کسی بھی جماعت کی ہو چودھری شجاعت اور پرویز الٰہی ہر دور میں اپنا کام نکلوانے کے ہنر سے آشنا ہیں۔ آج چودھری خاندان کی کئی ملیں اور کارخانے پیسہ بنا رہے ہیں۔ بعض تجزیہ نگار تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ دونوں محض اس لیے وزارت عظمٰی اور وزارت اعلیٰ کے چکروں میں نہیں پڑتے کہ ان کے لیے پھر اپنی سرگرمیاں اس حد تک خفیہ رکھ کر مختلف رہنماؤں کو بلیک میل کر کے مراعات حاصل کرنے کے امکانات نہ رہیں گے اور پھر اس سے یہ سب کی نظروں میں آ جائیں گے۔ ایک رپورٹ کے مطابق چودھری برادران کی پھالیہ شوگر ملز لمیٹڈ کے ذمہ 40 کروڑ کے لگ بھگ قرض واجب الادا ہے۔

کوآپریٹو بحران جس میں 6 لاکھ خاندانوں کا 17 ارب روپیہ ڈوب گیا۔ ان فنانس کمپنیوں کے کئی مالکان نے کوآپریٹو جج سے کھاتہ داروں کو ادا کردہ منافع واپس لے

لیا۔ اس منافع کی رقم ایک ارب 87 کروڑ روپیہ بنتی ہے۔ 1991ء سے 96ء تک کھاتہ داروں کو صرف دو ارب روپیہ کی ادائیگی کی گئی اور یہ رقم بھی پنجاب لیکوڈیشن بورڈ نے کنسورشیم آف بنکس سے قرض کے طور پر حاصل کی۔ اس عرصے کے دوران کھاتہ داروں کی جمع شدہ رقم کی مالیت آدھے سے کم رہ گئی جبکہ کارپوریشن کی پراپرٹی کی قیمت دوگنا بڑھ گئی۔ اب مالکان نے ایڈجسٹمنٹ سکیم پاس کروا کر کھاتہ داروں کو ان کی جمع شدہ رقوم کا صرف 25 فیصد ادا کر کے ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش شروع کر دی۔

کھاتہ داروں کی رقوم کی فیس ویلیو کم ہو جانے اور پراپرٹی کی قیمت بڑھ جانے کے بعد اگر مالکان کی ایڈجسٹمنٹ سکیم پر عملدرآمد ہو جائے تو یہ مالکان مزید سات ارب روپیہ ہڑپ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ مالکان کھاتے داروں کی رقم خرچ کر کے مختلف ادوار میں ارکان اسمبلی منتخب ہوتے رہے اور حکومت کے احتسابی پروگرام پر اثرانداز ہو کر اپنے گروپ کیخلاف کارروائیوں کی مزاحمت کرتے رہے۔ کوآپریٹو سکینڈل کے حوالے سے گجرات کے چودھری برادران کا کردار نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح انہوں نے کوآپریٹو اداروں کو لوٹا۔ اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ میاں نوازشریف کی وزارت اعلیٰ کے دوران ان کوآپریٹو کمپنیوں کی طرف سے عوام کو لوٹنے اور ان کی رقوم خورد برد کرنے کے عمل کو عروج حاصل ہوا۔

کوآپریٹو فنانس کارپوریشن 1980ء سے جولائی 1990ء تک رجسٹرڈ ہوئیں آخر وقت تک ان کی تعداد 92 تھی ان میں سے 47 رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز پنجاب نے رجسٹرڈ کیں اور باقی 45 کمپنیاں وزارت خوراک وزراعت اور کوآپریٹو کارپوریشن آف پاکستان نے ملٹی یونٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کیں۔ حکومت کی مدد سے جعلی بورڈ آف ڈائریکٹرز تشکیل دیئے گئے حتیٰ کہ سب ڈرامہ تھا۔ تمام کمپنیوں نے خوبصورت دفاتر کھول کر زیادہ تر غریب بیواؤں، کلرکوں اور محدود وسائل رکھنے والوں کو متاثر کر کے ان کو عمر بھر کی پونجی سے محروم کر دیا۔ زیادہ تر کمپنیوں کی انتظامیہ مضبوط اور بااثر سیاستدانوں

کی تھی۔ بعض کوآپریٹو اداروں کے سربراہوں نے بھاری قرضے لے کر نیشنل باٹلرز (کوکا کولا) اور سروسز انٹرنیشنل ہوٹل اور راہوالی شوگر ملز جیسے یونٹ خرید لیے۔ میاں نوازشریف کے چہیتے چودھری برادران نے انہیں تحفظ دینا شروع کر دیا اور کمپنی کے بعض ذمہ داروں کو مکمل سپورٹ کیا جس کی بڑی مثال چودھری خاندان ہے۔ مقتول ملک ذوالفقار اعوان اور چودھری عبدالمجید نے جوڈیشل سٹامپ پیپر پر محکمہ اینٹی کرپشن پنجاب کو بیان حلفی ریکارڈ کرایا کہ انہوں نے اپنی کارپوریشنوں سے جعلسازی سے آؤٹ آف بک 1084 ملین روپے حاصل کر کے اعلیٰ سیاستدانوں' بیوروکریٹس اور افسروں کو رشوت کے طور پر دیئے۔

چودھری ظہور الٰہی کی وفات کے وقت چودھری خاندان کے اثاثوں کی تفصیل کچھ اس طرح تھی۔

1- لاہور ریلوے سٹیشن کے قریب فلور مل
2- چوہڑ چوک راولپنڈی مین پشاور روڈ پر فلور مل
3- لاہور میں ڈیکورا کارپٹس فیکٹری
4- راوی روڈ لاہور پر پرویز ٹیکسٹائل مل
5- ویسٹریج راولپنڈی میں ایک کوٹھی
6- گجرات میں ظہور الٰہی ہاؤس
7- ظہور الٰہی روڈ گلبرگ لاہور میں کوٹھی
8- فیصل آباد میں چند ایکڑ اراضی

چودھری ظہور الٰہی کے انتقال کے بعد پرویز ٹیکسٹائل مل لاہور اور ڈیکورا کارپٹس بند ہوگئیں۔ شریف خاندان کی طرح جنرل ضیاء الحق کو اس خاندان سے بھی خصوصی ہمدردی تھی۔ انہوں نے چودھری شجاعت کو شوریٰ کا ممبر بنا دیا جبکہ پرویز الٰہی ضلع کونسل گجرات کے چیئرمین بن گئے۔ 1985ء کے انتخابات کے بعد چودھری شجاعت جونیجو کابینہ میں وزیر صنعت جبکہ پرویز الٰہی پنجاب کے وزیراعلیٰ نوازشریف کی ٹیم میں وزیر

بلدیات بن گئے' بعد میں چودھری شجاعت وزیر داخلہ جبکہ پرویز الٰہی سپیکر پنجاب اسمبلی رہے۔ 85ء سے 99ء تک دونوں ناجائز اختیارات' بینکاروں کے ساتھ نجی روابط' بیوروکریسی اور کچھ کرپٹ ججوں کے ساتھ کے باعث کئی محکموں کی مراعات حاصل کرتے رہے۔ اس عرصے میں چودھری خاندان کے 6 افراد شجاعت حسین' وجاہت حسین' شفاعت حسین' پرویز الٰہی' تجمل حسین اور مبشر حسین ایم این اے' ایم پی اے اور ضلع کونسل کے چیئرمین بنتے رہے۔ اس عرصے میں صنعتی سلطنت' جاگیروں اور بنگلوں پر ناجائز قبضوں' جعلسازیوں اور متنازعہ جائیدادوں کو ہتھیا کر انہوں نے جو اضافہ کیا اب وہ بھی دیکھیں۔

1- بنکاک میں ایک بڑی فیکٹری
2- دبئی میں ایک بہت بڑی ٹیکسٹائل مل
3- پنجاب شوگر مل میاں چنوں
4- پھالیہ شوگر مل
5- ملکوال ٹیکسٹائل مل پھالیہ
6- کنجاہ ٹیکسٹائل مل کنجاہ گجرات
7- فیروز پور روڈ لاہور پر 400 کنال کا زرعی فارم
8- گوجرانوالہ اور قلعہ دیدار سنگھ میں ایک پٹواری کے ساتھ مل کر کئی سو کنال اراضی کے مالک بن گئے۔
9- آبائی گاؤں میں ''نت محل''، جس میں عیش وعشرت سے لے کر مخالفین کو دبانے اور مفروروں کو پناہ دینے تک کے انتظامات موجود ہیں۔
10- گلبرگ میں باپ کی چھوڑی ہوئی کوٹھی کو وسعت دے کر ساتھ والی جائیدادیں خرید کر چھ کوٹھیوں کا اضافہ۔
1- ظہور الٰہی روڈ پر چودھری تجمل حسین کا 10 کنال پر پھیلا محل
12- گلبرگ میں کئی کنال رقبہ پر چودھری شفاعت حسین کا بنگلہ

13-نیر کارپٹ فیکٹری گجرات

14-لاہور میں مختلف جگہ پر تین سو کنال کے متنازع پلاٹوں پر قبضہ ان میں برلب نہر ایک سو کنال سے زائد رقبے والے پلاٹ پر قبضے کے دوران ایک شخص اپنی جان ہار گیا۔ چودھری برادران نے یہ پلاٹ اپنے ملازموں اور رشتہ داروں کے نام کر رکھا ہے۔

15-انڈسٹریل سٹیٹ دبئی میں کارپٹ فیکٹری

16-اسلام آباد کے سیکٹر ایف 8 میں ایک کوٹھی

یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ وہ اثاثے ہیں جو تحقیقاتی ایجنسیوں کے علم میں ہیں جبکہ امریکہ، جرمنی، انگلینڈ، دبئی وغیرہ میں موجود جائیدادیں ہوٹل اور بینک بیلنس اس کے علاوہ ہیں۔ چودھری خاندان نے خود کو چھپانے کیلئے اپنے کئی اثاثے ملازموں کے نام کر رکھے ہیں۔ کنجاہ ٹیکسٹائل مل کے قرضے احمد خان، لال دین اور گلزار کے نام پر حاصل کیے گئے۔ احمد خان بھٹی ان کا سیکرٹری ہے۔ لال دین باورچی ہے جبکہ گلزار چودھری فیملی کا رشتہ دار ہے۔ گجرات میں دو مقامی اخبارات کے دفاتر کو چودھری وجاہت کے غنڈے تباہ کر چکے ہیں۔

چودھری خاندان نے پھالیہ شوگر ملز کیلئے نیشنل انڈسٹریل کوآپریٹو فنانس کارپوریشن کے ایم ڈی چودھری عبدالمجید سے 20 کروڑ روپے سے زائد رقم حاصل کر کے پنجاب میں کوآپریٹو بحران کی ابتدا کی۔ اس کارپوریشن کا ڈائریکٹر ان کا کزن چودھری تجمل حسین سابق ایم پی اے تھا، کوآپریٹو بحران کے متاثرین آج تک ایس ایم آر ہاتھ میں پکڑے در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں جبکہ چودھری برادران نے انصاف کو مہنگی فیسوں والے وکیلوں اور نذرانوں سے سرنگوں کر کے خود کو بچا لیا۔

چودھریوں کا طریقہ واردات

چودھری خاندان کا طریقہ کار بے نظیر بھٹو، زرداری اور نواز شریف خاندان سے ذرا

مختلف ہے۔ یہ لوٹ مار میں شامل پوری مشینری کا ہمیشہ ساتھ دیتے ہیں۔ بڑے بڑے اخبارات کے ساتھ ان کے اتنے تعلقات ہیں کہ ان کے خلاف کوئی بھی نہیں لکھتا۔ چودھری خاندان کی شوگر ملوں نے بھارت کو چینی برآمد کر کے ری بیٹ کی مد میں قومی خزانے کو کروڑوں کا نقصان پہنچایا۔ پنجاب اسمبلی میں ان کے سیکرٹری، گن مین اور من پسند افراد کے عزیز و اقارب ملازم ہوئے۔ ان کے سیکرٹری صوفی انور ایف آئی اے کے ملازمین سے مل کر جعلی ویزوں، شناختی کارڈوں، جعلی پاسپورٹوں اور پی آئی اے کے علاوہ دوسری ایئر لائنوں سے لوگوں کو بیرون ملک بھجوانے میں خاصے بدنام ہیں۔ چودھری برادران نے جنرل پرویز مشرف کی حکومت کے دباؤ پر یو بی ایل کا 32 کروڑ جمع کرایا اور سی بی انڈسٹریز کا سوئی گیس کا بل جمع کرا دیا جو گزشتہ 20 برس سے واجب الادا تھا۔ منڈی بہاء الدین گجرات سے الگ ہوا تو چودھریوں نے وہاں کی ضلع کونسل پر بھی اپنا قبضہ برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا اور اپنے بہنوئی کو کسان سیٹ پر نامزد کرا کر ضلع کونسل کا چیئرمین بنا دیا اور اپنی فیکٹری کے ملازم احمد خان بھٹی کو وائس چیئرمین بنوایا۔ یہ نوکر شاہی کے ہر برے اور اچھے وقت میں ساتھ دیتے ہیں لہٰذا جب وقت تبدیل ہو جائے تو پھر وہی نوکر شاہی ان کا تحفظ کرتی ہے۔

چودھری خاندان کی رشتہ داریاں بھی ہر سیاسی پارٹی اور ہر دور میں ٹاپ بیوروکریسی سے رہی ہیں۔ صدر رفیق تارڑ، عارف نکئی، انور علی چیمہ، گل حمید روکڑی، احسان الحق پراچہ اور حامد ناصر چٹھہ سے ان کی رشتہ داری ہے۔

چودھری شجاعت حسین پر الزام ہے کہ وہ ایف آئی اے سے ماہانہ ڈھائی کروڑ روپے حاصل کرتے رہے۔ یہ انکشاف ایف آئی اے کے سابق سربراہ میجر (ر) مشتاق نے دوران تفتیش کیا۔ ایف آئی اے کے سابق ڈائریکٹر نے تفتیش کرنے والوں کو 30 اہلکاروں کے ناموں پر مبنی ایک فہرست بھی فراہم کی جو ایف آئی اے میں مختلف عہدوں پر ملازم رکھے گئے تھے لیکن انہوں نے کسی دفتر میں کسی قسم کی کوئی ڈیوٹی ادا نہ کی، اس کے

بجائے وہ چودھری شجاعت کے ذاتی ملازم کے طور پر کام کرتے رہے۔ اس ضمن میں ایف آئی اے کے سابق ڈپٹی ڈائریکٹر چودھری عباس شریف بھی انکشاف کر چکے ہیں کہ وہ بعض اعلیٰ حکومتی شخصیات کو ماہانہ کروڑوں روپے بھتہ دیتے تھے۔ چودھری خاندان کے صنعتی اداروں کے کتنے کروڑ روپے کے انکم ٹیکس معاملات' اپیلوں میں طویل التواء کا شکار ہیں۔ چودھری خاندان کے خلاف کتنے مقدمات ہیں اور کن مقدموں میں یہ لوگ عدالتوں کی ضمانت پر ہیں۔ سی بی انڈسٹریز لمیٹڈ اور ماڈرن ایمر ایڈزی اینڈ ٹیکسٹائل ملز کی تازہ ترین کاروباری اور قانونی حیثیت کیا اور اس خاندان کے اثاثوں اور جملہ قرضہ جات کی کیا پوزیشن ہے۔ یہ تمام باتیں ان کے چہرے پر پڑے عزت اور وقار کے نقاب کھینچنے کو کافی ہیں۔

پرویز رشید اور انعام اللہ نیازی

معطل رکن قومی اسمبلی انعام اللہ نیازی نے سابق چیئرمین پی ٹی وی پرویز رشید سے مل کر اپنے قریبی رشتے دار زیڈ اے خان کو ملک بھر میں ٹی وی لائسنس بنانے کا ٹھیکہ لے کر دیا جب میرے ایک دوست نے انعام اللہ نیازی سے اس بارے دریافت کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر خود کو بری الذمہ قرار دے دیا کہ زیڈ اے خان میرے عزیز ضرور ہیں مگر پرویز رشید نے میرے منع کرنے کے باوجود انہیں ٹھیکہ دے دیا زیڈ اے خان کے بارے انعام اللہ نیازی اپنے قریبی دوستوں کو بتاتے رہے ہیں کہ یہ شخص بلیک منی سے اربوں کا مالک بنا ہے زیڈ اے خان نے صرف ایک سال لگا کر میانوالی کے تمام اہم بنکوں میں ایک ارب سے زائد رقم جمع کرائی نواز حکومت کے ختم ہوتے ہی بنکوں سے نکلوا کر ملک بھر سے 30 کروڑ سے زائد کا گوارا خرید کر میانوالی سمیت پنجاب کے کئی شہروں میں سٹور کر لیا۔

انعام اللہ نیازی نے پرویز رشید سے کہا کہ پی ٹی وی لائسنس کا ٹھیکہ اگر نیلام کر دیا جائے اور ان کے رشتہ دار کو دے دیا جائے تو پی ٹی وی کے علاوہ ٹھیکیدار اور ڈیل میں شامل تمام افراد کو اچھی خاصی رقم مل جائے گی پرویز رشید کو یہ تجویز من بھائی اور انہوں نے اندرون خانہ لائسنس ٹھیکہ زیڈ اے خان کو الاٹ کر دیا اس ڈیل میں بتایا جاتا ہے کہ پرویز رشید کو 10 کروڑ سے زائد کا فائدہ ہوا جب کہ زیڈ اے خان نے پی ٹی وی کو مطلوبہ رقم جمع کرائے بغیر ہی

پولیس اور انتظامیہ کے تعاون سے چار ماہ میں 80 کروڑ کما لیا اس ٹھیکے سے پی ٹی وی کو 20 کروڑ سے 25 کروڑ کا نقصان ہوا اور ابھی تک کچھ رقم ٹھیکیدار کی طرف واجب الادا ہے انعام اللہ نیازی نے حکومتی اثر ورسوخ سے بعض معدنیاتی کانوں پر قبضہ اور بعض لیز پر حاصل کیں تاہم وہ ان کانوں سے خود کو لاتعلق قرار دیتے ہوئے تحریک انصاف پنجاب کے سابق صدر اور اپنے چھوٹے بھائی سعید اللہ نیازی کو ان کانوں کا مالک قرار دیتے ہیں۔ انعام اللہ نیازی معروف ایڈورٹائزنگ ایجنسی انٹر فلو کے ڈائریکٹر بھی ہیں مسلم لیگی دور میں انہوں نے اپنی ایجنسی کو بھی متعدد فائدے پہنچائے۔



پیر بنیامین رضوی

وزیراعلیٰ پنجاب شہباز شریف کی کابینہ کے سابق وزیر اور مسلم لیگ پنجاب کے سیکرٹری اطلاعات پیر سید بنیامین رضوی نے دور وزارت میں اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آبائی علاقہ پھالیہ میں مسجد کمیٹی کی آٹھ کنال کمرشل اراضی پر قبضہ کرلیا۔ اس سلسلے میں حاصل معلومات کے مطابق بنیامین رضوی کے والد پیر سید یعقوب علی شاہ جن کا چند برس قبل انتقال ہو گیا تھا۔ کے انتقال کے بعد بنیامین رضوی نے مسجد کمیٹی کی جگہ پر ان کو دفنایا اور اپنے دست راست اور سیکرٹری محمد اعظم اور سابق ممبر ضلع کونسل سید ریاض حسین شاہ کی ڈیوٹی لگائی کہ مسجد کمیٹی کی جس جگہ پر ان کے والد کی قبر بنائی گئی ہے۔ اسے ان کی ملکیت بنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ جس پر پیر بنیامین کے سیکرٹری محمد اعظم اور ریاض شاہ نے مسجد کمیٹی کی آٹھ کنال کمرشل اراضی جس کی مالیت کروڑوں روپے بنتی ہے' کے کاغذات تیار کروا کر قبضے سے قبل پیر یعقوب علی شاہ کی قبر کے گرد ایک چاردیواری بنائی اور پھر قبر کو مزار کی شکل دے دی اور دربار کے اردگرد کی جگہ پر ایک ڈیرہ بنا لیا جس میں 6 کمرے اور بہت بڑا برآمدہ وصحن ہے اس کی تعمیر پر چالیس لاکھ خرچ ہوئے اور پھر اس زمین کو پیر بنیامین رضوی کے نام کر کے

مسجد کی اراضی پر قبضہ کرلیا گیا۔ قبضے کے بعد پھالیہ کے کئی شہریوں نے صدائے احتجاج بلند کی مگر جو اٹھا اس کے خلاف مقدمہ درج کرا دیا گیا۔ ریٹائرڈ میجر محمد اعظم نے آواز بلند کی اور کھل کر سامنے آ گیا تو اپریل 1998ء میں میجر (ر) اعظم کو انتہائی بے دردی سے قتل کرا دیا گیا۔ اس قتل کا پرچہ بنیامین اوران کے سیکرٹری کے خلاف درج ہوا۔ پہلے ملزم مفرور رہے اور پھر عبوری ضمانتیں کرالی گئیں۔ اب یہ مقدمہ سرد خانے میں پڑا ہے اور بنیامین رضوی ضمانت پر ہیں۔ اقبال ٹاؤن میں اپنی کوٹھی کو بنیامین رضوی نے اپنی بہن کے نام کروا رکھا ہے۔ پیر بنیامین رضوی خود کو لوئر کلاس کا نمائندہ قرار دیتے ہیں لیکن اپنے دور وزارت میں این جی اوز کے خلاف بیان بازی سے زیادہ وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ انہیں غریبوں کے مسائل وزیر بن کر نظر ہی نہیں آئے۔ وہ جن کے مسائل حل کرنے کا وعدہ کرکے وزارت تک پہنچے۔ وہ مسائل تو حل نہ ہوئے ان کا دور اقتدار رخصت ہوگیا اور وہ ایک بار پھر غریبوں کے حقوق کی بات کرنے میں مصروف ہیں۔



آفتاب شیر پاؤ اور مہران بینک سکینڈل

قومی احتساب بیورو نے سابق وزیر اعلیٰ سرحد اور پیپلز پارٹی کے ناراض رہنما آفتاب شیر پاؤ کی اندرون اور بیرون ملک اربوں کی غیر قانونی جائیداد کا سراغ لگا لیا ہے۔ آفتاب شیر پاؤ کے سوئٹزرلینڈ، برطانیہ اور فرانس کے بنکوں میں غیر قانونی اکاؤنٹس کا سراغ لگایا ہے۔ جن میں انھوں نے پاکستان سے اربوں روپے کی قومی دولت لوٹ کر جمع کی ہوئی ہے۔ دوسری جانب ان مغربی ممالک سمیت متحدہ عرب امارات میں آفتاب شیر پاؤ کے کئی ڈیپارٹمنٹل سٹور، ہوٹل، فلیٹس اور قیمتی گاڑیوں کا سراغ لگایا ہے۔ تاہم ''نیب'' اس حوالے سے مکمل ثبوت وشواہد جمع کرنے کے لیے کوشش کر رہا ہے۔

آفتاب شیر پاؤ کا مہران بنک کی تباہی میں بھی گہرا ہاتھ ہے۔ سٹیٹ بنک آف پاکستان سے مہران بنک کو رعائت دلانے کے لیے یونس حبیب نے آصف زرداری کو 5 کروڑ روپے پنڈی برانچ سے ادا کئے۔ مہران بنک شیر پاؤ کو ایک کروڑ روپیہ ادا کر چکا تھا۔ اچانک آصف زرداری نے یونس حبیب کو حکم دیا کہ شیر پاؤ کو دو کروڑ روپے فوری طور پر فراہم کرو۔ 26 دسمبر کو یونس حبیب نے ڈیجیٹل نیٹ ورک کے اکاؤنٹ میں دو کروڑ کی رقم بھیجی جو شیر پاؤ کو پشاور میں ان کے گھر پہنچا دی گئی۔ اس لوٹ مار کے متعلق مہران بنک صوبہ سرحد کے سربراہ حمید اصغر قدوائی کے بیان حلفی میں یہ لکھا ہے کہ

''وہ یکم ستمبر 1993 کو مہران بنک سے منسلک ہوئے اور پشاور میں ایگزیکٹو ڈائریکٹر کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔قدوائی کے مطابق یونس حبیب (مہران بنک کے سربراہ) نے انہیں بتایا کہ مہران بنک شدید مالی بحران کا شکار ہے اور اسے مزید ڈیپازٹس کی اشد ضرورت ہے۔قدوائی کے مطابق ان کے سیاسی رہنماؤں اور سرکاری افسروں سے گہرے تعلقات تھے۔جس کا یونس حبیب کو بخوبی علم تھا۔یونس حبیب نے انھیں نئے ڈیپازٹس پر کمیشن دینے کا بھی وعدہ کیا۔بیان کے مطابق اکتوبر 1993 کے عام انتخابات کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کے رہنما مسلم لیگ اور اے این پی کے صابر شاہ کی وزارت اعلیٰ ختم کرنے میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔ان کی آفتاب شیر پاؤ' انور سیف اللہ اور سلیم سیف اللہ سے جان پہچان تھی اور انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کے یونس حبیب سے 1988 سے قریبی روابط ہیں اور یہ کہ یونس حبیب کا آصف زرداری سے تعلق رہا ہے۔

قدوائی کے مطابق وہ جیسے ہی مہران بنک سے منسلک ہوئے یونس حبیب نے انھیں ہدایات دیں کہ وہ صوبہ سرحد میں پیپلز پارٹی کی ضروریات پوری کرتے رہیں۔ چونکہ یہ رقوم کی ڈیل کا معاملہ تھا۔اس لئے وہ ڈیجیٹل نیٹ ورک کا مہران بنک میں اکاؤنٹ استعمال کرتے رہے۔یہ اکاؤنٹ نیٹ ورک کے ڈائریکٹر احمد سعید چلاتے تھے اور وہ یونس حبیب کے بہت قریب تھے۔مجھ سے بھی ان کی جان پہچان تھی۔قدوائی کا کہنا ہے کہ انھوں نے آفتاب شیر پاؤ کی ضروریات کا خیال رکھا اور انہیں مندرجہ ذیل رقوم فراہم کیں۔

(1) 15 لاکھ اور 2 لاکھ روپے آفتاب شیر پاؤ کو ادا کئے گئے جو احمد سعید کے اکاؤنٹ سے چیک نمبر 712001 اور چیک نمبر 712002 کے ذریعے 20 نومبر 1993 کو نکلوائے گئے (2) 5 لاکھ 91 ہزار روپے 6 دسمبر 93ء کو آفتاب شیر پاؤ نے فرنیچر کیلیے چیک نمبر 712006 کے ذریعے نکلوائے (3) ایک لاکھ 6 دسمبر کو آفتاب شیر پاؤ کو ادا کئے گئے جو چیک نمبر 712008 ذریعے نکلوائے گئے۔اس ضمن میں

قدوائی نے تمام واؤچرز' چیک اور رسیدوں کی کاپیاں اپنے بیان کے ساتھ منسلک کی ہیں۔

حمید اصغر قدوائی کا کہنا ہے کہ دسمبر 1993ء کو آفتاب شیر پاؤ اور انور سیف اللہ نے ان سے رابطہ کیا اور بتایا کہ انھیں بہت بڑی رقم کی ضرورت ہے کیونکہ وہ وزیر اعلیٰ پیر صابر شاہ کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک چلانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے انھیں 3 کروڑ روپے کی ضرورت ہے۔آفتاب شیر پاؤ اور انور سیف اللہ یہ رقم لینے کیلئے بے چین تھے اور انھوں نے قدوائی کو مطالبہ پورا نہ کرنے کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکیاں دیں۔

شیر پاؤ اور انور سیف اللہ نے قدوائی کو یقین دلایا کہ وہ مہران بنک کی کمزور مالی حالت کو بہتر بنانے کے لیے حکومت کے مختلف محکموں کی رقوم اس میں ڈیپازٹ کرائیں گے جو کم از کم 90 کروڑ روپے ہوں گی اور اس کے عوض وہ اس رقم کا 3 فیصد کمیشن کے طور پر وصول کریں گے اور یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ مہران بنک کے دیگر مسائل جن میں سٹیٹ بنک کا جرمانہ بھی شامل تھا حل کرانے کے لیے تعاون کریں گے اور اس سلسلے میں آصف زرداری کی اعانت بھی حاصل کی جائے گی۔

حمید اصغر نے بیان حلفی میں مزید بتایا کہ یونس حبیب کو شیر پاؤ اور انور سیف اللہ کے وعدوں پر شک تھا۔لیکن اس نے ان کی دھمکیوں کے پیش نظر یونس حبیب کو یہ مطالبہ مان لینے پر آمادہ کر لیا۔تاہم یونس حبیب نے کہا کہ جب تک مہران بنک میں ڈیپازٹ جمع نہ ہو جائیں ان دونوں کو رقم نہ دی جائے۔

قدوائی کا کہنا ہے کہ جلد ہی شیر پاؤ نے 50 لاکھ روپے کا فوری مطالبہ کر دیا۔ کیونکہ انھیں چند ایم پی ایز کو وہ رقم دینا تھی۔اس کے عوض شیر پاؤ اور انور سیف اللہ نے ۱۱ تین روز میں حکومتی محکموں کی رقوم ڈیپازٹ کرانے کا وعدہ کیا۔یونس حبیب سے اجازت کے بعد قدوائی نے 50 لاکھ روپے انور سیف اللہ کو ان کی اسلام آباد کی رہائش پر 15 دسمبر 1994 کو چیک نمبر 721010 کے ذریعے ادا کر دی تا کہ وہ آفتاب شیر

پاؤ کو دے سکیں۔ اگلے روز قدوائی اور انور سیف اللہ اسلام آباد میں شیر پاؤ کی رہائش پر گئے اور رقم ادا کی۔ جس میں سے 15 لاکھ روپے ڈیجیٹل اکاؤنٹ میں جمع کرادئے گئے ۔قدوائی نے ایک خفیہ خط کے ذریعے 16 دسمبر 1993 کو اس تمام واقعہ کی اطلاع کر دی تھی کی نقل بیان حلفی کے ساتھ منسلک ہے۔

قدوائی کا کہنا ہے کہ شیر پاؤ نے جلد ہی مزید 50 لاکھ روپے طلب کئے اور مہران بنک کی مالی حالت بہتر بنانے کیلئے الائیڈ بنک کے سربراہ خالد سیف کو آمادہ کیا کہ وہ مہران بنک میں اپنے بنک کے 10 کروڑ روپے ڈیپازٹ کرائیں' جس کی تعمیل کی گئی ۔26 دسمبر 1993 کو ڈیجیٹل نیٹ ورک پرائیویٹ لمیٹڈ کے چیک نمبر 712011 کے ذریعے 50 لاکھ روپے نکلوا کر قدوائی نے شیر پاؤ کو خود ادا کئے۔

قدوائی نے بیان حلفی میں کہا کہ آفتاب خان شیر پاؤ کے مطالبات روز بروز بڑھ رہے تھے جبکہ حکومتی ڈیپازٹس کا دور دور تک نشان نہ تھا۔

اس وقت تک مہران بنک شیر پاؤ کو ایک کروڑ روپے ادا کر چکا تھا۔اب اچانک یونس حبیب کو آصف زرداری نے حکم دیا کہ وہ فوراً شیر پاؤ کو 2 کروڑ روپے کی ادائیگی کریں جبکہ اسی روز قدوائی نے شیر پاؤ کو 50 لاکھ روپے دیے تھے۔26 دسمبر 1993 کو یونس حبیب نے ڈیجیٹل نیٹ ورک کے اکاؤنٹ میں 2 کروڑ روپے کی رقم بذریعہ ٹی ٹی بھیجی جو 27 دسمبر کو موصول ہوئی اور چیک نمبر 712013 کے ذریعے شیر پاؤ نے وصول کر لی۔

قدوائی کے بیان کے مطابق انھوں نے ڈیجیٹل نیٹ ورک کے احمد سعید اور خود کو محفوظ رکھنے کے لیے اس سارے معاملہ کی گفتگو ٹیپ کر لی اور چیک اور واؤ چرز بھی جن کی نقول بیان حلفی کے ساتھ منسلک ہیں۔

قدوائی کا کہنا ہے کہ 3 جنوری 1994 کو انھوں نے مزید 15 لاکھ اور ساڑھے تین لاکھ روپے شیر پاؤ کو ادا کئے

اس طرح ان کو ادا کی جانے والی کل رقم اس وقت تک 3 کروڑ 42 لاکھ 41 ہزار

ہو چکی تھی ۔زیادہ تر رقوم حمید اصغر قدوائی نے خود ادا کیں اور وہ ادائیگی کے فوراً بعد واؤ چرز اور چیک کی پشت پر اسے محفوظ کر لیتے تھے۔

جنوری 1994 کو ڈیجیٹل نیٹ ورک کے دیگر ڈائریکٹروں کے اعتراض کے بعد احمد سعید کے لیے اے ایس اے ٹریڈنگ کمپنی کے نام سے ایک الگ اکاؤنٹ کھول دیا گیا اور ڈیجیٹل نیٹ ورک کے اکاؤنٹس سے نکالی گئی رقم ایک کروڑ 30 لاکھ سے زیادہ رقم واپس کر دی گئی ۔11 جنوری 1994 کو اے ایس اے ٹریڈنگ کمپنی سے مزید ایک لاکھ روپے نکال کر قدوائی نے شیر پاؤ کو دیئے۔اس کے بعد 22 جنوری 1994 کو ایک لاکھ 40 ہزار روپے 26 کو 11 لاکھ روپے 26 جنوری ہی کو 2 لاکھ روپے ۔اس روز مزید 61555 روپے 31 جنوری 1994 کو انور سیف اللہ کے ذریعے 25 لاکھ روپے 2 فروری 94ء کو 6 لاکھ روپے قدوائی نے اے ایس اے ٹریڈنگ کمپنی کے ذریعے شیر پاؤ کو ادا کئے۔قدوائی نے 7 لاکھ سے زائد کی رقم چیک نمبر 713164 کے ذریعے نکلوا کر شیر پاؤ کو پشاور میں پیپلز ہاؤس میں فرنیچر' کمپیوٹر' فیکس مشینری' ٹیلی فون ایکسچینج کی ادائیگیوں کے لیے ادا کئے اور اس تمام معاملہ پر اپنے اور شیر پاؤ کے درمیان ہونے والی گفتگو ٹیپ کر کے محفوظ کر لی۔8 فروری کو شیر پاؤ نے اسلام آباد میں ایک کروڑ 20 لاکھ طلب کئے جو 9 فروری 1994 کو اے ایس اے ٹریڈنگ کمپنی کے اکاؤنٹ سے ادا کر دیے گئے ۔اس کے بعد 24 فروری 1994 کو 20 لاکھ روپے 28 فروری کو ایک لاکھ روپے' 10 ہزار روپے اور 2 مارچ کو 6 لاکھ روپے شیر پاؤ کو ادا کئے گئے۔

دوسری طرف حکومت نے مہران بینک کی مالی حالت بہتر کرنے کے لیے اس میں سرکاری محکموں اور کارپوریشنوں کی رقوم جمع کروانا شروع کر دیں۔جن میں پاکستان اسٹیٹ آئل کے 5 کروڑ روپے' بنک آف خیبر کے 8 کروڑ' واپڈا کے 17 کروڑ کراچی میٹروپولیٹن کے 10 کروڑ اور الائیڈ بینک کے 10 کروڑ روپے شامل تھے۔

قدوائی کا کہنا ہے کہ فروری 1994 کے اوائل میں شیر پاؤ نے مجھ پر اور یونس

حبیب پر واضح کیا کہ عدم اعتماد کی تحریک کامیاب ہونے کے لیے انھیں مزید 5 کروڑ روپے درکار ہیں۔قدوائی کا کہنا ہے کہ اس عرصہ میں شیر پاؤ نے واپڈا کے ڈائریکٹر فنانس خالد محمود سے ان کے سامنے بات چیت کی اور واپڈا نے مہران بینک لاہور کو بھاری ڈیپازٹ دیئے اور اس دور میں مہران بینک لاہور سے 5 کروڑ روپے اسلام آباد منگوا کر شیر پاؤ کو ادا کئے گئے۔

قدوائی کا دعویٰ ہے کہ ان تمام رقوم کے علاوہ اس نے آصف زرداری کو 5 کروڑ روپے مہران بینک لاہور اور لیک ویو ہوٹل راولپنڈی کی برانچ سے ادا کئے تاکہ مہران بینک کو سٹیٹ بینک آف پاکستان سے رعائت دلوا سکیں۔وزیراعظم کے سیکرٹری نے زرداری کے زیر اثر مہران بینک کو ریلیف پیکج دلانے کے لیے اسٹیٹ بینک کو ہدایات جاری کی تھیں۔

بعد میں انور سیف اللہ اور شیر پاؤ نے اے ایس اے ٹریڈنگ سے نکالی گئی رقوم پورا کرنے کے لیے تعاون سے انکار کر دیا، اور یونس حبیب کو معزول کر کے مہران بینک کی انتظامیہ میں تبدیلیاں کی گئیں اور نصیر اللہ بابر اور ایف آئی اے کے سربراہ رحمان ملک نے اس تمام معاملہ کے ثبوت ختم کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی اور بعد میں قدوائی کو بینک سے نکال باہر کیا۔

شیر پاؤ کو مزید تین سال قید

خصوصی احتساب عدالت پشاور نے سابق وزیراعلیٰ سرحد آفتاب احمد خان شیر پاؤ کو عدالت کی طرف سے اشتہاری قرار دینے کے باوجود مسلسل غیر حاضری کی بنا پر نیب آرڈیننس کی دفعہ 31 اے کے تحت تین سال قید کی سزا کا حکم سنایا ہے اور ملزم کے خلاف دائمی وارنٹ گرفتاری جاری کرتے ہوئے ان کے نام کو تمام اہم سرکاری مقامات پر بطور سزا یافتہ مجرم درج کرانے کے احکامات جاری کر دیئے ہیں۔یہ احکامات احتساب عدالت نمبر تین کے جج سید زاہد یحییٰ گیلانی نے ریجنل احتساب بیورو (ریب) کی طرف سے ملزم آفتاب احمد خان شیر پاؤ کے خلاف محکمہ تعلیم سے متعلق دائر کئے گئے ریفرنس پر فیصلہ سناتے ہوئے جاری کئے۔عدالت نے ہدایت کی کہ ملزم جہاں کہیں بھی نظر آئے اسے فوری طور پر گرفتار کر کے جیل میں بند کیا جائے۔

جونیجو کی برطرفی پر ضیاء الحق کا حکم نامہ اور جونیجو ضیاء مکالمہ

صدر ضیاء الحق نے جونیجو حکومت برطرف کرنے کے بعد پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ اقدام آئین کے تحت حاصل اختیارات کے تحت کیا گیا ہے اور آئندہ عام انتخابات 90 دن کے اندر منعقد ہوں گے اور یہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہوں گے۔انہوں نے کہا کہ یہ قدم بھی ہمیں جمہوریت کی طرف لے جائے گا۔ملک میں امن و امان کی صورتحال اتنی خراب ہو چکی تھی کہ عام آدمی پریشان تھا اور ملک میں بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں اور کسی کے جان و مال محفوظ نہ رہے۔انہوں نے کہا کہ عوام کا مورال اس حد تک پست ہو چکا تھا کہ وہ خود کو غیر محفوظ خیال کرنے لگے تھے۔ایسے حالات میں موجودہ حکومت برقرار نہیں رہ سکتی تھی۔انہوں نے کہا کہ آئین کے تحت وزیراعظم جب خود یہ ضرورت محسوس کرتے تو قومی اسمبلی توڑ سکتے تھے لیکن جب وزیراعظم یہ اقدام نہ کریں تو صدر یہ اہتمام کرتا ہے۔انہوں نے کہا کہ ملک میں آئین موجود ہے اور سینٹ بھی برقرار ہے۔

صدارتی حکم نامے کے مطابق چونکہ وہ مقاصد حاصل نہیں ہوئے جن کے لیے قومی اسمبلی کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ملک میں امن عامہ کی صورتحال اس خطرناک حد تک خراب ہو چکی تھی کہ اس کے نتیجے میں بھاری مالی نقصان کے ساتھ ساتھ بڑی تعداد میں

قیمتی زندگیوں کا افسوسناک جانی نقصان بھی اٹھانا پڑا اور چونکہ پاکستان کے شہریوں کی جان و مال اور عزت مکمل طور پر غیر محفوظ ہو چکی تھی جبکہ پاکستان کی یکجہتی اور نظریہ خطرے میں پڑ چکا ہے۔ عوام کی اخلاقی حالت اس حد تک پست ہو چکی ہے جس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور چونکہ میری رائے میں ایک ایسی صورتحال پیدا ہو چکی ہے جس کے تحت فیڈریشن کی حکومت کو آئین میں ترامیم کردہ دفعات کے مطابق مزید قائم نہیں رکھا جا سکتا اور رائے دہندگان سے اپیل ضروری ہو جاتی ہے لہٰذا ان حالات کے پیش نظر میں جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان ان اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے جو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 58 کی شق بی 2 کے تحت مجھے حاصل ہیں۔ فوری طور پر قومی اسمبلی توڑتا ہوں اور اس اقدام کے نتیجے میں کابینہ بھی فوری طور پر ٹوٹ جاتی ہے۔

29 مئی 1988ء کو محمد خان جونیجو کی حکومت برطرف کرنے کے بعد 26 جون 1988ء کو قوم سے خطاب میں جنرل ضیاء الحق نے اعلان کیا کہ گزشتہ حکومت نے جن بااثر اور سیاسی افراد کے کروڑوں روپے کے قرضے معاف کیے۔ ان کا نہ صرف سرعام اعلان کیا جائے گا بلکہ ان افراد سے معاف کیے گئے قرضوں کا ایک ایک پیسہ وصول کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ماضی کی حکومت نے سیاسی مصلحتوں کے باعث جن معاشی پالیسیوں کو اختیار کیا ان کی وجہ سے ملک معاشی لحاظ سے نیم دیوالیہ ہو چکا ہے۔ اس حکومت نے سیاسی وفاداریاں خریدنے کے لیے کروڑوں روپے کے قرضے معاف کیے۔ تعاون حاصل کرنے کے لیے پرمٹ اور لائسنس دیئے قومی بینکوں کو ذاتی جاگیر سمجھ کر خزانوں کا منہ کھول دیا۔ اس خطاب کے دوران متعدد مرتبہ جذبات حملہ آور ہوئے تاہم ایک موقع پر جنرل صاحب کے آنسو بہہ نکلے اور انہوں نے تقریر روک کر آنسو پونچھے۔ اس خطاب میں صدر ضیاء الحق نے اعلان کیا کہ وہ اور ان کے رفقاء جلد اپنے اثاثوں کا اعلان کریں گے مگر یہ اعلان بھی ممکن نہ ہو سکا۔

یکم جون 1988ء کو محمد خان جونیجو نے اپنی پارٹی کی مجلس عاملہ میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ صدر ضیاء الحق کو 90 دن کا کھیل دوبارہ نہیں کھیلنے دیں گے۔

اس وقت کے نگران وزیراعلیٰ پنجاب نواز شریف کا کہنا تھا کہ پارٹی نے ہدایت کی تو وزارت اعلیٰ چھوڑ دوں گا۔ مسلم لیگی ہوں اور مسلم لیگی رہوں گا۔ مجھے جونیجو کی قیادت پر اعتماد ہے۔ مجلس عاملہ کے اجلاس میں شرکت کے لیے محمد خان جونیجو کی گاڑی نواز شریف چلا کر پارٹی سیکرٹریٹ لائے۔ امریکی سفیر آرنلڈ رافیل نے کہا کہ صدر ضیاء کی طرف سے اسمبلیاں توڑنے کا اقدام آئینی ہے۔ کلثوم سیف اللہ نے کہا کہ ہم بدعنوان ہیں تو ہمیں سزا دی جائے۔

مجلس عاملہ کے اجلاس میں بحث سمیٹتے ہوئے محمد خان جونیجو نے کہا کہ تمام اراکین کی تفصیلی گفتگو سے یہ تاثر ابھرا ہے کہ تمام حالات کو سامنے رکھ کر ہم آئندہ انتخابات میں حصہ لیں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ یہ انتخابات 90 دن میں ہو جائیں۔ انہوں نے کہا کہ صدر ضیاء الحق سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ آپ نے جو اقدام کیا ہے اسے ہم نے کسی طور پر منظور نہیں کیا اور اس کے اثرات اچھے نہیں ہوں گے۔ ہم عوام کی پیداوار ہیں اور عوام کے سامنے جانے سے ہچکچاتے نہیں۔ اس کے جواب میں صدر نے کہا کہ میں خود مسلم لیگ کو مضبوط بنانا چاہتا ہوں۔ اس پر میں نے کہا کہ آپ یہ کام کس طرح انجام دیں گے جبکہ آپ کے موجودہ اقدام سے مسلم لیگ کو دھچکا پہنچا ہے۔ صدر ضیاء نے کہا کہ میں جو کابینہ تشکیل دے رہا ہوں۔ اس میں آپ کے آدمی لوں گا۔ اس پر میرا فوری ردعمل یہ تھا کہ اگر آپ تین ماہ میں انتخابات کرا رہے ہیں تو اپنی کابینہ میں ان افراد کو شریک نہ کریں جو انتخابات میں حصہ لینے کے خواہشمند ہیں۔ محمد خان جونیجو نے کہا کہ اب ایسی اسمبلی نہیں آئے گی جو صدر کو تقویت دے سکتی ہو۔ ہم نے اب تک جو بھی فیصلے کیے صدر کی مرضی سے کیے اور ہمیشہ انہیں ساتھ لے کر چلنے کی پالیسی پر عمل کیا۔

بینظیر بھٹو حکومت برطرف کرنے پر
غلام اسحاق خان کا قوم سے خطاب

صدر مملکت غلام اسحاق خان نے بے نظیر بھٹو کی حکومت برطرف کرتے ہوئے 6اگست 1990ء کو اپنے خطاب میں حکومت برطرف کرنے کے جواز پیش کیے۔ ان میں وہ کہتے ہیں کہ چند مفاد پرست' خودغرض اور نا قابل اصلاح افراد کو عوام کی قسمت اور ملک کی تقدیر سے کھیلنے کی کھلی چھٹی نہیں دی جا سکتی اور اسمبلی توڑنے کے فیصلے کی بڑی وجہ یہی ہے۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ ان کا فیصلہ آئینی اور جمہوری ہے اور اس پر کسی کا احتجاج برداشت نہیں کیا جائے گا اگر کوئی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے عوامی احتساب سے بچنے کے لیے عوام کو غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کرے گا تو اس سے سختی سے نمٹا جائے گا۔

مجھے یقین ہے کہ اب تک آپ کے علم میں یہ بات آ چکی ہوگی کہ میں نے آئین کے آرٹیکل 58 کی شق بی 2 کے تحت اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے قومی اسمبلی توڑ دی ہے۔ وزیراعظم اور ان کی کابینہ اپنے عہدوں پر برقرار نہیں رہے۔ آج جاری ہونے والے حکمنامے میں آئین قانون اور مسلمہ جمہوری روایات کے منافی ان افسوسناک سرگرمیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن کے نتیجے میں ایک منتخب ادارے کی افادیت ختم ہوگئی تھی اور وہ عوامی اعتماد سے محروم ہو چکا تھا' سیاسی وفاداریوں کی کھلے بندوں اور لگاتار خرید وفروخت کے ذریعے انتخابی مینڈیٹ میں خورد برد کے قابل مذمت طرز عمل کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور آئین کی خلاف ورزی کے ان متعدد واقعات کی نشاندہی

بھی جو مرکز اور صوبوں کے باہمی تعلقات' صوبائی خودمختاری کے دائرہ کار پر دست اندازی' سینٹ کے کردار' اعلیٰ عدالتوں کے احترام' حکومت کی انتظامی مشینری کے استعمال اور اسی طرح کے چند اور امور کے سلسلے میں مسلسل پیش آتے رہے۔

انتہائی وسیع پیمانے پر قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ اور بدعنوانیوں کی شرمناک وارداتوں اور سندھ میں امن وامان کی اندوہناک صوتحال کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ ان حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وفاقی حکومت آئینی تقاضوں کے مطابق نہیں چلائی جا رہی تھی اور نہ چلائی جا سکتی ہے اور رائے دہندگان سے دوبارہ رجوع کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ چنانچہ قومی اسمبلی توڑی جاتی ہے۔ میں نے یہ فیصلہ اپنے حلف کی پاسداری اور عظیم ذمہ داری کو نبھانے کی خاطر کیا جو آئین کی رو سے وفاق پاکستان کے اتحاد کی علامت اور آئین کے محافظ کی حیثیت سے مجھ پر عائد ہوتی ہے۔

صدر غلام اسحاق خان نے اپنی تقریر میں مزید کہا کہ میرا یہ فیصلہ مکمل طور پر غیر جذباتی غور وفکر اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ اصلاح احوال کی دیگر تمام کوششوں کے صبر آزما انتظار کے باوجود بے نتیجہ ثابت ہونے پر اس یقین کے ساتھ کیا گیا ہے کہ یہ فیصلہ کروڑوں پاکستانی بے زبان عوام کی سوچ' خواہشوں اور امنگوں کے عین مطابق ہے۔

مجھے بھی قوم کی طرح امید تھی کہ منتخب افراد حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی اصلاح آپ کرنے کے دلیرانہ عمل کی ابتداء کریں گے مگر حالات بد سے بدتر ہوتے گئے اور سیاسی محاذ آرائی کو وطیرہ بنالیا گیا۔ سیاسی سٹاک ایکسچینج کھولے گئے اور وفاداریاں کھلی منڈی میں مویشیوں کی طرح بیچی اور خریدی گئیں۔

کوئی وزارت کے ترازو میں تل کر بکا۔ کسی نے ضمیر کا سودا زمین کے بدلے طے کیا۔ کسی نے قرضوں کے عوض اور کسی نے وعدہ فردا کے لالچ میں سیاسی وفاداریاں گروی رکھیں جنہوں نے ظاہری وفاداری میں شرط استواری برقرار رکھی۔ انہوں نے بھی

ترکِ تعلق کی دھمکیوں کے بل پر اپنی قیمت وصول کی۔ سوداگروں نے ہر کروٹ سے ذاتی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی پارلیمنٹ کو حد درجہ ناعاقبت اندیشی کے ساتھ فروعی معاملات میں الجھا دیا گیا اور قانون سازی میں کوئی دلچسپی نہ لی گئی۔ ماسوائے بجٹ کے کوئی قابل ذکر بل اسمبلی میں پاس تو کجا پیش تک نہ کیا گیا۔ بیشتر معاملات پرانے آرڈیننسوں کے ازسرنو اجراء کے ذریعے چلائے جاتے رہے اور اکثر اوقات تحاریک التواء اور تحاریک استحقاق کی نذر ہوتے رہے۔ سٹینڈنگ کمیٹیوں کی تشکیل میں 19 ماہ تک لیت ولعل سے کام لیا گیا۔ وزراء اسمبلی میں بیٹھنے کے روادار نہ تھے۔ سیاسی مصلحتوں اور عدم دلچسپی کے باعث فرسودہ قوانین کو آئین کے مطابق ڈھالنے کے لیے ضروری ترامیم کی زحمت تک گوارہ نہ کی گئی۔

دوسری طرف سینٹ کے وقار کو زک پہنچانے اور اسے متنازعہ بنانے کی شعوری کوششیں جاری رکھی گئیں۔ ایک طرف اعلیٰ عدالتوں کا مذاق اڑایا گیا اور ان کے فیصلوں کی غیر جانبداری پر کھلم کھلا انگشت نمائی کی گئی تو دوسری طرف ضابطے کی کارروائی کے بغیر ہزاروں قیدیوں کو سیاسی آزادیوں کے نام پر جیلوں سے رہا کر کے یا ان کی سزاؤں میں تخفیف کر کے انصاف کے تقاضوں کو پامال کیا گیا۔ سیاسی قیدیوں کی رہائی مستحسن اقدام تھا مگر رہا کیے جانے والوں میں قانون کے اور اخلاقی مجرم بھی شامل تھے۔ حکومت نے الیکشن کمیشن کو نظر انداز کیے رکھا اور طویل عرصہ گزارنے کے باوجود ممبران کی خالی آسامیاں پر نہ کی گئیں جس کے باعث کمیشن متعدد ایسی عذر داریوں اور فلور کراسنگ کے مقدمات کی سماعت سے قاصر رہا جن سے اسمبلیوں کی پارٹی پوزیشن میں فرق پڑ سکتا تھا۔ وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں پلیسمنٹ بیورو کے نام سے ایک ادارہ قائم کر کے سیاسی بنیادوں پر 26 ہزار افراد کو سرکاری ملازمتوں سے نوازا گیا نہ مروجہ ضابطوں کا خیال رکھا گیا اور نہ قابلیت' تجربہ' عمر اور کوٹہ کی پابندیوں کے لحاظ سے یہاں تک کہ قانونی طور پر نااہل قرار دیئے جانے والوں تک کو بلا کسی جواز کے سرکاری آسامیوں کا اہل سمجھا گیا۔

برطرف حکومت نے سرکاری ملازمتوں سے نکالے گئے افراد اور عوام کے ٹھکرائے

ہوئے عناصر پر مشتمل مشیروں' معاونین خصوصی اور او ایس ڈی کی اچھی خاصی فوج بھرتی کی۔ یہ مصاحبین اپنے آپ کو ہر طرح کی انضباطی پابندیوں اور مروجہ رولز اینڈ ریگولیشنز سے آزاد سمجھتے ہوئے ایوان اقتدار میں دندناتے پھرتے تھے۔ ان کی تقرری پر عوامی تنقید میں شدت آئی تو ان کے استعفےٰ منظور کر کے صدر کے حکم کے مطابق عہدوں سے فارغ کر دیا گیا مگر اس کے باوجود انہیں تمام تر سرکاری مراعات اور نوازشات کے استعمال کی اجازت عطا کی گئی۔ حکومت کے مطابق ان افسروں کی تعداد 59 جبکہ اخبارات کا کہنا تھا کہ ان کی تعداد سو سے تجاوز کر گئی تھی۔

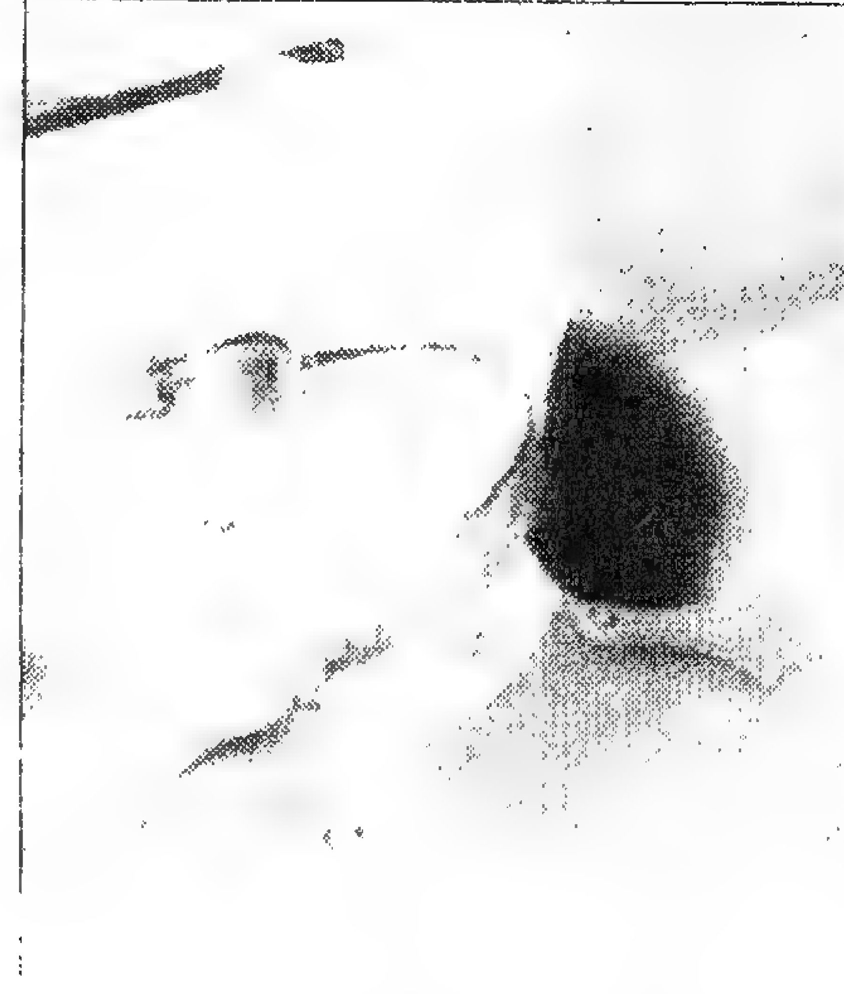
وفاقی نظام کو چلانے میں ارباب بست وکشاد آئینی تقاضے پورے نہ کر سکے۔ مرکز اور صوبوں کی چپقلش' تعلقات میں کشیدگی اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوششوں نے وہ زور پکڑا کہ سازش کی حدوں کو چھونے لگیں۔

آئین میں صوبائی خود مختاری کو یقینی بنانے کے لیے کونسل آف کامن انٹرسٹ تجویز کی گئی مگر صوبوں کے مسلسل اصرار کے باوجود اس کا اجلاس طلب کرنے سے گریز کیا گیا۔ اسی طرح صوبوں کے درمیان قومی وسائل کی تقسیم کیلئے آئین میں نیشنل فنانس کمیشن تجویز کیا گیا مگر اس بات کو جواز بنا کر کہ اس ادارے کی تشکیل نو کی جا رہی ہے۔ اس کا اجلاس بلانے سے بھی گریز کیا جاتا رہا۔ یہ کسی کی مرضی ومنشا کا معاملہ نہ تھا بلکہ ایک آئینی پابندی تھی۔ جس کا پورا کیا جانا ضروری تھا لیکن اس سے غفلت پر صوبوں کو یہ تاثر ملنے لگا کہ انہیں ان کے حقوق سے اور قومی وسائل میں ان کے جائز حصے سے دانستہ محروم رکھا جا رہا ہے۔ ایسے منصوبوں کے مرکزی کنٹرول پر اصرار کیا گیا جو صوبوں کے دائرہ کار میں آتے تھے۔ پیپلز ورکس پروگرام اس دوہرے طرز عمل کی بدترین مثال تھا۔ 5 ارب کی خطیر رقم سے چلائے جانے والے پروگرام کے لیے فنڈز مختص کرنے اور رقوم کی ادائیگی اور حسابات کی جانچ پڑتال کے معاملے میں مسلمہ مالیاتی قواعد وضوابط سے لاپرواہی برتتے ہوئے ایک ترقیاتی منصوبے کو سیاسی رشوت کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی گئی۔

گزشتہ آٹھ ماہ کے دوران حالات کی سنگینی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ انتظامیہ اور قانون کے محافظ سیاسی دباؤ کے سامنے بے دست و پا ثابت ہوئے۔ وہ نہ کسی کو تحفظ دے سکے نہ انصاف صرف اس سال یعنی یکم جنوری سے 31 جولائی 1990ء تک صرف سات ماہ میں سندھ میں مختلف وارداتوں میں 1187 افراد ہلاک اور 2491 زخمی ہوئے۔ ان میں نسلی بنیادوں پر مارے جانے والوں کی تعداد 635 اور زخمی ہونے والوں کی تعداد 1433 تھی۔ اس کے برعکس باقی تینوں صوبوں میں مجموعی طور پر 599 افراد ہلاک اور 1656 زخمی ہوئے۔ وہاں مرنے والوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو نسلی بنیادوں پر مارا گیا ہو البتہ 14 آدمی زخمی ضرور ہوئے۔ ان سات مہینوں میں سندھ میں 765 افراد اغواء کیے گئے اور 1062 ڈکیتیاں ہوئیں ملک کے باقی تینوں صوبوں میں کل ملا کر اغوا کی 115 اور ڈکیتی کی 327 وارداتیں ہوئیں۔ سندھ کی حکومت ناکام ہو چکی تھی۔ مرکز اور سندھ میں ایک ہی حکومت تھی مگر صوبائی حکومت کو آئین کے مطابق چلانے کی کوشش نہ کی گئی۔

قومی اور عالمی اخبارات بڑے بڑے سکینڈلز چھاپ رہے تھے۔ بدعنوانیوں کے ریکارڈ بن رہے تھے۔ کرپشن پاکستانی سیاست کا ٹریڈ مارک بن چکا ہے۔ یہ بھی کہا جا رہا تھا کہ تجارتی بینکوں اور مالیاتی اداروں مثلاً زرعی بینک' این ڈی ایف سی اور پکک سے ناجائز مراعات حاصل کرنے اور دلوانے کی راہ ہموار کرنے کے لیے ان میں کلیدی اسامیوں پر اہلیت اور تجربے کا خیال کیے بغیر پسند کے افراد تعینات کیے گئے۔ مشکوک حیثیت والی فرموں کے ساتھ عالمی منڈی کی قیمتوں سے کہیں کم داموں پر روئی اور چاول کی فروخت کے بڑے بڑے سودوں میں کروڑوں کا کمیشن کھایا گیا۔ یہ خبریں بھی شائع ہوئیں کہ توانائی' ہوابازی اور مواصلات سمیت کئی شعبوں میں بیرونی ممالک سے اربوں کی خریداری ملکی ضروریات' معیار اور ارزاں قیمت کی بجائے ذاتی منافع کا معیار پیش نظر رکھ کر کی گئی۔ سرکاری ٹھیکوں' لائسنسوں' پرمٹوں اور صنعتی اجازت ناموں کے سلسلے میں بڑی بڑی رشوتوں اور سیاسی نوازشوں کی باتیں سننے میں آئیں۔ میرا یہ فیصلہ کسی فرد' کسی

گروہ' کسی جماعت کے خلاف نہیں۔ رسہ کشی' محاذ آرائی اور ہٹ دھرمی کی پالیسی کے خلاف ہے۔ موقع پرستی' مصلحت کوشی' خودغرضی اور مفاد پرستی کے رجحانات کے خلاف ہے۔ جمہوریت کے مستقبل کے بارے بڑھتے ہوئے اندیشوں کے خلاف ہے۔ بدعنوانی اور بے عملی کی روش کے خلاف ہے۔ یہ فیصلہ جمہوریت کے نام پر جمہوریت کشی اور عوام کے نام پر عوام دشمنی کے خلاف ہے۔



سردار عبدالقیوم خان

(سابق صدر، وزیراعظم آزاد کشمیر)

وزیراعظم آزاد کشمیر بیرسٹر سلطان محمود نے سابق وزیراعظم اور مسلم کانفرنس کے سربراہ سردار عبدالقیوم خان کے دور میں ''لبریشن سیل'' میں 56 کروڑ کی خورد برد سمیت آزاد کشمیر کے مختلف ترقیاتی اداروں اور دوسرے محکموں کی کرپشن کی تحقیقات کے لیے احتساب کمیشن قائم کیا۔ جس کا سربراہ آزاد کشمیر ہائیکورٹ کے حاضر سروس جسٹس یونس سرکھوی کو بنایا گیا۔ حکومت کے علاوہ عام لوگوں نے بھی اس کمیشن میں ریفرنس دائر کیے جن میں لبریشن سیل کے 56 کروڑ کا معاملہ، مظفر آباد اور میرپور ترقیاتی اداروں میں کروڑوں کی کرپشن اور بدعنوانیاں اور 1992ء کے سیلاب میں منگلا ڈیم کے پانی میں بہہ کر آنے والی انتہائی قیمتی لکڑی کی نکاسی میں لاکھوں روپے کی خورد برد جیسے معاملات شامل ہیں لیکن ہر دور کے ''مثالی اور کڑے'' احتساب کی طرح 4 برس کے بعد بھی کسی ایک ریفرنس کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ آزاد کشمیر احتساب کمیشن کے ذرائع کے مطابق حکومت نے احتساب کمیشن تو قائم کر دیا ہے لیکن احتسابی سرگرمیوں کے لیے وسائل اور دیگر سہولیات فراہم نہیں کی جاتیں۔ احتساب کمیشن کی حیثیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا

سکتا ہے کہ سابق وزیراعظم سردار عبدالقیوم خان سے لبریشن سیل کے فنڈ کے حوالے سے تحقیقات کی گئیں تو ایک خط کے ذریعے سردار عبدالقیوم نے کہا کہ یہ بات مجھ سے کوئی ''را'' کا ایجنٹ ہی پوچھ سکتا ہے کہ میں نے 56 کروڑ کی رقم تحریک آزادی میں کہاں خرچ کی۔

سردار عبدالقیوم خان اور ان کے ہونہار سیاسی جانشین سردار عتیق مفاد پرستی میں اس درجہ پختہ ہیں کہ ہمیشہ نواز شریف کو اپنا بھائی قرار دینے والے سردار قیوم نے جنرل مشرف حکومت کے پہلے ہی دن اخبارات کو جو بیان جاری کیا۔ اس میں انہوں نے کہا کہ نواز شریف کو ان کے مشورے نہ ماننے کی سزا ملی ہے کہ ان کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر کشمیر پر لابنگ کے لیے جانے والے وفد میں سردار قیوم یا ان کے صاحبزادے سردار عتیق ضرور شامل ہوتے ہیں لیکن ان کے بیانات سے آج بھی یہ واضح نہیں کہ وہ الحاق کی بات کرتے کرتے نجی محفلوں میں خود مختار کشمیر کے موقف کے حامی کیوں ہو جاتے ہیں۔

فاروقی خاندان

احتساب عدالت سے سزا کے بعد عثمان فاروقی کو سنٹرل جیل کراچی ان کی اہلیہ انیسہ فاروقی اور بیٹی شرمیلا فاروقی کو ویمن جیل کے وارڈ میں عام قیدیوں کی حیثیت سے رکھا گیا۔ رنگ رنگ کے کھانے چکھنے والے کو جیل کا پکا کھانا دیا گیا' لوٹ مار کی دولت سے قیمتی ملبوسات زیب تن کرنے والی انیسہ اور شرمیلا کو جیل کی وردی اور نمبر بھی الاٹ کیا گیا۔ جیل ذرائع کے مطابق قید کے پہلے دن عثمان فاروقی نے جیل کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ ان کا اصرار تھا کہ انہیں گھر سے کھانا منگوا کر دیا جائے۔ جیل کا ماحول کرپشن کی دولت پر عیش کرنے والوں کے لیے شائد آہستہ آہستہ اپنا آپ کھول رہا ہے کیونکہ دونوں خواتین نے ساتھی قیدی خواتین کے سمجھانے پر جیل کا کھانا کھانے پر رضامندی ظاہر کی۔ جیل کا کھانا شرمیلا کو ہضم نہ ہوا تو اس نے قے کرنا شروع کر دی۔ قبل ازیں انیسہ اور شرمیلا کو جب بتایا گیا کہ انہیں جیل کے کپڑے پہننا ہوں گے کیونکہ وہ پکے قیدی ہیں اور انہیں اے یا بی کلاس قیدی کی مراعات بھی نہیں حاصل ہوں گی تو ان کی حالت غیر ہوگئی اور شرمیلا فاروقی نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ جیل کے کپڑے کسی صورت نہیں پہنے گی چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ جیل انتظامیہ نے ''کچھ بھی کرنے'' کے لیے خاص انتظامات کیے اور اسے قیدیوں کی وردی پہنا دی۔ عثمان فاروقی نے اپنی لاڈلی

بیٹی شرمیلا فاروقی کا شوق پورا کرنے کے لیے ایک ٹیلی ویژن پروڈیوسر کو لاکھوں روپے دے کر خصوصی ڈرامہ تیار کرایا۔ فاروقی فیملی زوال کا شکار ہوئی تو رشتہ داروں نے بھی آنکھیں پھر لیں۔ عثمان فاروقی کے بہنوئی اور دیگر رشتہ داروں نے ان کی ناجائز دولت کے ثبوت فراہم کر کے پورے خاندان کی ''لٹیا ڈبو دی''

اخبارات میں عثمان فاروقی کے برعکس ان کی بیگم اور بیٹی کی تصاویر اور بیانات تواتر سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ سٹیل ملز میں کرپشن پر قید کاٹنے والے فاروقی خاندان کی ان خواتین کا کہنا ہے کہ جیل میں انہیں عبادت کے لیے وقت اور موقع نہیں ملتا۔ ساتھی قیدی عورتیں ساری رات گاتی بجاتی رہتی ہیں اور ان کے نوافل وتہجد میں حائل ہوتی ہیں۔ شرمیلا فاروقی آزادی کے دنوں میں نت نئے زیورات وملبوسات میں اونچی سوسائٹی کے لبرل حلقوں کی جان سمجھی جاتی تھیں۔ سیف الرحمٰن کے احتساب سیل نے جب ان کے والد کی لوٹ مار کے سلسلے میں ان سے پوچھ گچھ کی تو شرمیلا فاروقی نے ایک طوفان کھڑا کر دیا اور الزام لگایا کہ سیف الرحمٰن نے انہیں جنسی طور پر ہراساں کیا۔ کرپشن میں ملوث افراد کے لیے یہ خاندان باعث عبرت ہے۔ ان کے حال پر غور کرنے والے میں اگر ذرا بھی غیرت کی رمق ہو تو وہ کرپشن سے تائب ہو جائے۔



عثمان فاروقی کی لاڈلی بیٹی شرمیلا فاروقی



منظور وٹو

(سابق وزیراعلیٰ پنجاب)

احتساب کی خصوصی عدالت کے جج رفیق گوریجہ نے سابق وزیراعلیٰ پنجاب میاں منظور احمد وٹو کو دو الگ الگ ریفرنسوں میں جرم ثابت ہونے پر مجموعی طور پر 5 سال 8 ماہ قید۔ پچاس لاکھ روپے جرمانہ اور آئین کے آرٹیکل 63 کے تحت قومی وصوبائی اسمبلی کے انتخابات لڑنے کے لیے عمر بھر کے لیے نااہل قرار دیدیا۔ عدالت نے ایک ریفرنس میں منظور وٹو کی شریک ملزمہ سیما کو بھی دس سال قید اور 10 لاکھ روپے جرمانہ کی سزا سنائی ہے۔ تاہم خاتون ہونے کے ناطے اعلیٰ عدالت میں اپیل کرنے تک انہیں از خود اختیارات کے تحت دو شخصی ضمانتیں لیتے ہوئے رہا کرنے کا حکم دے دیا۔ عدالت نے ملزمان کو اعلیٰ عدالت میں اپیل کا حق بھی دیا۔ میاں منظور وٹو پر اپنی وزارت اعلیٰ کے دوران ایک ہی دن میں ایک سو دس پلاٹوں کی صحافیوں' وکلاء اور اپنے حامیوں اور دوستوں کو الاٹ کرنے کا الزام تھا۔ دوسرے ریفرنس میں ایک خاتون سیما کو پٹرول پمپ کے لیے ناجائز الاٹمنٹ کا الزام تھا۔ منظور وٹو کے وکیل کا موقف تھا کہ چونکہ ملزم نے الاٹمنٹ کے دوسرے ہی دن الاٹمنٹ منسوخ کر دی تھی۔ اس لیے جرم نہیں بنتا۔ عدالت نے کہا کہ منظور وٹو ایک طویل عرصہ اقتدار میں رہے ہیں اس لیے یہ امر بھی ان

سے پوشیدہ نہ تھا کہ وہ اختیارات کے استعمال کے اہل نہ تھے۔ فاضل عدالت نے پٹرول پمپ ریفرنس میں منظور وٹو کو بیس ماہ قید 10 لاکھ جرمانہ اور جرمانہ ادا نہ کرنے پر مزید دس ماہ قید کی سزا سنائی۔ عدالت نے تفصیلی فیصلے میں لکھا کہ اگرچہ وکیل صفائی کا موقف ہے کہ پلاٹوں کی الاٹمنٹ کینسل ہوئی تھی تاہم میں سمجھتا ہوں کہ جرم اس وقت ہو گیا جب منظور وٹو نے بطور وزیراعلیٰ پلاٹوں کی الاٹمنٹ کے احکامات جاری کیے۔ یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ احکامات کوشش تھے اور جرم سرزد نہیں ہوا۔ پہلا جرم اس وقت ہو گیا تھا جب بدنیتی پر مبنی غیر قانونی نوٹیفکیشن جاری ہوا۔ عدالت نے قرار دیا کہ منظور وٹو نے مذکورہ ریفرنس کے مسئلہ پر جتنی الاٹمنٹس کیں وہ تمام غیر قانونی بلاجواز' بدنیتی پر مبنی ہیں اور بددیانتی شمار کی جاتی ہیں۔ عدالت نے فیصلہ میں لکھا کہ استغاثہ نے ملزم کے بارے میں تسلی بخش شواہد اور ثبوت فراہم کر دیئے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ملزموں پر کرپشن کے الزامات ثابت ہوگئے ہیں۔ فاضل عدالت نے فیصلہ میں کہا کہ یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ چند مثالوں کو چھوڑ کر یہ روایت بن چکی ہے کہ سیاستدان جب اقتدار میں آ جاتے ہیں تو اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے آقا بن جاتے ہیں اور خدمت اور نوکری بھول جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کا کوئی کام غیر قانونی نہیں ہے۔ جرم نہیں ہے۔ وہ خود کو ہر قسم کی پوچھ گچھ سے بالاتر تصور کرتے ہیں اور اس کو اپنا صوابدیدی اختیار تصور کرتے ہیں۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ معاشرہ اس رجحان کا شکار ہو رہا ہے۔ اسی وجہ سے تمام قوم اس صورتحال کے خلاف احتجاج کر رہی ہے اور اسے ختم کرنے کے لیے احتساب کا مطالبہ کر رہی ہے۔ منظور وٹو کے بدنیتی پر مبنی متنازعہ الاٹمنٹ احکامات کی وجہ سے ایل ڈی اے ان پلاٹوں کو استعمال نہ کر سکی جس وجہ سے حکومت کو نقصان ہوا۔ اب ضرورت ہے کہ اس نقصان کو بھی پورا کیا جائے۔ کرپشن ہماری قومی زندگی کا حصہ بن چکی ہے۔ عدالت نے اپنے ریمارکس میں کہا ہے کہ منظور وٹو کو پلاٹوں کی الاٹمنٹ کا اختیار نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے دوستوں کو مالی فوائد پہنچانے کے لیے یہ قدم اٹھایا۔

عدالت نے فیصلہ میں لکھا کہ کوئی ایسا ثبوت سامنے نہیں آیا جس سے یہ ثابت ہو

سکے کہ الاٹمنٹ کینسل کی گئی اور نہ ہی کسی الاٹی نے ان پلاٹوں سے اظہار لاتعلقی کیا ہے۔ پلاٹ کیس کا فیصلہ 85 صفحات جبکہ پٹرول پمپ کیس کا فیصلہ 92 صفحات پر مشتمل تھا۔ دونوں ریفرنس گزشتہ حکومتوں میں ساڑھے تین سال تک ہائیکورٹ میں زیر سماعت رہے لیکن ان کا فیصلہ نہ ہوسکا۔ سابق وزیراعلیٰ پنجاب میاں منظور احمد وٹو کے خلاف بیت المال ریفرنس اور فرنیچر ریفرنس کی سماعت تاحال جاری ہے۔ سرکاری بیت المال میں بے ضابطگی کے الزم میں منظور وٹو کے خلاف جو ریفرنس دائر کیے گئے۔ ان کے تحت واجب الادا رقم کی مالیت ایک کروڑ روپے سے زائد بنتی ہے۔ منظور وٹو کی شریک جرم سیما مسلم لیگ (ج) کے کارکن میاں نعیم کی اہلیہ ہیں اور وہ مسلم ٹاؤن میں رہائش پذیر ہیں۔ سیما نعیم نے بتایا کہ ہم نے صرف الاٹمنٹ کی درخواست دی تھی کوئی کرپشن نہیں کی۔

میاں منظور وٹو کی اہلیہ پروین وٹو نے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ جس کیس میں سزا سنائی گئی ہے وہ غلط درج کیا گیا۔ نواز شریف کے غلط اقدامات نے ہمیں بھی تباہ کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ وٹو حوصلے اور ہمت والے انسان ہیں۔ ڈیڑھ سال جیل میں رہ چکے ہیں۔ اس دوران میری ہر ہفتے ان سے ملاقات ہوتی رہی۔ اب آئندہ ملاقات ہوگی یا نہیں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ پروین وٹو نے آبدیدہ ہوکر کہا کہ گھر کے سربراہ کے بغیر گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ فیصلے کے بعد منظور وٹو نے اپنے صاحبزادے معظم وٹو کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ہمت سے کام لو ہمیں اعلیٰ عدالتوں سے انصاف ملے گا۔ منظور وٹو نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس فیصلہ کی توقع نہیں تھی۔ فیصلہ میرٹ پر نہیں ہوا اور ہم اس کے خلاف سپریم کورٹ سے رجوع کریں گے۔

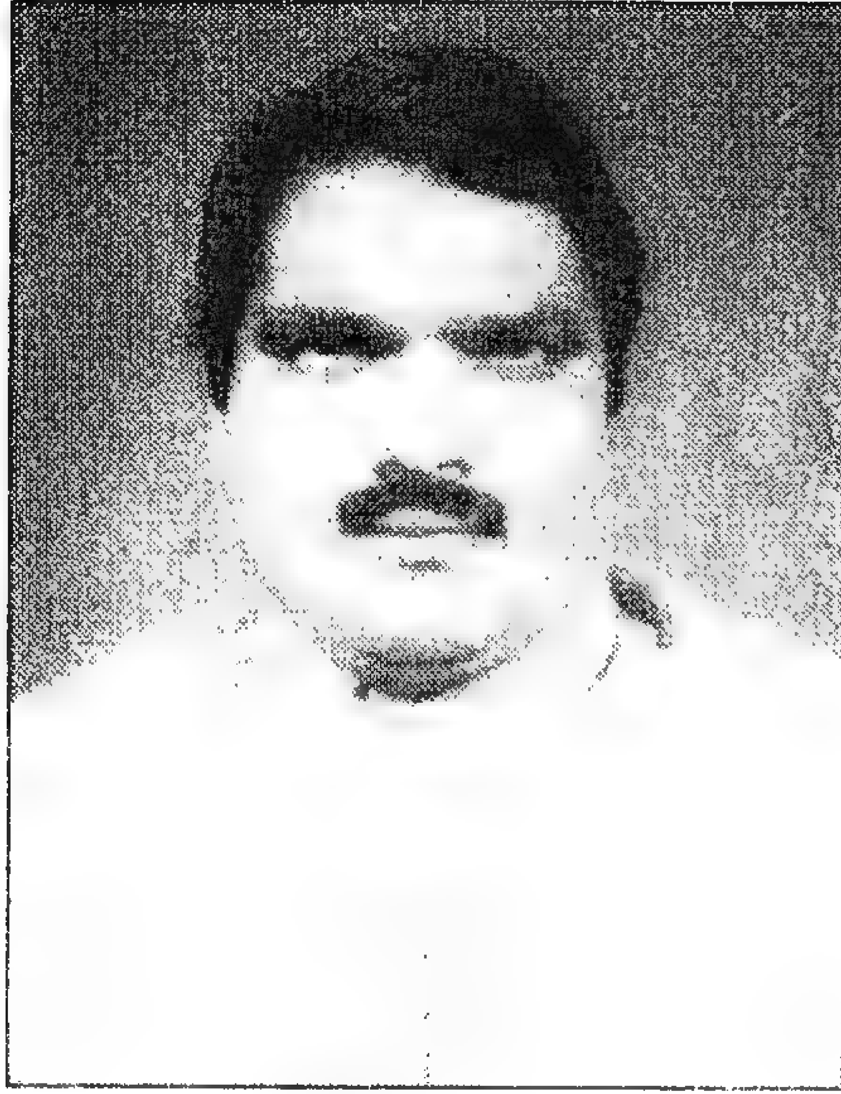


میاں عبدالوحید

حلقہ این اے 93 سے مسلم لیگ (ن) کے معطل رکن اسمبلی میاں عبدالوحید نے لاکھوں روپے کا دولت ٹیکس، انکم ٹیکس اور پراپرٹی ٹیکس بچانے کے لیے گھر اور پلازے بیوی، بیٹی اور بیٹے کے نام کر رکھے ہیں۔ میاں عبدالوحید نے اپنی جائیداد خاندان کے مختلف افراد کو تحائف کی صورت میں دے رکھی ہے۔ میاں عبدالوحید کے اسلام آباد میں دو پلازے تھے جن میں سے ایک کو ہوٹل میں تبدیل کر کے آمدن میں پچاس فیصد اضافہ کرلیا لیکن پلازہ اور ہوٹل دونوں کو اپنے گوشوارے میں ظاہر نہ کیا۔ میاں عبدالوحید کی اسلام آباد میں ایک کوٹھی ہے جس کی قیمت ایک کروڑ روپے سے کہیں زیادہ بتائی جاتی ہے۔ میاں عبدالوحید نے یہ کوٹھی کرایہ پر دے رکھی ہے۔ جس کا ماہانہ کرایہ تقریباً 60 ہزار روپے ہے۔ انتخابی گوشوارے میں اس قیمتی کوٹھی کا کوئی ذکر نہیں۔ میاں عبدالوحید نے ظفر علی روڈ گلبرگ میں موجود کوٹھی کی قیمت 45 لاکھ روپے ظاہر کی ہے حالانکہ کوٹھی کی جگہ 3 کنال 16 مرلے پر مشتمل ہے۔ ظفر علی روڈ پر اس جگہ کی قیمت تقریباً 70 لاکھ ہے۔ میاں عبدالوحید نے انتخابی گوشوارے میں کھوتہ کے مقام پر ایک پلاٹ کی قیمت 90 ہزار روپے ظاہر کی ہے جبکہ وہاں پلاٹ کی قیمت 5 لاکھ کے قریب ہے۔ چار سال قبل بھی یہ پلاٹ ساڑھے تین لاکھ سے کم نہ تھا۔ گورنمنٹ ایمپلائز سوسائٹی میں دو کنال کے پلاٹ لی قیمت ساڑھے پچانوے ہزار روپے ظاہر کی گئی جو اصل قیمت سے کئی گنا کم ہے۔

مری پتریاٹہ میں چار کنال کا پلاٹ صرف ایک لاکھ کا ظاہر کیا گیا۔ میاں عبدالوحید نے فیصل آباد میں وراثتی زمین دس کنال ظاہر کی ہے جبکہ یہ زمین ایکڑوں میں ہے۔ انتخابی گوشوارے میں بینک اکاؤنٹس کی جو تفصیلات بتائی ہیں۔ وہ بھی حیران کن ہیں۔ حبیب بینک اسلام آباد سی ڈی اے برانچ میں 137 روپے یو بی ایل کراچی میں 1340 روپے' نیشنل بینک کراچی میں 563 روپے' نیشنل بینک ماڈل ٹاؤن اسلام آباد برانچ میں 803 روپے' حبیب بینک کوہ نور نگر برانچ فیصل آباد میں 250 روپے' حبیب بینک اسلام آباد میں 59 روپے۔ الائیڈ بینک پارلیمنٹ ہاؤس میں 4 روپے جبکہ ڈوئچے بینک اسلام آباد میں 5 ہزار روپے ہیں۔ میاں عبدالوحید زمین کی خرید وفروخت کا کاروبار کرتے ہیں اور یہ کاروبار کروڑوں روپے پر مشتمل ہے۔

میاں عبدالوحید نے معطل رکن اسمبلی اور سابق چیئرمین ضلع کونسل لاہور چودھری ذوالفقار سے ایک ایسی زمین کا سودا کیا جس کی قیمت 70 لاکھ روپے تھی۔ میاں عبدالوحید نے چودھری ذوالفقار سے وہ زمین 70 لاکھ روپے کے عوض خرید لی جبکہ چودھری ذوالفقار کو ڈوئچے بینک کے دو چیک 35` 35 لاکھ روپے کے دیئے گئے۔ چودھری ذوالفقار نے یہ دونوں چیک سرحد کے سابق رکن قومی اسمبلی حاجی کبیر خان کو دیئے اور انہوں نے یہ دونوں چیک کیش کرائے۔ 70 لاکھ روپے دینے کے بعد میاں عبدالوحید کو معلوم ہوا کہ یہ زمین فراڈ ہے۔ حقائق معلوم ہونے کے بعد میاں عبدالوحید نے نواز شریف اور شہباز شریف کے ذریعے رقم واپس لینے کی کوشش کی۔ ذرائع کے مطابق موجودہ فوجی حکومت کے ذریعے میاں عبدالوحید کو تقریباً 35 لاکھ روپے واپس مل چکے ہیں۔ میاں عبدالوحید نے اس سارے کاروبار پر جو ٹیکس ادا کیا وہ چوبیس ہزار چھ سو تینتیس روپے ہے۔ دولت ٹیکس 61470 روپے ادا کیا جبکہ کاروبار اور جائیداد کا کوئی حساب نہیں۔ منڈیال پیپر ملز شیخوپورہ کے قریب میاں عبدالوحید کی 120 ایکڑ زمین ہے جبکہ ان کی بیوی کے نام بھی ایک مربع زمین ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق میاں عبدالوحید کے خلاف ایک کمپنی میں کرپشن کے حوالے سے انکوائری بھی ہوئی۔



برجیس طاہر

معطل لیگی رکن اسمبلی حلقہ این اے 103 اور سابق چیئرمین سٹینڈنگ کمیٹی برائے مواصلات چودھری محمد برجیس طاہر نے انتخابی گوشوارے میں کروڑوں روپے مالیت کی جائیداد آئل ملز' رائس ملز' پٹرول پمپ' سیالکوٹ میں فیکٹری اور ٹرانسپورٹ کے کاروبار کا ذکر تک نہیں کیا۔ گوشوارے میں ظاہر اثاثوں کی قیمت بھی اصل مالیت سے بہت کم بتائی۔ انہوں نے آٹھ سالہ دور اقتدار میں حیرت انگیز طور پر اپنی جائیداد میں کروڑوں روپے کا اضافہ کیا۔ برجیس طاہر وکلاء کے اس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو پھٹہ لگا کر موکل گھیرتا ہے۔ سانگلہ ہل کچہری جانے کے لیے وہ پرانے ماڈل کا ویسپا سکوٹر استعمال کرتے۔ 1985ء میں آزاد امیدوار کے طور پر الیکشن میں حصہ لیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اس وقت کے وزیراعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف کے دورہ سانگلہ ہل کے موقع پر برجیس طاہر نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کر دیا اور 1990ء کے انتخابات میں پہلی مرتبہ رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔ برجیس طاہر جب منتخب ہوئے تو پانچوں بھائی اپنے بچوں کے ساتھ 8 مرلہ مکان میں رہتے تھے۔ پورے خاندان کی 18 ایکڑ زرعی اراضی تھی۔ اقتدار میں آتے ہی دن پھرنے لگے اور برجیس طاہر مسٹر ٹین پرسنٹ کے

نام سے مشہور ہو گئے۔ کمیشن لے کر ٹھیکے دیئے جاتے۔ برجیس طاہر نے اپنے ایک بھائی محمد جمیل کو سٹیل ملز کا ڈائریکٹر بنوایا جو پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں کرپشن کے الزامات کے باعث برطرف کر دیا گیا۔ برجیس طاہر کی نور آئل ملز میں بجلی چوری بھی پکڑی گئی جس پر واپڈا نے انہیں ایک کروڑ 25 لاکھ کا بل بھیجا۔ چودھری ٹریولز کے نام پر 4 لگژری کوچز فیصل آباد اور اسلام آباد کے درمیان چلتی ہیں۔ وہ ایک پولٹری فارم کے بھی مالک ہیں لیکن ان کے گوشوارے میں کسی کاروبار کا ذکر نہیں۔ برجیس طاہر نے سول لائن شیخوپورہ میں کوٹھی کی قیمت 13 لاکھ 50 ہزار لکھی جبکہ اس کی مالیت 40 لاکھ روپے بنتی ہے۔ سانگلہ ہل میں ادریس مارکیٹ کی قیمت ایک لاکھ بیس ہزار روپے ظاہر کی لیکن اس کی مارکیٹ ویلیو پچاس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ فیصل آباد اور سانگلہ ہل میں پچاس ایکڑ اراضی کی قیمت انہوں نے صرف ڈیڑھ لاکھ بتائی ہے۔ انہوں نے اسلام آباد میں واقع پلاٹ کی قیمت صرف دو لاکھ بتائی۔ برجیس طاہر نے مالیہ اور آبیانہ کی مد میں کئی برسوں سے ایک روپیہ بھی جمع نہیں کرایا۔

رائے منصب علی خان

قومی اسمبلی کے حلقہ 105 کے معطل رکن رائے منصب علی خان نے 1960ء میں اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ مین بازار ننکانہ صاحب میں ایک مکان کی بالائی منزل کرائے پر لے کر رہائش اختیار کر رکھی تھی اور ضلع کچہری میں وکالت شروع کر دی۔ ان کے پاس کوئی سواری نہ تھی پھر وکالت بھی نہ چل سکی۔ پڑھے لکھے ہونے کی بناء پر کھرل برادری نے 1964ء میں انہیں اپنا متفقہ نمائندہ بنا کر کامیاب کرایا اور پہلی بار پنجاب اسمبلی کے رکن بنے۔ والد کی وراثتی جائیداد میں سے چند ایکڑ اراضی انہیں حصہ میں ملی۔ مگر انہوں نے پراسرار طریقہ سے چند ہی برسوں میں اپنے کروڑوں روپے کے اثاثے بنا لیے۔ رائے منصب علی خان نے ننکانہ صاحب کے وارڈ نمبر 14 میں جس مکان کی قیمت دو لاکھ ظاہر کی ہے وہ دس لاکھ روپے کا ہے۔ وزیراعلیٰ روڈ لاہور کی کوٹھی نمبر 247 میں بیٹی کا چوتھائی حصہ ظاہر کر کے قیمت 4 لاکھ ساڑھے گیارہ ہزار بتائی حالانکہ اس کی موجودہ قیمت تقریباً ایک کروڑ روپے کے لگ بھگ ہے۔ انہوں نے لاہور کینٹ میں اپنی اہلیہ سعدیہ سلطان کے نام 63 کنال 2 مرلے اراضی کی قیمت ظاہر نہیں کی۔ رائے منصب علی خان نے شیخوپورہ کے محلہ ہجرانوالہ میں 16 کنال 16 مرلے نہری رقبے کی قیمت 10 لاکھ نو ہزار پانچ سو بتائی جبکہ یہاں فی مرلہ قیمت پچاس ہزار سے ایک لاکھ

روپے تک ہے۔ انہوں نے ننکانہ کے چک نمبر 576 گ ب میں بھی زرعی اراضی کی قیمت ظاہر نہیں کی۔ انہوں نے گھریلو سامان کی قیمت صرف پچیس ہزار اور طلائی زیورات 15 تولے بتائے۔ ٹریکٹر کی مد میں پونے 4 لاکھ اور بیج کی مد میں پچاس ہزار روپے قرضہ ظاہر کیا گیا۔ رائے منصب علی خان نے دولت اور انکم ٹیکس کی مد میں سرکاری خزانے میں ایک روپیہ بھی جمع نہیں کرایا۔ تین باررکن اسمبلی بننے والے رائے منصب علی خان نے قصبہ جیلانی موڑ پر واقع پٹرول پمپ اور کولڈ سٹور بیچ غائب کر دیئے۔ کروڑوں روپے مالیت کے 8 کمبائن ہاورسٹرز جن کی سالانہ آمدن 60 لاکھ روپے بنتی ہے۔ انہیں بھی چھپایا گیا دور اقتدار میں جنرل بس سٹینڈ سے 15 ہزار ماہانہ بھتہ وصول کرتے رہے۔ اب بھی ویگن سٹینڈ سے پچاس ہزار روپے ماہانہ بھتہ وصول کرتے ہیں جبکہ اسلام آباد میں تھری سٹار ہوٹل ہے۔



میاں یسین وٹو

مسلم لیگ کے رہنما اور سابق وفاقی وزیر میاں محمد یسین وٹو حلقہ این اے 113 اوکاڑہ سے منتخب ہوتے رہے۔ یسین وٹو نے کاغذات نامزدگی کے ہمراہ جو گوشوارہ جمع کرایا۔ اس میں انہوں نے اپنی جائیداد کی قیمت مارکیٹ کی موجودہ قیمت سے کئی گنا کم ظاہر کی ہے اور پاک دامن و ایماندار کے طور پر مشہور یسین وٹو اپنی پر تعیش رہائش گاہوں، فرنیچر، زیورات، دو بینک اکاؤنٹس، مویشیوں، پٹرول پمپ اور مچھلی فارم کا ذکر گول کر گئے۔ یسین وٹو نے اپنے بیٹے اور بیٹیوں کے نام پر موضع مہر شاہ کھگہ میں 30 کنال 10 مرلے چک نمبر 14 ڈی میں 48 کنال، موضع جموں تحصیل منچن آباد میں 282 کنال 14 مرلے وراثتی اور سندر ملتان روڈ لاہور میں 41 کنال 5 مرلے اراضی کی قیمت اڑھائی لاکھ ظاہر کی ہے جبکہ سندر والی اراضی کی قیمت تقریباً اڑھائی کروڑ روپے کے لگ بھگ ہے۔

میاں یسین وٹو نے لاہور کے مرکزی علاقے 3 فرید کورٹ روڈ پر واقع اپنی ایک کنال 2 مرلے زمین کو رہائشی ظاہر کیا ہے اور اس طرح الیکشن کمیشن کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی۔ اس کمرشل پلاٹ کی انہوں نے قیمت 14 لاکھ روپے بتائی ہے جبکہ اس کی مارکیٹ ویلیو 10 کروڑ کے قریب ہے۔ حویلی لکھا کے کمرشل علاقے پرانا

بازار میں اپنی 31 مرلہ دکانوں کی مالیت صرف دس ہزار بیان کی حالانکہ اس بازار میں ایک مرلہ کی دکان بھی پانچ لاکھ سے کم میں نہیں ملتی۔ گوشوارے میں کار کی قیمت ایک لاکھ 80 ہزار بتائی گئی ہے جبکہ پرتعیش گاڑیوں کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ قانونی مہارت اور لفظوں کے ہیر پھیر سے انہوں نے زیورات‘ نقدی‘ رہائش گاہوں‘ اپنے بیٹے کے نام سے منسوب مچھلی فارم اور دوسرے بیٹے ظفر کے نام پر قائم پٹرول پمپ کو ظاہر کرنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ میاں یسین وٹو نے بینک سٹیٹ منٹ میں بھی شعبدہ بازی کا مظاہرہ کیا اور 2900 ڈالر فارن کرنسی اور چالیس ہزار ستائیس سو روپے ظاہر کیے جبکہ نیشنل بینک‘ الائیڈ بینک سندر اور قومی اسمبلی برانچ میں اپنے اکاؤنٹس کی تفصیل نہیں بتائی اور بعد از تصدیق بتانے کا لکھا گیا جبکہ منتخب ہونے کے بعد تصدیق کی نوبت ہی نہ آ سکی۔



مسلم لیگ کے دو بڑے خیر خواہ محمد خان جونیجو اور غلام حیدر وائیں کی گفتگو کا منفرد انداز (دونوں اب اس دنیا میں موجود نہیں)

شیخ طاہر رشید

قومی اسمبلی کے حلقہ 116 ملتان سے معطل رکن اسمبلی شیخ طاہر رشید نے اپنی جائیداد کے گوشواروں میں غلط اعداد و شمار پیش کیے۔ اثاثے چھپائے اور اراضی کی قیمت بھی کم ظاہر کی۔ شیخ طاہر رشید مخدوم رشید کے قریب موضع 19 کسی میں رشید انٹر پرائزز کے نام سے سالونٹ پلانٹ لگا رہے ہیں جس کی مالیت کروڑوں میں ہے‘ جس جگہ یہ پلانٹ لگایا جا رہا ہے۔ اس پر ہسپتال تعمیر کیا جانا تھا لیکن طاہر رشید نے وہاں پر قبضہ کر لیا۔ طاہر رشید نے گھوٹکی سندھ میں چار مربع زرعی اراضی کی ملکیت ظاہر کی جبکہ جن علاقوں میں ان کی یہ زمین ہے۔ وہاں 8 لاکھ روپے مربع سے کم قیمت نہیں ہے اور چار مربع اراضی کی قیمت 32 سے 35 لاکھ بنتی ہے جبکہ شیخ طاہر رشید اور ان کے خاندان کی اوباڑو ضلع میں 20 مربع سے زائد زرعی اراضی جننگ فیکٹری اور کولڈ سٹوریج ہیں۔ یہ کولڈ سٹور انہوں نے سرکار کے پیسے سے ہی تعمیر کرا کر کئی سال کا ایڈوانس وصول کرنے کے بعد حکومت کو ہی کرائے پر دے رکھے ہیں۔ بہاولپور روڈ ملتان پر کراچی ٹیکسٹائل مل کی 11 کنال 12 مرلے زمین کی ملکیت طاہر رشید نے صرف 4 لاکھ 8 ہزار روپے ظاہر کی ہے جبکہ وہاں اس رقم میں ایک کنال زمین بھی نہیں ملتی۔ اوباڑہ میں طاہر رشید اور ان کے بچوں کے نام زمین کے لیے محکمہ انہار سے ضرورت سے پانچ گنا زائد پانی منظور کرایا گیا

گزشتہ کئی سال سے تین موگوں کا پانی ان کی زمینوں کو سیراب کرنے کے بجائے سیم نالے میں جا رہا ہے جبکہ نہر کی ٹیل کے کاشتکار پانی سے محروم ہیں اور اسی سیم نالے کا پانی اپنی زمینوں کے لیے استعمال کرتے ہیں جس میں طاہر رشید اور دیگر لوگ نہروں کا فاضل میٹھا پانی پھینک دیتے ہیں۔ طاہر رشید کی اہلیہ کے نام پر گلگشت کالونی ملتان کی کمرشل پراپرٹی کی مالیت 5 لاکھ روپے لکھی گئی ہے جبکہ یہ 30 لاکھ روپے کی جائیداد ہے۔ بیٹے احمد طاہر کے نام ایم ڈی اے کالونی ملتان میں دو کنال کا پلاٹ خریدا گیا جس کی مالیت ایک لاکھ روپے بتائی گئی جبکہ اس پلاٹ کی قیمت کسی طرح دس لاکھ سے کم نہیں۔



مخدوم جاوید ہاشمی

سابق وفاقی وزیر صحت مخدوم جاوید ہاشمی نے 21 دسمبر 1996ء کو ملتان کے حلقہ این اے 120 سے انتخابات میں حصہ لینے کے لیے جو گوشوارہ جمع کرایا اس میں جائیداد کی قیمت بہت کم ظاہر کی گئی جبکہ کروڑوں روپے مالیت کی بہت سی جائیداد کو خفیہ رکھا گیا۔ جاوید ہاشمی نے اسلام آباد اور مخدوم رشید میں اپنی کوٹھیوں کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی سولجر بازار کراچی میں خریدی اور فروخت کی گئی کمرشل اراضی کا ذکر کیا۔ سابق وزیر صحت نے مخدوم رشید میں اراضی کا ذکر بھی غائب کر دیا۔ اس اراضی پر ان کے رشتہ داروں نے ہاؤسنگ سکیم بنا کر فروخت کی اور اوقاف کی اس اراضی سے کروڑوں روپے کمائے۔ اسلام آباد میں اپنی اس کوٹھی کا ذکر بھی گول کر دیا جو انہوں نے کئی سال تک اٹلی کے سفارت خانے کو بھاری کرائے کے عوض دے رکھی تھی۔ جاوید ہاشمی نے اپنی زرعی اراضی کی قیمت بھی اصل سے بہت کم ظاہر کی اور مالی سال 94-93` 95-94 اور 96-95 میں دولت ٹیکس یا انکم ٹیکس کی مد میں ایک پائی تک جمع نہ کرائی۔ پیپلز پارٹی کے دور میں اس وقت کے وزیر داخلہ جنرل نصیر اللہ بابر نے سینٹ میں ایک آڈیو کیسٹ چلا کر مہران بینک کے یونس حبیب کے وکیل اور جاوید ہاشمی کی گفتگو سنوائی اور بتایا تھا کہ یونس حبیب نے ایڈ ایج ایڈورٹائزنگ کمپنی کے ذریعے جاوید ہاشمی کے لیے کروڑوں

روپے کی رقم راحت ملک کے اکاؤنٹ میں جمع کرائی جو جاوید ہاشمی کا فرنٹ مین تھا۔ سابق وزیر صحت کے گوشوارہ میں ظاہر کی گئی جائیداد کی مالیت اور حقائق اس طرح سے ہیں۔ مالی سال 1994-95ء میں لینڈ ریونیو کی مد میں 3200 روپے جمع کرائے جبکہ 1995-96 میں بھی پہلی رقم جمع کرائی گئی۔ مخدوم رشید میں محکمہ اوقاف کی اس زمین کا ذکر نہیں کیا گیا جو مخدوم جاوید ہاشمی اور عزیز و اقارب کے قبضہ میں ہے، جس میں سے وہ ایک مربع اراضی فروخت کر چکے ہیں۔

میاں محمد فاروق

فیصل آباد سے قومی اسمبلی کے حلقہ 61 سے معطل مسلم لیگی رکن اسمبلی میاں محمد فاروق نے انتخابی گوشوارے میں اپنے اثاثوں کی کل مالیت 42 لاکھ 99 ہزار 500 روپے ظاہر کرتے ہوئے کمرشل پلازہ، پٹرول پمپ، عالیشان بنگلہ، لینڈ کروزر گاڑیاں اور دوسرے اثاثے چھپائے۔ رکن اسمبلی منتخب ہونے کے بعد میاں فاروق نے انکم ٹیکس کی مد میں ایک پائی بھی ادا نہیں کی جبکہ اسمبلی کا رکن منتخب ہونے کے بعد ان کی دولت میں بے تحاشا اضافے کے باوجود انہوں نے ویلتھ ٹیکس کی ادائیگی کم کر دی۔

میاں محمد فاروق نے 1997ء میں الیکشن کمیشن کو گوشوارے داخل کراتے وقت اپنی فلور مل (لائل پور فلور اینڈ جنرل ملز جھنگ روڈ) کی مالیت پچاس لاکھ روپے ظاہر کی ہے جبکہ 1998ء میں ملز کی میاں فاروق کے نام رجسٹری صرف تین لاکھ آٹھ ہزار روپے کی ہوئی۔ میاں محمد فاروق جڑانوالہ روڈ پر پنجاب کانسٹیبلری کی پولیس لائن سے ملحقہ کروڑوں روپے مالیت کی نصف مربع اراضی کے حصہ دار ہیں۔ یہاں زمین کی مارکیٹ ویلیو پچاس سے پچھتر ہزار روپے فی مرلہ ہے مگر میاں فاروق نے اسے گوشواروں میں ظاہر نہیں کیا۔ میاں فاروق فیصل آباد کے سب سے قیمتی علاقے ریلوے روڈ پر واقع کروڑوں روپے مالیت کے سٹی پلازے کے پارٹنر ہیں لیکن اس پلازے کو

انہوں نے گوشوارے میں ظاہر نہیں کیا۔ لائل پور فلور اینڈ جنرل ملز کی موجودہ مالیت چھ کروڑ روپے سے زائد ہے لیکن گوشوارے میں اس کی قیمت صرف 50 لاکھ ظاہر کی گئی ہے۔ ایک سو سے زائد بھینسوں پر مشتمل ڈیری فارم کی مالیت ایک لاکھ روپے ظاہر کی گئی ہے جبکہ صرف ان بھینسوں کی قیمت 30 سے 40 لاکھ روپے ہے۔ میاں فاروق کے بیٹوں کے پاس بھی لینڈ کروزر گاڑیاں ہیں مگر انہوں نے اپنی ملکیت میں صرف ایک ٹیوٹا کرولا ظاہر کی جس کی مالیت بھی چار لاکھ پینسٹھ ہزار ظاہر کی گئی۔ لاہور میں جوہر ٹاؤن میں ایک کنال کے بنگلہ کی موجودہ مالیت دو لاکھ دو ہزار روپے ظاہر کی' اسی طرح ایک لاکھ روپے فی مرلہ والے علاقے ملت ٹاؤن میں پلاٹ کی قیمت بھی دو لاکھ ستانوے ہزار روپے بتائی ہے۔ نیوگرین مارکیٹ میں چھ دکانیں چار لاکھ پچانوے ہزار مالیت کی بیان کی گئیں۔ معطل لیگی ایم این اے کے الیکشن کمیشن میں داخل گوشوارے میں ظاہر کردہ اثاثوں کی مالیت مجموعی طور پر ایک ارب روپے سے زائد ہے جبکہ انہوں نے ایک محتاط اندازے کے مطابق چار ارب روپے کے اثاثے الیکشن کمیشن سے چھپائے جن میں سمندری روڈ پر ایک کروڑ روپے مالیت کا پٹرول پمپ بھی شامل ہے۔ میاں فاروق نے اپنے ایک رشتہ دار حاجی ریاض کے ساتھ مل کر سمندری روڈ پر بنائی گئی رہائشی کالونی' فاروق ٹاؤن کو بھی اپنے اثاثوں میں ظاہر نہیں کیا جبکہ ان تمام اثاثوں کے متعلق محکمہ مال سے مصدقہ ریکارڈ مختلف تحقیقاتی ایجنسیوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔ میاں محمد فاروق نے سارے معاملہ پر صرف یہ تبصرہ کیا کہ بھینسوں سے پیار کرنے کی وجہ سے اللہ نے میری سن لی اور وسیع کاروبار کا ذریعہ رشتہ داروں کی طرف سے بھیجے گئے ڈالر بانڈز ہیں۔

مخدوم احمد محمود

مخدوم احمد محمود جنوبی پنجاب کے جاگیردار ہیں۔ انٹرمیڈیٹ اور نیویارک یونیورسٹی سے زرعی اقتصادیات کی تعلیم حاصل کرنے والے احمد محمود نے انتخابی گوشواروں میں اپنا پیشہ زمینداری اور کاروبار بتایا ہے۔ ان کا قومی ٹیکس نمبر 22-10-4063004 ہے۔ سابق وزیراعظم میاں نواز شریف کے بعد ان کا شمار پاکستان کے امیر ترین ارکان اسمبلی میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے گوشواروں میں تین کروڑ روپے کے جہاز کا کوئی ذکر نہیں کیا' جس کی رجسٹریشن ڈیوٹی بچانے کے لیے امریکہ سے کرائی مگر اس طیارے کا استعمال پاکستان میں ہو رہا ہے۔ مخدوم احمد محمود کے پاس وہ تاریخی رولز رائس کار بھی ہے جو ملکہ برطانیہ نے پاکستان کے دورے کے دوران استعمال کی تھی۔ اس گاڑی کی مالیت ڈیڑھ کروڑ روپے سے زائد ہے مگر گوشواروں میں اس کی مالیت صرف پچاس ہزار بتائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنی دیگر 9 گاڑیوں کی قیمت صرف 10 لاکھ بتائی ہے۔ مخدوم احمد محمود کو ہیروں سے بہت دلچسپی ہے اور انہیں ان کی جان پہچان بھی ہے۔ ان کے دادا مخدوم الملک غلام میراں شاہ اس علاقے میں ہیروں کے سب سے بڑے خریدار تھے۔ مخدوم احمد محمود کے پاس بھی کروڑوں کے ہیرے جواہرات ہیں مگر ان کا کسی گوشوارے میں کوئی ذکر نہیں۔ لاہور میں 20 کروڑ روپے کے گھر کی قیمت انہوں نے سوا کروڑ بتائی۔ ڈیفنس ہاؤسنگ سکیم لاہور میں اہلیہ کے نام مکان سوا کروڑ میں فروخت کیا اور رقم ڈالرز میں وصول کی۔ مخدوم احمد محمود نے جمال دین والی شوگر ملز سپیریئر ٹیکسٹائل ملز اور ریاض باٹلرز میں اثاثوں کی مجموعی قیمت چار کروڑ بائیس لاکھ دو ہزار چار سو نو روپے بتائی جبکہ صرف جمال دین والی شوگر ملز کی قیمت ہی دو ارب سے زائد ہے۔

بریگیڈیئر (ر) ذوالفقار احمد ڈھلوں

مسلم لیگ کے سابق صوبائی وزیر تعلیم بریگیڈیئر (ر) ذوالفقار احمد ڈھلوں نے اپنی تمام جائیداد بیوی اور بیٹے کے نام منتقل کر رکھی ہے۔ حکومت کو فراہم کی گئی رپورٹ میں انہوں نے اپنی کروڑوں کی زمین کو لاکھوں کی ظاہر کیا جبکہ بیشتر پراپرٹی ظاہر ہی نہیں کی گئی۔ بریگیڈیئر (ر) ذوالفقار احمد ڈھلوں نے اپنے آبائی گاؤں تحصیل فیروزوالا میں جو زرعی زمین کاغذات میں ظاہر کی ہے۔ اس میں 28 ایکڑ ان کی بیوی' 28 ایکڑ بیٹے اور 9 ایکڑ ان کے اپنے نام ہے۔ انہوں نے اس کی موجودہ قیمت 60 لاکھ بتائی ہے جو مارکیٹ ویلیو سے کہیں کم ہے۔ اپنے وسیع رقبے پر انہوں نے رائس ملز بھی لگا رکھی ہے لیکن اس کا کہیں ذکر نہیں۔ انہوں نے 1990ء ماڈل کی سوزوکی کار ظاہر کر کے نئے ماڈل کی کرولا رکھی ہوئی ہے۔ تمام زرعی زمین وغیرہ کا سالانہ ٹیکس سات ہزار روپیہ جمع کراتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اثاثہ جات میں 5 ہزار روپے بینک میں ظاہر کیے جبکہ 50 ہزار کہیں ظاہر نہیں کیے۔ سابق وزیر تعلیم کے خلاف نہری پانی چوری کرنے کا پرچہ بھی درج ہو چکا ہے۔

مراد شاہ

(سابق صوبائی وزیر سندھ)

مختلف ٹھیکوں میں کمیشن کھانے اور سرکاری خزانے میں خورد برد کرنے پر صوبہ سندھ کے سابق وزیر مراد شاہ کو ان کے منظور نظر ٹھیکیدار کے ہمراہ آرمی مانیٹرنگ ٹیم نے حراست میں لے لیا۔ ان کے خلاف بدعنوانی کے مختلف الزامات کے تحت 15 ایف آئی آر درج کی گئیں۔ ملزمان کو ان کے دفاتر اور گھروں سے گرفتار کیا گیا۔ مراد علی شاہ نے کروڑوں روپے کمائے اور کئی فیکٹریاں قائم کیں۔ انہوں نے اپنے منظور نظر ٹھیکیدار رحمت اللہ سے بھاری کمیشن وصول کیا۔ رحمت اللہ نے سرکاری خزانے میں ایک کروڑ روپے جمع کرانے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ ریلوے ہیڈ کوارٹر میں آرمی مانیٹرنگ ٹیم کے کرنل شاہد محبوب صدیقی' میجر ضمیر اور ایس ایچ او آرٹلری میدان انسپکٹر نعیم اختر نے بتایا کہ ملزمان نے چیف سیکرٹری اور ایس ڈی ایم کے سامنے اعتراف جرم کر لیا ہے۔ کارروائی لاڑکانہ میں ساسو گوداموں کی غیر معیاری تعمیر سے متعلق قائم انکوائری کمیٹی کی رپورٹ پر کی گئی جس کی لاگت پر 30 ملین روپے خرچ ہوئے تھے۔ شریک ملزمان ڈائریکٹر فنانس ساسو امین ایم ہنگورو ڈپٹی ڈائریکٹر ساسو لاڑکانہ عبدالرزاق عمرانی اور اسسٹنٹ ڈائریکٹر صالح محمد شاہ سمیت دیگر ملزمان کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے ہیں۔ ملزمان کو باقاعدہ تفتیش کیلئے اینٹی کرپشن کے حوالے کر دیا گیا۔ ساسو میں

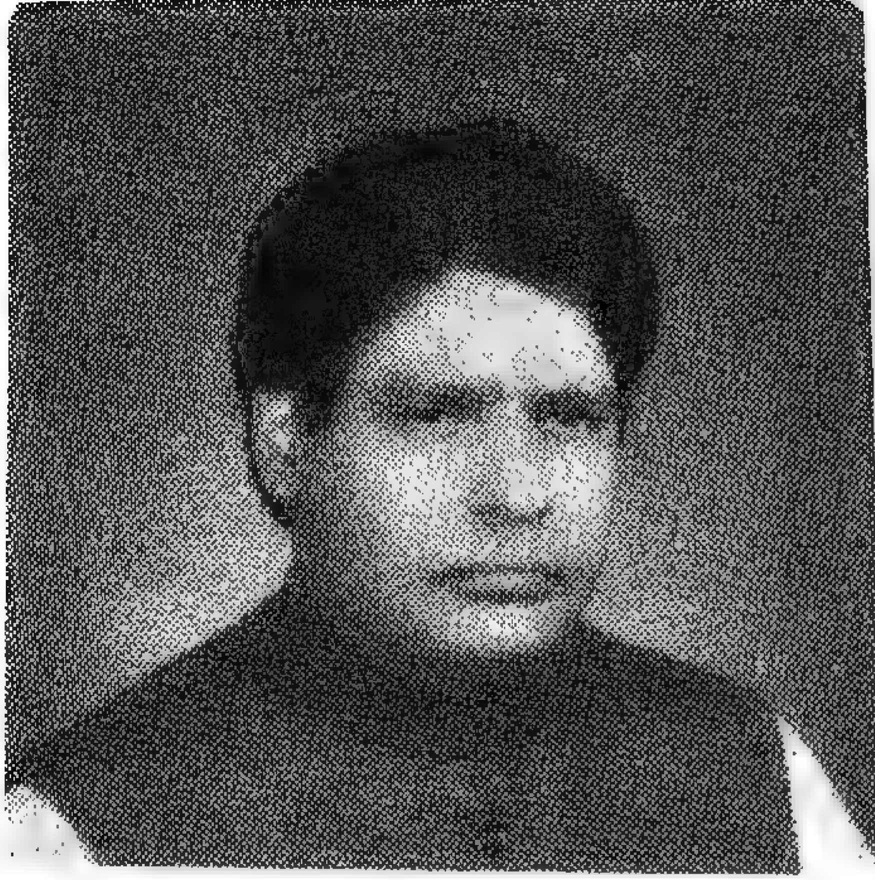
بدعنوانی کے بارے اخبارات میں تواتر سے خبریں شائع ہو رہی تھیں۔ انکوائری ٹیموں نے کئی بار تحقیقات کیں لیکن با اثر بدعنوان افسران نے تمام تحقیقات کو داخل دفتر کرا دیا۔ ان افراد کے خلاف پہلی بار آرٹلری میدان تھانے میں ایف آئی آر نمبر 114/2000 درج کرائی گئی۔ مراد علی شاہ 1994ء سے 1998ء تک مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں صوبائی وزیر خوراک وزراعت رہ چکے ہیں۔ وزارت کے دوران انہوں نے ساسو کے افسران کے ساتھ مل کر سرکاری خزانے سے کروڑوں کمائے اور لوٹی گئی دولت سے فیکٹری اور آئل مل قائم کی۔ انہوں نے بھاری کمیشن کے عوض ساسو کے بیشتر ٹھیکے اپنے منظور نظر ٹھیکیدار رحمت اللہ کو دیئے اور ملازمت پر پابندی کے باوجود رقم لے کر ملازمتیں فراہم کیں۔ آرمی مانیٹرنگ ٹیم نے ساسو کے سابق ایم ڈی امان اللہ پٹھان اور دیگر افسران کے خلاف تحقیقات کیں تو پتہ چلا کہ کروڑوں روپے کا جپسم اور بیج خریدا گیا۔ تاہم یہ کسانوں کو نہیں دیا گیا اور اس کا ذکر صرف کاغذات میں کیا گیا۔ ساسو کی تاریخ میں جتنے ٹھیکے دیئے گئے۔ وہ سب کے سب رحمت اللہ نے حاصل کیے۔ اس نے مراد علی شاہ سے مل کر کسی دوسرے ٹھیکیدار کو ٹھیکہ نہیں لینے دیا۔ ساسو کے اعلیٰ افسر امان اللہ پٹھان نے اپنے ہم زلف کی شادی پر اسے دس لاکھ روپے ساسو کے سرکاری اکاؤنٹ سے دیئے۔ مراد علی شاہ کو جب ان کی رہائش گاہ سے گرفتار کیا گیا تو وہاں شراب و شباب کی محفل سجی ہوئی تھی۔

خواجہ آصف

(سابق چیئرمین نج کاری کمیشن)

قومی احتساب بیورو نے سابق چیئرمین نج کاری کمیشن اور معزول وزیراعظم میاں نواز شریف کے دست راست خواجہ محمد آصف کے خلاف 2 ارب کی جائیداد اور بینک بیلنس بنانے، نج کاری میں مبینہ طور پر کروڑوں روپے کمیشن کھانے اور غیر قانونی دولت بیرونی ممالک منتقل کرنے کے الزامات کی تحقیقات مکمل کر لی ہیں۔ ہر سیاسی حکومت کی طرح نواز شریف نے بھی نج کاری میں اپنا حصہ رکھنے اور اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے اپنے اعتماد والے شخص کو اس کا چیئرمین بنایا۔ سابق چیئرمین مجلس شوریٰ اور بزرگ مسلم لیگی رہنما خواجہ محمد صفدر مرحوم کے صاحبزادے لاہور اور فیصل آباد کے سابق کمشنر خواجہ محمد نعیم کے برادر نسبتی اور سابق ڈائریکٹر اینٹی کرپشن پنجاب خواجہ صدیق اکبر کے کزن خواجہ آصف کو اکتوبر 99ء میں فوجی حکام نے حراست میں لیا تھا۔ سیالکوٹ کینٹ میں ایک ماہ محصور رکھنے کے بعد انہیں لاہور منتقل کر دیا گیا تھا۔ سیالکوٹ سے دوبار رکن اسمبلی منتخب ہونے والے خواجہ آصف گورنمنٹ کالج لاہور میں نواز شریف کے کلاس فیلو تھے۔ خواجہ آصف 1975ء میں یونائیٹڈ بینک میں افسر کے طور پر بھرتی

ہوئے۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے انہیں بینک میں ملازم کرایا۔ بعدازاں وہ ملازمت چھوڑ کر سیاست میں آ گئے۔ وہ بے نظیر حکومت میں 1993ء سے 1996ء تک اپوزیشن میں رہے اور پھر نواز حکومت میں دوبارہ رکن اسمبلی منتخب ہوئے۔ نواز شریف نے جب انہیں چیئرمین نج کاری کمیشن تعینات کیا تو انہوں نے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے ملکی خزانہ لوٹ کر اربوں روپے کمائے۔ ان پر الزام ہے کہ انہوں نے نج کاری کے دوران کروڑوں کی کمیشن حاصل کی۔ اس میں بیشتر حصہ اوپر تک پہنچایا اور اپنا حصہ دوبئی کے راستے بیرونی بینکوں میں منتقل کر دیا۔ خواجہ محمد آصف کے خلاف جن الزامات کی تحقیقات ہوئیں۔ ان میں جوہر ٹاؤن اور کیولری گراؤنڈ لاہور کے پلاٹ مالیت بالترتیب 55 اور 65 لاکھ روپے محمود غزنوی روڈ کینٹ سیالکوٹ میں وسیع وعریض بنگلہ رقبہ 5 کنال مالیت اڑھائی کروڑ روپے اور ڈیفنس لاہور میں 2 کنال کا بنگلہ ایک کروڑ 90 لاکھ سیالکوٹ ڈیری میں 10 کروڑ روپے سے زائد کا حصہ ہے۔ گھوٹکی کے قریب واقع معروف سپورٹس کمپنی' کارگو کمپنی اور پی ٹی سی ایل میں کروڑوں روپے کے شیئرز اور پارٹنرشپ ایم سی بی اور دیگر غیر ملکی بینکوں میں لاکھوں ڈالر' میرپور شوفیکٹری' کروڑوں روپے مالیت کے طلائی زیورات' ہیرے جواہرات اور قیمتی گاڑیاں اور نج کاری میں کروڑوں روپے کمیشن خصوصاً سیسل ہوٹل مری کو کوڑیوں کے بھاؤ کراچی کی ایک پارٹی کو نیلامی میں دے کر 3 کروڑ روپے کمیشن وصول کرنے کے الزامات شامل ہیں۔ واضح رہے کہ خواجہ آصف کے ڈیفنس میں واقع بنگلہ کی افتتاحی تقریب میں بیورو کریٹس کے علاوہ معروف تاجروں' صنعتکاروں اور برآمد کنندگان نے کثیر تعداد میں شرکت کی تھی جنہوں نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق بنگلہ کی آرائش زیبائش کیلئے بیش قیمت تحائف ان کی نظر کیئے۔



چودھری شیر علی و عامر شیر علی

(سابق رکن اسمبلی و میئر فیصل آباد)

چودھری شیر علی نواز شریف کے ابتدائی دور سے قریبی ساتھی شمار ہوتے رہے ہیں۔ نواز شریف وزیراعلیٰ تھے تو شیر علی کو انہوں نے فیصل آباد کا میئر بنا دیا۔ بعد میں انہیں قومی اسمبلی کیلئے مسلم لیگ کا ٹکٹ دیدیا۔ اس دوران انہوں نے اپنے بیٹے کو اپنی جگہ میئر منتخب کرالیا۔ میونسپل کارپوریشن فیصل آباد کا شمار ملک کی تیسری بڑی اور پنجاب کی دوسری بڑی میونسپل کارپوریشن کے طور پر ہوتا ہے۔ جس کا سال 1999-2000ء کیلئے منظورشدہ مالی بجٹ 75 کروڑ 36 لاکھ 24 ہزار روپے ہے۔ گزشتہ سال طویل وقفے کے بعد نواز حکومت نے پنجاب میں عوامی بلدیاتی انتخابات غیر جماعتی بنیادوں پر کرانے کا اعلان کیا لیکن اس کے برعکس ہر سیاسی جماعت نے ہر جگہ ایک مخصوص نام کے تحت گروپوں کی شکل میں پارٹی الیکشن لڑے۔ ان انتخابات کیلئے فیصل آباد میں بلدیاتی حلقوں کی تعداد 87 سے بڑھا کر 140 کر دی گئی اور مسلم لیگ کیلئے میئر گروپ کا بینر منتخب کیا گیا۔ فیصل آباد میں مسلم لیگ کے سرخیل چودھری شیر علی تھے شیر علی کے اثرورسوخ میں نواز شریف خاندان سے قریبی رشتے داری کا بھی بڑا عمل دخل تھا۔

چودھری شیر علی 2 مرتبہ میئر فیصل آباد رہ چکے تھے اور میونسپل کارپوریشن میں کمائی کے ناصرف تمام خفیہ گوشوں سے واقف تھے بلکہ نئے طریقے ایجاد کرنے کے بھی ماہر تھے۔ ان ہی دنوں غلام حیدر وائیں مرحوم نے دوہری رکنیت کا قانون نافذ کر دیا اور شیر علی میونسپل کارپوریشن کی طلسماتی کان اپنے تئیں محفوظ اور تابعدار ہاتھوں میں سونپ کر خود میئر شپ سے مستعفی ہو گئے مگر ہاتھ بدل گئے اور شیر علی کو میئر شپ مہنگی پڑی۔ اس بار بلدیاتی انتخابات کا موقع آیا تو ان کے ارکان دوبارہ بیدار ہوئے مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ اس بار بھی رکن قومی اسمبلی تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے بیٹے کو میئر بنانے کا منصوبہ بنایا اور جوان کے کیمپ میں آیا۔ وہ میئر گروپ کا امیدوار کہلایا جس کا بعدازاں شیر علی کے بیٹے عامر شیر علی کیلئے ہاتھ کھڑا کرنا شرط تھا اور یوں عامر شیر علی میئر بن گیا۔ اسے ہاؤس میں بہت بھاری اکثریت حاصل تھی۔ عامر شیر علی پابند صوم وصلوٰۃ اور 26 سالہ ناتجربہ کار نوجوان ہے۔ اس کے مذہبی رجحان کو دیکھتے ہوئے شہریوں کا تاثر تھا کہ وہ شہر کی بھلائی کی خاطر سوچے گا اور میونسپل کارپوریشن سے سدابہار کرپشن کا خاتمہ ہو گا مگر وقت نے ثابت کیا کہ عامر شیر علی محض ڈمی میئر ہے' جس کی ڈوریں سابق گھاگ میئر کے ہاتھ میں ہیں اور پہلے دن سے ہی کرپشن کا شور بلند ہونا شروع ہو گیا۔ میونسپل ایوان میں انتہائی بھاری اکثریت حاصل کرنے کے بعد میئر گروپ کے سربراہ شیر علی نے اس مختصر سے سفر میں اپنے خلاف اختلافی آواز پیدا کرنے والوں کو سبق سکھانے کی ٹھانی اور چند روز بعد ہی میئر گروپ کی مختصر سی زندگی میں مخالفت کرنے والے کونسلرز کے اخراج کا اعلان جاری کر دیا۔ ان پر الزام تھا کہ وہ شہر کے ترقیاتی کاموں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں۔ یہ الگ بات تھی کہ اس وقت تک ترقیاتی کاموں کا آغاز ہی نہ ہوا تھا' نکالے جانے والوں میں سے رانا زاہد محمود خود میئر شپ کا امیدوار تھا اور صوبائی کمان نے کسی حد تک اسے حمایت کا یقین بھی دلایا تھا کہ شیر علی کی رشتے داری آڑے آئی۔ عامر شیر گجر شیر علی کے قریب ترین ساتھی اصغر علی بھوالا گجر کا کزن تھا مگر شیر علی نے اسے بلدیاتی ٹکٹ نہ دیا' جس پر اس نے آزاد حیثیت سے شیر علی کے ذاتی حلقے سے کامیابی حاصل کی۔

ڈاکٹر خالد بلوچ کو جنرل الیکشن میں پی پی میں اس کے والد انور بلوچ سے لڑا کر ٹکٹ کٹوائی پھر ڈپٹی میئر بنانے کا جھانسہ دیا مگر کسی اور کو بنا دیا' جس پر ڈاکٹر خالد بلوچ کی شیر علی کے ساتھ تلخ کلامی ہوئی۔ قمر الزمان اعوان کی بھی ٹکٹ کٹوا دی گئی اور شیر علی اسے بھی ڈپٹی میئر نہیں بنانا چاہتے تھے کیونکہ وہ سیاسی طور پر ان کے بیٹے سے کئی گنا سمجھدار تھا۔ رانا شوکت علی کے شیر علی کے سابق قریبی ساتھی اصغر علی بھوالا سے انتہائی قریبی تعلقات تھے جو اس نے شیر علی اور بھوالا گجر کی ان بن کے بعد بھی جاری رکھے۔ ان کونسلروں نے میئر گروپ سے اپنے اخراج کے بعد میونسپل ایوان میں شہباز گروپ بنا لیا اور اعلان کیا کہ وہ کارپوریشن سے کرپشن ختم کریں گے اور ایسا کرنے والے کی ہر سطح پر مخالفت کریں گے تاکہ شہریوں کے فنڈز اور ان کے حقوق کو لٹیروں کی دست برد سے بچایا جا سکے۔ یوں تو حزب اختلاف کا کردار پیپلز پارٹی کے عوامی گروپ کے پاس تھا مگر ان کے بعض ارکان پر میئر گروپ کی نوازشات نے ان کی کارکردگی ڈھیلی کر رکھی تھی۔ رانا زاہد محمود کا دعویٰ ہے کہ پارسا اور غازی میئر عامر علی کے 8 ماہ کے مختصر عرصہ میں میونسپل کارپوریشن کے فنڈز میں تقریباً 25 کروڑ روپے کی خورد برد کی گئی۔ یہ وہ کرپشن ہے جسے اعداد و شمار عقل اور دلیل سے ثابت کیا جا سکتا ہے اور اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ماضی میں میئر گروپ کے سربراہ خاندان نے کیا کچھ نہ کیا ہو گا۔ شہباز گروپ مقبولیت حاصل کرنے لگا تو میئر گروپ نے کونسلروں کا بھتہ مقرر کر دیا بعض کونسلروں کو 5 ہزار بعض کو 7 اور بعض کو 10 ہزار روپے تک جبکہ کچھ ڈپٹی میئرز کو 15 ہزار روپے ماہانہ بھتے کے الزامات ایوان میں گونجنے لگے ایک رپورٹ کے مطابق 124 میں سے 80 کونسلر اور 7 میں سے 5 ڈپٹی میئر بھتہ خور تھے جبکہ بعض کونسلرز کو مختلف ٹھیکے دے کر رام کر لیا گیا۔ میونسپل کارپوریشن فیصل آباد میں 8 ماہ کے سابقہ جمہوری دور کے دوران جو کرپشن منظر عام پر آ سکی اس میں ایک ایسے سپرنٹنڈنٹ کی بحالی ہے جسے میاں نواز شریف نے برسراقتدار آنے کے بعد دورہ فیصل آباد کے موقع پر معطل کر دیا اور اس کے لیے شیر علی نے شکایت کی تھی مگر بیٹے کے میئر بنتے ہی ارشد چٹا سپرنٹنڈنٹ کو بحال کر کے اسے 3

سب سے اہم شعبوں کا بیک وقت انچارج بنا دیا گیا۔ یہ شعبے چونگیات' سٹریٹ لائٹ اور انجینئرنگ کے ہیں۔ اسی طرح ریٹائرڈ سٹور انچارج جو ریٹائرمنٹ لے چکا تھا اسے واپس بلا لیا گیا کہ اس کی تاریخ پیدائش غلط لکھی گئی تھی ورنہ ابھی اس کے ریٹائر ہونے کی عمر نہیں ہوئی تھی۔ اسے دوبارہ سٹور کا انچارج بنا دیا گیا۔

ارشد چٹا کو میئر عامر شیر علی نے چونگیات کا انچارج بنا دیا جسے اس کے والد کی شکایت پر وزیراعظم نواز شریف نے معطل کیا تھا۔ رانا زاہد محمود نے ہاؤس کے فلور پر کھڑے ہو کر چونگیات میں ہونے والی کرپشن کی نشاندہی کی' جس کے مطابق ارشد چٹا 2 لاکھ روپے روزانہ بھتہ میئر کو دیتا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق چونگیات سے روزانہ 4 لاکھ روپے خورد برد کیے جاتے تھے۔ اس الزام کا ثبوت وہ آڈٹ رپورٹ ہے جس میں چونگیات کی آمدنی میں 8 کروڑ روپے کی کمی کی رپورٹ دی گئی۔ اس رپورٹ کے باوجود چونگیات کے انچارج کو تبدیل نہیں کیا گیا اور سوئم یہ کہ خدمت کمیٹی جھنگ روڈ کی چونگی دینے والے کو اصل رقم کی رسید دے کر اصل رسید پر کم رقم درج کی جاتی تھی۔ میئر عامر علی کے دور میں جتنا عرصہ چونگیات قائم رہیں ان کی ماہانہ آمدنی گزشتہ سال کے مہینوں سے ایک کروڑ روپیہ ماہانہ سے زائد کم ہوتی رہی۔ میونسپل قوانین کے تحت چونگی دیئے بغیر شہر میں آ جانے والی گاڑی سے 11 گنا زیادہ محصول وصول کیا جاتا ہے مگر ان 8 ماہ میں میونسپل کارپوریشن کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ایک بھی گاڑی نہیں پکڑی گئی جو بالکل انہونی بات ہے۔

میئر عامر شیر علی نے ایوان میں 30 کروڑ کا سالانہ ترقیاتی پروگرام پیش کر کے منظوری حاصل کر لی مگر کمشنر کو بھجوانے سے قبل اس میں اپنی مرضی سے ترامیم کرا لیں اور اس طرح دو طرفہ دھوکہ دہی سے اپنا کام نکلوا لیا۔ دونوں کارروائیاں ریکارڈ پر موجود ہیں۔ شہباز گروپ کے ارکان اس فراڈ پر احتجاج کرتے رہے اور نواز شریف کا رشتے دار میئر مسکرا کر تمام الزامات ہوا میں اڑاتا رہا۔ شہباز گروپ نے اس سلسلے میں ہائیکورٹ سے رجوع کیا تو ساری اے ڈی پی منسوخ کر دی گئی۔ تین کروڑ کے ٹینڈر

طلب کیے گئے مگر اصل کام ٹینڈر وصول ہونے سے پہلے ہی بانٹ دیئے گئے۔ سڑکوں کے ٹھیکوں میں دس فیصد اور گلیوں کے سولنگ کے ٹھیکوں میں سات فیصد کی شرح سے کمیشن وصول کی گئی۔ اور ٹینڈر کھلنے سے پہلے ہی پچاس فیصد کام شروع کر دیے گئے۔ معاملہ ایک بار پھر ہائیکورٹ میں گیا تو کمشنر کی سربراہی میں کمیشن مقرر کر دیا گیا جس نے الزامات کی تصدیق کی اور رپورٹ کی روشنی میں تمام ٹینڈر منسوخ کر دیئے۔ ان کاموں کی مالیت اور وصول کیے جانے والے کمیشن کی مجموعی مالیت ایک کروڑ دس لاکھ روپے بنتی ہے۔ جن ٹھیکیداروں نے کمیشن دے کر ٹھیکے حاصل کیلئے ان کی ایڈوانس جمع کرائی گئی رقم بھی ڈوب گئی۔ غلام رسول طویل عرصہ تک سٹور کا انچارج رہا تھا اور ہیر پھیر میں وسیع تجربہ رکھتا تھا۔ یہ شخص چودھری شیر علی کے ہر الیکشن میں ادائیگیوں کا انچارج ہوتا اور تمام رقومات کارپوریشن کے خزانے سے نکلواتا ریٹائرمنٹ کے بعد اسے دوبارہ بحال کرایا گیا اور اس سے چار بڑے کام کروائے گئے۔

1- سابق ایڈمنسٹریٹر دور میں خریدی گئی 26 لاکھ روپے کی سٹریٹ لائٹس خورد برد کی گئیں۔

2- سابقہ چار ماہ کی تاریخوں میں مرمت کی مد میں چالیس لاکھ اور پٹرول کی مد میں 86 لاکھ روپے کے بوگس بل کلیئر کرائے گئے حالانکہ تمام گاڑیوں کی مالیت بھی اتنی نہیں جتنا چار ماہ میں ان کی مرمت اور پٹرول پر خرچ ہوا۔

3- کارپوریشن کا ملکیتی سوزوکی کیری ڈبہ غائب کر دیا گیا۔ اطلاعات کے مطابق یہ ڈبہ میئر کے ایک رشتہ دار کو گفٹ کر دیا گیا ہے۔

4- کارپوریشن کے سٹور میں موجود لگ بھگ کروڑ روپے مالیتی پرانی گاڑیاں اور سکریپ صرف 24 ہزار روپے میں منظور نظر افراد کو بوگس بولی کے ذریعے بخش دیا گیا۔ میونسپل کارپوریشن کے سینٹری سٹاف میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو باہر کسی جگہ پرائیویٹ ملازمت نہ کرتا ہو۔ اکثریت کارپوریشن کی ڈیوٹی تو کرتی ہی نہیں۔ اس کام چوری کے عوض گارڈن برانچ اور سینٹری برانچ کے ملازمین کو ہر ماہ تین سو

روپے آدھے کام کی چوری اور 500 روپے پورے کام کی چوری کے عوض ادا کرنا پڑتے جو کئی حصوں میں میئر تک پہنچتے۔ اس دوران غازی مشہور عامر شیر علی کی شادی کی ویڈیو فلم بھی کسی طرح اخبارات تک پہنچ گئی۔ اس فلم میں ایم این اے باپ اور میئر بیٹا طوائفوں پر نوٹ نچھاور کرتے اور ان کے ساتھ مستیاں کرتے دکھائے گئے۔

مختلف ٹھیکوں میں کمیشن کھانے اور بدعنوانی کے الزامات کے تحت چودھری شیر علی کو جیل میں رہنا پڑا تو انہیں صعوبتوں کا بھی علم ہوا۔ ایک بار چودھری شیر علی پر دل کا دورہ پڑا تاہم وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ گرمی کے شروع میں جیل حکام نے زبردستی چودھری شیر علی کی ٹنڈ کرادی۔ نواز شریف کے ابتدائی سیاسی دور سے ان کے ساتھ ساتھ ترقی کرنے والا شیر علی آج جیل میں ہے۔ احتساب بیورو نے کئی مقدمات تیار کر رکھے ہیں جن میں انہیں لمبی سزا ہونے کا امکان ہے۔



اسحاق ڈار

(سابق وزیر خزانہ کے کارنامے)

باخبر حلقوں میں اسحاق ڈار کا نام 1990ء کے بعد لاہور چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے نائب صدر کے طور پر سامنے آنے لگا' بعد میں اسحاق ڈار ایوان صنعت و تجارت لاہور کے صدر بن گئے۔ اسی دوران ان کی میاں نواز شریف سے قربت میں اضافہ ہوگیا۔ بعض لوگوں کے مطابق اسحاق ڈار گورنمنٹ کالج لاہور میں میاں نواز شریف کے کلاس فیلو تھے۔ میاں نواز شریف نے اپنی پہلی حکومت کی برطرفی کے فوراً بعد اپنی ٹیم بدلنے کا فیصلہ کرلیا' جس کے نتیجے میں کئی خدمات انجام دینے والے اسحاق ڈار کو وزیر تجارت بنایا گیا۔ تاہم سرتاج عزیز پر بعض اعتراضات کے بعد اسحاق ڈار کو وزیر خزانہ بنا دیا گیا۔ اسحاق ڈار کو کمپنی زون تھری کے ایڈیشنل کمشنر مبین ملک کی طرف سے ان کی مختلف کمپنیوں' ہجویری مضاربہ' ہجویری مینجمنٹ کمیٹی پر سٹیج الیکٹرونک ہجویری ہولنگ' مارٹل ٹیکسٹائل' کور کیمیکلز' گلف انشورنس اور دوسری کمپنیاں شامل ہیں۔ ان پر انکم ٹیکس مد میں 16 کروڑ 40 لاکھ 30 ہزار 167 روپے ٹیکس لگایا گیا۔ وزیر خزانہ اس پر ناراض ہوئے اور اس پاداش میں مبین ملک کو کھڈے لائن لگا کر چارج شیٹ کر دیا۔ اسحاق ڈار نے نواز شریف کی تھپکی سے دوسرے کئی افسروں کو بھی نواز شریف خاندان

کے اداروں پر ٹیکس عائد کرنے کی پاداش میں جبری ریٹائرمنٹ پر گھروں کو بھیج دیا۔ ان میں کمشنر انکم ٹیکس سعد اللہ خان کمپنی زون 1 کمشنر انکم ٹیکس شوکت علی بابر زون ٹو لاہور۔ حمید انکم ٹیکس ٹربیونل اور دوسرے کئی افسر شامل تھے۔

اسحاق ڈار اور ان کے ساتھی مالیاتی ماہرین کا ایک کارنامہ ایسا ہے کہ جس کی سزا بڑی سے بڑی ہوسکتی ہے۔ پاکستان پر 40 ارب ڈالر کے لگ بھگ غیر ملکی قرضے ہیں۔ نواز شریف دور میں آئی ایم ایف اور عالمی بینک کے حکام نے تیسری دنیا کے ممالک کے طویل عرصے سے کئے جانے والے مطالبے کے پیش نظر چند ممالک کے قرضے معاف کرنے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان کی اس وقت کریڈٹ ریٹنگ منفی سی تھی۔ اسحاق ڈار اور ان کی مالیاتی ٹیم نے کچھ ایسا چکر چلایا کہ ملکی سٹاک مارکیٹ میں یکدم تیزی آ گئی اور معاشی صورتحال بہتر نظر آنے لگی۔ جس سے پاکستان کی کریڈٹ ریٹنگ منفی سی سے منفی بی ہوگئی اور پاکستان جس کے قرضے معاف ہونے والے تھے۔ اس کی اچھی معاشی حالت دیکھ کر عالمی اداروں نے قرضے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ عالمی اداروں کے انکار کے فورا بعد سٹاک مارکیٹ کو سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پھر کمزور کر دیا گیا اور پاکستان کی کریڈٹ ریٹنگ پھر منفی سی ہوگئی۔ اس طرح نواز شریف حکومت کی مالیاتی ٹیم نے اسحاق ڈار کی قیادت میں جانے کس کے کہنے پر اور کیوں یہ کھیل رچایا اور پاکستان جس کا آدھا بجٹ قرضوں کی ادائیگی کی قسط اور اس کے سود پر خرچ ہو جاتا ہے۔ قرضوں سے نجات حاصل نہ کر سکا۔

اسحاق ڈار پر ایک اور سنگین الزام جو عالمی مالیاتی اداروں کی جانب سے لگایا گیا وہ یہ ہے کہ انہوں نے غلط اعداد و شمار فراہم کر کے آئی ایم ایف سے 28 کروڑ ڈالر کا قرض حاصل کیا۔ اس جعلسازی کے انکشاف پر جنرل پرویز مشرف کی حکومت کو آئی ایم ایف سے معذرت کرنا پڑی اور سابقہ حکومت کی جانب سے حاصل کردہ یہ قرضہ واپس کرنے کا اعلان کر کے پاکستان کو جان چھڑانا پڑی۔

اسحاق ڈار کو نواز شریف نے جس طرح اپنی صنعتی ایمپائر کی ہر طریقے سے ترقی کیلئے

استعمال کیا۔ اسی طرح عددی ہیر پھیر میں ماہر اسحاق ڈار نے عالمی مالیاتی اداروں کو بھی دھوکہ دینے کا عمل جاری رکھا۔ پاکستان جو پہلے ہی بیرونی ممالک میں کرپشن کے باعث کافی بدنام تھا۔ حکومتی سطح پر دھوکہ اور جعلسازی کے باعث مزید قابل مذمت ٹھہرا۔ دنیا بھر کے اقتصادی ماہرین نے ان کارروائیوں کی مذمت کی۔



سیف الرحمٰن

(ریڈکو جاسوس)

1997ء کے عام انتخابات سے قبل اچانک سڑکوں پر نواز شریف کی حمایت میں لکھے گئے بینرز نظر آنے لگے۔ ان بینرز کے نیچے سیف الرحمٰن کا نام لکھا ہوا تھا' کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ کون شخص ہے' پھر نواز شریف کے ساتھ اہم اجلاسوں میں سیف الرحمٰن نظر آنے لگا۔ سیف الرحمٰن کے بقول ان کا سارا کاروبار پاکستان سے باہر ہے۔ یہ شخص پہلے دن سے ہی پر اسرار رہا یا رکھا گیا۔ نواز شریف نے اسے آصف زرداری کے خفیہ اثاثوں اور لوٹ مار کا کھوج لگانے کا ہدف دیا۔ بعدازاں نواز شریف حکومت نے احتساب ڈرامہ شروع کیا تو سیف الرحمٰن کو اس کا سربراہ بنا دیا۔ بطور چیئرمین احتساب بیورو، سیف الرحمٰن نے جہاں اپوزیشن رہنماؤں کو بلیک میل کرنا شروع کیا۔ وہاں ان کی اپنی جماعت مسلم لیگ کے رہنما بھی ان کی جاسوسی سے تنگ تھے۔ وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین نے کئی بار وزیراعظم نواز شریف سے شکایت کی کہ سیف الرحمٰن ان کی وزارت کے معاملات میں دخل اندازی کر رہا ہے۔ سیف الرحمٰن نے جلد ہی اپنے بھائی مجیب الرحمٰن کو بھی ایک نفع بخش عہدے پر مقرر کرا لیا۔ مجیب الرحمٰن نے پاکستان کرکٹ

بورڈ کے چیئرمین کے طور پر سٹہ بازی کی تحقیقات کے نام پر کرکٹ ٹیم کے کھلاڑیوں سے کروڑوں روپے اکٹھے کیے۔ ایٹمی دھماکوں کے بعد بجٹ میں لگژری کاروں پر درآمدی ڈیوٹی 325 فیصد سے 200 گنا کم کر کے 125 فیصد کر دی گئی پھر ایک ہفتہ بعد بحال کی گئی اس دوران نواز شریف کے دست راست سیف الرحمٰن نے 80 بی ایم ڈبلیو کاریں منگوائیں اور نہ صرف قومی خزانے کو کروڑوں کا نقصان پہنچایا بلکہ ان کی رجسٹریشن میں بھی ٹیکس نہ دے کر کروڑوں روپے کمائے۔

احتسابی ڈرامے کے انچارج سیف الرحمٰن کی ریڈکو کمپنی نے یو بی ایل کے 97 کروڑ روپے قرض سے یکسر انکار کر دیا اور ایسے کسی قرضے کی موجودگی کی تردید کی تاہم پرویز مشرف حکومت آتے ہی ریڈکو نا صرف یہ مان گئی کہ کمپنی نے یہ قرض حاصل کیا تھا بلکہ اسے فوری طور پر اور یکمشت ادا کرنے پر بھی تیار ہوگئی۔ وزیراعظم ہاؤسنگ پراجیکٹ ''میرا گھر سکیم'' کے تحت ملک میں دس ہزار مکانات کی تعمیر کا ٹھیکہ صرف 3 ارب روپے میں ریڈکو کو دیدیا گیا جسے سیف الرحمٰن نے ایک غیر ملکی کمپنی کو آگے 21 ارب میں دے کر بیٹھے بٹھائے 18 ارب روپے کما لیے۔

ایٹمی دھماکوں کے بعد صدر مملکت نے ملک بھر میں ایمرجنسی نافذ کرنے کا اعلان کر دیا اور فوری طور پر فارن کرنسی اکاؤنٹس منجمد کر دیئے گئے۔ یہ فیصلہ وزیراعظم نواز شریف اور ان کی کچن کیبنٹ نے کیا۔ ان لوگوں نے خفیہ معلومات فوری طور پر اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو فراہم کر دیں' جس پر سینیٹر سیف الرحمٰن کے بھائی مجیب الرحمٰن نے 600 ملین ڈالر نکلوا کر بیرون ملک منتقل کر دیئے۔ بعدازاں وزیر تجارت اسحاق ڈار اور گورنر سٹیٹ بینک ڈاکٹر یعقوب نے اس کی تصدیق بھی کر دی۔

خاتون رہنماؤں کی کرپشن

جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کی بعض خاتون رہنماؤں کے خلاف اختیارات کے ناجائز استعمال' کرپشن اور قومی خزانے کو نقصان پہنچانے کے معاملات قومی احتساب بیورو کو بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان خواتین میں مسلم لیگ کی تہمینہ دولتانہ' سیدہ عابدہ حسین' نجمہ حمید' عشرت اشرف' راحیلہ عیسیٰ' نسیم لودھی' میمونہ شاہین جبکہ پیپلز پارٹی کی بیگم ریحانہ سرور' شہناز وزیر علی' شہناز جاوید' نرگس اعوان' نرگس خان اور ناہید خان شامل ہیں۔

نیب کے حکم پر ان خواتین میں سے بعض کی گرفتاری کے امکانات بھی ہیں۔ مسلم لیگ شعبہ خواتین پنجاب کی جنرل سیکرٹری نسیم لودھی کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے عوام کے نام سے این جی او کے دفتر کا جو پتہ دیا تھا وہاں پر کسی تنظیم کا کوئی دفتر موجود نہیں ہے۔ میاں نواز شریف کے پہلے دور اقتدار میں نسیم لودھی نے کلثوم نواز سے اس تنظیم کیلئے سوزوکی گاڑی خریدنے کے نام پر ایک لاکھ روپیہ حاصل کیا۔ متعدد غریب لوگوں کے شناختی کارڈوں پر 5 مرلے کے حاصل کردہ پلاٹ اپنے نام لگوالیے۔ تہمینہ دولتانہ پر اپنی وزارت کے دوران کروڑوں کی کرپشن کرنے کے علاوہ حدود کیس بھی ہے۔

بیگم عشرت اشرف پر ناجائز کاموں کے ذریعے پیسے کمانے اور مختلف ممالک کے وزیروں کے ذریعے مال بنانے کے الزامات ہیں۔ راحیلہ عیسیٰ کلثوم نواز کی پرنسپل سیکرٹری تھیں۔ ان پر وفاقی سیکرٹریٹ میں جا کر ناجائز کام کرانے اور پیسے بنانے کے علاوہ حکومتی پیسے سے اپنے بھائی کو بیرون ملک کاروبار کرانے کا الزام بھی ہے۔ نجمہ حمید پر اپنی

منہ بولی بہن کلثوم نواز کے نام سے ناجائز کام کروا کر پیسے کمانے اور بدعنوانیوں کے الزامات ہیں۔ سیکرٹری جنرل لاہور مسلم لیگ شعبہ خواتین میمونہ شاہین نے کلثوم نواز کی سفارش سے ایک سکول کے نام پر قرضہ لیا لیکن وہاں سکول کی بجائے دوسرا دھندا ہوتا ہے۔ میمونہ شاہین نے اپنے کیری ڈبہ پر چیئر مین کی پلیٹ لگائی ہوئی تھی۔ اور غریبوں کی بستیوں میں جا کر غریب خواتین کو تین تین سو روپے دے کر انھیں جلسے جلوسوں میں لاتی تھیں۔ جس کی وجہ سے جون 2000ء میں مسلم لیگ ہاؤس کے باہر سے مظاہرہ کرنے کے الزام میں کئی گھریلو عورتیں گرفتار ہوئیں۔ بعض ذرائع کے مطابق ان میں تین خواتین کے شوہروں نے انھیں طلاق دیدی۔ بیگم ریحانہ سرور پر الزام ہے کہ انھوں نے وزیر بہبود آبادی کی حیثیت سے کمیشن لے کر بے شمار قرضے جاری کئے اور بینظیر بھٹو کے ذاتی دستخطوں کے ذریعے صاحب حیثیت لوگوں کے جائز و ناجائز کام کرائے اور مال بنایا۔ ہلال احمر کی چیئر پرسن کی حیثیت سے سائیکلیں دینے کے بہانے غریبوں کے نام پر پیسہ کمایا۔

بیگم شہناز وزیر علی بینظیر بھٹو کے دور حکومت کی وہ وزیر تھیں۔ جو تمام غیر ملکی سفارتخانوں میں جاتیں اور بینظیر کے دورے طے کراتیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے تعلیمی شعبے کے لئے ہزاروں مختلف ناموں پر بے شمار قرضے حاصل کئے ان میں کوئی منصوبہ عملی شکل میں موجود نہیں ہے۔ ان کے مہربانوں میں چوہدری اعتزاز احسن اور سلمان تاثیر بھی موجود تھے۔ بینظیر بھٹو دور کی سب سے طاقتور عورت ناہید خان جوان کی پرنسپل سیکرٹری بھی تھیں۔ ہر کام کرانے کا کمیشن لیتی تھیں۔ کمیشن کی عادت میں وہ اتنی پختہ تھیں کہ بینظیر بھٹو سے پارٹی رہنماؤں کو ملوانے کے لیے ہر منٹ کے دو ہزار روپے مقرر تھے۔ ناہید خان اس وقت کروڑ پتی بن چکی ہیں۔ پیپلز پارٹی کی ایک بی کلاس لیڈر نرگس خان ہیں جنھوں نے ایل ڈی اے یونین کے صدر کے ساتھ مل کر جوہر ٹاؤن میں پلاٹوں پر قبضہ کیا۔ جبکہ پلاٹ بیوہ خواتین کے نام پر الاٹ کئے گئے تھے۔ نرگس خان نے بعد ازاں یہ پلاٹ مہنگے داموں فروخت کر کے کافی مال کمایا۔

حاکم علی زرداری

سابق وزیراعظم بے نظیر کے سسر اور سابق چیئرمین پبلک اکاؤنٹس کمیٹی حاکم علی زرداری کے پاس نواب شاہ میں چند ایکڑ قابل کاشت اراضی تھی جسے فروخت کر کے انہوں نے کراچی میں سینما بنوالیا۔ اس دور میں ذوالفقار علی بھٹو کی قربت حاصل کرنے کے لیے حاکم علی زرداری نے اپنے سینما کا افتتاح بیگم نصرت بھٹو سے کرایا پھر آہستہ آہستہ بھٹو کے قریب ہوتے گئے۔ 1970 میں انہیں قومی اسمبلی کے لیے پیپلز پارٹی کا ٹکٹ ملا اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔ یہاں سے زرداری خاندان کی خوشحالی اور قومی سطح پر کرپشن کا آغاز ہوا۔ 1977ء میں بدعنوانی کے الزامات کے باعث بھٹو نے انہیں پارٹی ٹکٹ سے محروم کر دیا۔ پیپلز پارٹی کے ذرائع کے مطابق بھٹو دور میں دھوکہ دہی سے قرضے لینے اور دیگر بدعنوانیوں کے الزام میں سات سال کیلئے حاکم علی زرداری کو سیاست سے الگ ہونا پڑا۔ 85ء کے انتخابات میں جب حاکم علی زرداری کو شکست نظر آنے لگی تو آصف زرداری نے گولی چلادی اور بیلٹ بکس اٹھا کر بھاگ گئے۔ اس دور میں اکثر باپ بیٹے کے درمیان لڑائی جھگڑے کے واقعات منظر عام پر آتے رہے۔ پہلا واضح اختلاف حاکم علی زرداری کی تیسری شادی کے موقع پر سامنے آیا۔ حاکم علی زرداری کی تیسری شادی کیمبرج کی تعلیم یافتہ تمی نامی خاتون سے ہوئی۔ وہ زیڈ اے بخاری کی بھتیجی تھی جو آل انڈیا ریڈیو کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آصف زرداری نے اس شادی کی مخالفت کی' حاکم علی زرداری نے 77ء میں جو اثاثے ظاہر کیے تھے' ان کے مطابق نواب شاہ میں ان کے مکان کی مالیت 10 ہزار روپے اور بیوی کے بنگلے کی مالیت 60 ہزار روپے تھی دیگر اثاثے ملا کر ان کے اثاثوں کی ملکیت 10 لاکھ روپے تھی'

اس وقت اس خاندان کی ملکیت میں کل زرعی زمین 189 ایکڑ تھی۔ حاکم علی زرداری کے پہلی بار ایم این اے منتخب ہونے کے بعد کچھ ہی عرصے کے بعد ان کے اثاثوں کی مالیت 20 لاکھ اور زرعی اراضی 340 ایکڑ ہوگئی۔ اس کے بعد مختصر عرصے میں اس خاندان کا شمار امیر ترین خاندانوں میں ہونے لگا۔ 88ء سے 90ء کے دوران جب غلام مصطفیٰ جتوئی قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف تھے تو انہوں نے ایوان میں زرداری خاندان کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے صرف ایک دن میں 12 کروڑ کے بیئرر سرٹیفکیٹ ملک سے باہر بھجوائے' حاکم علی زرداری کو برطانوی ٹیکس حکام نے اس وقت گرفتار کر لیا تھا جب وہ فرضی نام سے ایک بینک میں 40 ہزار پاؤنڈ جمع کرانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ اسی برس وہ برطانوی بینکوں میں 400 ملین پاؤنڈ اسٹرلنگ کی خطیر رقم جمع کرا چکے تھے۔ بے نظیر بھٹو کی حکومت سے قبل حاکم علی زرداری سندھ ایگریکلچر سیڈ کارپوریشن کے 70 لاکھ اور نیشنل بینک کے 50 لاکھ کے مقروض تھے یہ قرضے بے نظیر دور میں ختم ہو گئے۔

بے نظیر کی اقربا پروری کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنے سسر حاکم علی زرداری کو پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کا چیئرمین بنا دیا حالانکہ پبلک اکاؤنٹس کمیٹی ایک مقدس اور مستند ادارہ ہے۔ جس کے اراکین اور چیئرمین ایسے ارکان پارلیمنٹ ہوتے ہیں' جن کی شہرت داغدار نہ ہو اور ان کے ذاتی تجارتی مفادات نہ ہوں جبکہ حاکم زرداری اس ضمن میں ایک متنازعہ شخصیت ثابت ہوئے اور ان کے بارے میں کرپشن اور بدعنوانیوں کی کئی کہانیاں زبان زد عام تھیں۔ بایں ہمہ پاکستان کے مالیاتی ہیکل اساسی کو حاکم علی زرداری کے مفادات کے تابع کر دیا گیا' حاکم علی زرداری کی زر پرستی کا یہ عالم ہے کہ وہ بے نظیر حکومت کی برطرفی کے بعد تک سرکاری رہائش کا صرف 13 ہزار 3 سو 59 روپے کرایہ جمع نہ کرا سکے لارنس گورے نے اپنی کتاب ''بے نظیر نقاب کا دوسرا رخ'' میں لکھا ہے کہ بے نظیر کے اقتدار سے کس نے فائدہ اٹھایا تو وہ ان کے شوہر آصف زرداری اور سسر حاکم علی زرداری تھے یہ لوگ بااثر سیاستدان اور کروڑ پتی بن گئے۔



ناہید ''باجی''

پیپلز پارٹی میں باجی کے طور پر یاد کی جانے والی ناہید خان لگ بھگ بینظیر کی ہم عمر ہیں۔ راولپنڈی سے تعلق رکھنے والی یہ عام سی عورت کئی کہانیوں اور گھپلوں کی خالق ہے۔ ناہید خان شادی شدہ ہیں۔ بینظیر بھٹو اپنی عملی سیاسی زندگی کے پہلے دن سے انھیں ساتھ رکھے ہوئے ہیں۔ ناہید خان کی پارٹی میں مضبوط پوزیشن کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پارٹی میں موجود مختلف گروپ ناہید خان کی خوشنودی حاصل کرنے کی دوڑ میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے میں مصروف رہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ناہید خان جس پر مہربان ہو جائیں۔ بینظیر بھی اس پر مہربان ہو جاتی ہیں۔ بینظیر کے دور میں ناہید خان نے ایک پبلک سکول کے نام پر اسلام آباد میں پلاٹ الاٹ کرایا۔ واحد پبلک سکول جانے کس زمین پر بنایا گیا جبکہ یہ پلاٹ دولت بنانے کا ذریعہ ضرور بنا۔ 1993ء میں ناہید خان نے پنجاب کے تمام پارٹی زونل سربراہوں کو ایک چھٹی ارسال کی کہ ہر صوبائی حلقے سے گریجوایشن اور اس سے اعلیٰ تعلیم کے حامل 25 بیروزگار نوجوانوں کے نام ارسال کریں تا کہ ان کی ملازمت کا سرکاری طور پر بندوبست

کیا جا سکے۔ اتفاق سے ان دنوں میں کسی کام سے پنجاب اسمبلی کے حلقہ 126 لاہور کے پارٹی آفس گیا تو مجھے وہاں میز پر یہ چھٹی پڑی دکھائی دی۔ اس حلقہ کے اس وقت صدر لبرٹی مارکیٹ کے مالک حاجی عبدالمنان اور جنرل سیکرٹری خواجہ طارق رحیم کا پالتو ٹھیکیدار اور بغل بچہ تھا۔ نائب صدر میاں جمیل سے میں نے اس سلسلے میں بات کی تو انھوں نے صدر اور جنرل سیکرٹری سے بات کرنے کا کہا۔ لیکن میرے پوچھنے پر ان دونوں نے چھٹی غائب کر دی اور پھر چند دن بعد یکسر اس کی موجودگی سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں ایک وارڈ کے جنرل سیکرٹری نے انکشاف کیا کہ ان لوگوں نے ناہید خان کے کہنے پر ہر نوجوان سے 20 ہزار روپے لیے ہیں۔ بعد میں شور ڈالنے پر اس شخص کو بھی حصہ دیکر خاموش کرا دیا گیا۔ اس طرح ناہید خان نے گھر بیٹھے بیروزگاروں کو ملازمت دینے کا احسان کرتے ہوئے ان سے کروڑوں روپے سمیٹ لیے۔

23-11-96 کو شائع ہونے والے نوائے وقت کی رپورٹ کے مطابق ناہید خان نے 800 افراد اپنی صوابدید پر مختلف سرکاری اداروں میں بھرتی کیے۔

ناہید خان کو بینظیر کی آیا بتایا جاتا ہے۔ میں اکثر حیران ہوتا کہ ناہید خان اور بینظیر لگ بھگ ایک ہی عمر کی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک آیا ہو دوسری ''بے بی''۔ میری حیرت اس وقت دور ہوئی جب ایک دوست نے بتایا کہ مغل دور میں ملکہ یا شہزادی کی کوئی ہمراز ملازمہ جو اس کی دوست بھی ہوتی رکھنے کا رواج تھا۔ اس خاص ملازمہ کو مغلانی کہا جاتا تھا۔ انکی دیکھا دیکھی جاگیرداروں نے بھی اپنے گھروں میں اس چیز کو رواج دیا جس طرح جاگیردار کا خاص ملازم مختار خاص یا کمدار ہوتا ہے۔ اسی طرح جاگیردارنیوں نے بھی اپنے خاص اور رازداری برتنے والے کاموں کے لیے کچھ عورتوں کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ بینظیر بھٹو بھی ایک جاگیردار خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ انکے مزاج میں بھی ایک کمدار رکھنے کا خیال تھا۔ لہذا انھوں نے اس کے لیے ناہید خان کو چن لیا اور ناہید خان بھی روائتی خاداماؤں کی طرح بینظیر کے مزاج سے مکمل واقف ہیں اور ان پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس لیے ناہید خان نے جب بارہائی

وزراء اور پارٹی کے عہدیداروں کو گالیاں اور ڈانٹ پلائی تو انھوں نے اس کی شکایت بینظیر سے نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بینظیر جس طرح آصف زرداری کے ہر کام کی جانب سے آنکھیں بند کیے رکھتی ہیں۔ اسی طرح ناہید خان کی سرگرمیاں ان کے لیے کبھی ناپسندیدہ نہیں ہوسکتیں۔ ناہید خان نے بھی اپنی اس شہرت کا فائدہ اٹھایا اور اپنے بھائی کو بیرون ملک کاروبار سیٹ کرا کر دیا۔ ان کی ایک ہمشیرہ حسین حقانی سے ملاقات کے بعد ان کی شریک حیات ہیں۔





سرے محل کا شاہی جوڑا

پاکستان میں کرپشن کو عوامی لفظ بنانے میں ''عوامی'' وزیراعظم بےنظیر بھٹو اور ان کے شوہر آصف زرداری نے خصوصی محنت کی ہے۔ آصف زرداری اس ماحول کا پرورش یافتہ شخص ہے، جس میں آگے بڑھنے کیلئے کوئی بھی کام کسی بھی طرح کر کے مطلب نکالا جاتا ہے۔ بینظیر بھٹو کے پہلے دور حکومت میں وہ ''مسٹر ٹین پرسنٹ'' کے نام سے پہچانے جانے لگتے ہیں۔ بینظیر بھٹو کے پہلے دورِ حکومت میں جو 1988ء سے 1990ء تک تھا' میں پہلے سے موجود برائیوں بدعنوانی اور اقربا پروری میں اضافہ ہی ہوا کیونکہ ایم این اے، ایم پی اے، سیاسی کارکنوں اور بیوروکریسی کو قرضے لینے، پلاٹ الاٹ کرانے اور دیگر سرکاری وسائل کے ناجائز استعمال کی جو عادت پڑ چکی تھی۔ وہ پختہ تر ہو چکی تھی۔ 1990ء میں متحدہ اپوزیشن کا پارلیمانی اجلاس ہوا جس میں بےنظیر کی کرپشن کے ثبوت دستاویزات کے ساتھ پیش کیے گئے اور مطالبہ کیا گیا کہ سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل

ٹربیونل بنایا جائے جو سارے معاملات کی چھان بین کر لے۔ ان الزامات میں پیپلز پارٹی کے جیالوں کو اسلام آباد میں پلاٹوں کی تقسیم اور راوی جھیل کے قریب 187 ایکڑ زمین اور نیشنل پارک میں دوسوا ایکڑ اراضی کے علاوہ گارنٹی ٹرسٹ دی گئی جس سے قوم کو 464 کروڑ کا نقصان ہوا جبکہ پیپلز ورکس پروگرام کی 5 ارب روپے کی رقم پارٹی کارکنوں کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی۔

سابق سینیٹر طارق چودھری کے مطابق بےنظیر دور میں 34 کسٹم انسپکٹر بھرتی کیے گئے۔ دو انسپکٹر بینظیر کے سسر کے بھیجے تھے۔ 11 افراد لاڑکانہ کے تھے۔ 34 میں سے 32 کا تعلق سندھ سے تھا۔ آٹھ ارکان پارلیمنٹ کو ایک کروڑ اور ایک ایک پجارو دی گئی۔ اسلام آباد میں 283 ایکڑ زمین صرف دو کروڑ 34 لاکھ میں دی گئی جبکہ اصل قیمت 7 سو کروڑ بنتی ہے۔ بینظیر بھٹو کی پہلی حکومت کو برطرف کیا گیا تو صدر غلام اسحاق خان نے ان پر یہ الزامات عائد کیے۔

1- سیاسی بنیادوں پر 26 ہزار افراد کو سرکاری ملازمتوں سے نوازا گیا۔

2- تجارتی بینکوں اور مالیاتی اداروں میں کلیدی آسامیوں پر اپنی پسند کے افراد کا تقرر کیا گیا۔

3- منظور نظر افراد کو اربوں روپے کے قرضے دلوائے اور کروڑوں کے قرضے معاف کیے گئے۔

4- رہائشی اور کمرشل پلاٹوں کی الاٹمنٹ اور اونے پونے داموں پر سرکاری اراضی کی فروخت نگران وزیراعظم غلام مصطفیٰ جتوئی نے بھی اس حکومت پر الزام لگایا کہ بےنظیر بھٹو اور ان کے سسرالی خاندان نے اپنے عزیز و اقارب کو 20 ماہ کے دوران 10 ارب روپے کے قرضے دیئے اور پیپلز پروگرام کے تحت ایم این اے ایم پی اے حضرات کو کروڑوں کے فنڈز دیئے جو انہوں نے اپنی صوابدید پر خرچ کیے۔

اپنے پہلے دور حکومت میں بینظیر نے بدعنوانیوں کے سلسلے میں اپنے شوہر کی کارستانیوں سے آنکھیں موندے رکھیں۔ جب انہیں یقین دلایا جاتا کہ ان کے

شوہر وسیع پیمانے پر بدعنوانی کے مرتکب ہو رہے ہیں تو وہ اسے محض مخالفین کا پروپیگنڈا قرار دیتیں۔ پہلی حکومت کے دوران بینظیر نے چن چن کر جیالوں کو اعلیٰ عہدوں پر تعینات کیا اور ان کو پوری طرح کھل کھیلنے کی چھٹی دیدی۔ انہوں نے خصوصی طور پر یہ اہتمام کیا کہ کسی طرح قومی خزانے سے پارٹی کارکنوں کو نوازا جائے حالانکہ ان کی پارٹی کے کارکنوں کے بجائے مفادات صرف رہنماؤں نے حاصل کیے۔ انہوں نے ترقیاتی فنڈز کو ذاتی پیسہ سمجھ لیا۔ پنجاب کی صوبائی حکومت کا مقابلہ کرنے کیلئے مرکز نے اپنے حامیوں پر نوازشات کی بارش کر دی۔

اس دور میں انہوں نے خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے سیاسی مفادات حاصل کرنے کی روش اختیار کی۔ اس کام کے لیے انہوں نے باقاعدہ پلاننگ کی اور میجر جنرل (ر) نصیر اللہ خان بابر کو خصوصی معاون مقرر کیا۔ اس تقرری کا ایک مقصد فوج اور دیگر اداروں میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانا بھی تھا۔ اس کے لیے بینظیر نے خفیہ اداروں کے پوشیدہ فنڈز کا بے دریغ استعمال کیا اور ملکی سلامتی کے لیے رکھی گئی رقوم کو سیاسی ہمدردیاں خریدنے پر صرف کیا۔ بینظیر کےخلاف تحریک عدم اعتماد لانے کا فیصلہ کیا گیا تو ان رقوم کی بندر بانٹ میں مزید تیزی آ گئی۔ ایک اندازے کے مطابق اس دوران قومی خزانے سے دس کروڑ روپے خرچ کیے گئے۔ بینظیر پنجاب میں وزیراعلیٰ نواز شریف سے خوفزدہ تھیں۔ اس لیے انہوں نے قریبی سیاستدانوں سمیت نئے ابھرنے والے سیاستدانوں کو بھی نوازنے کا عمل شروع کیا اور حکومتی ذرائع ابلاغ کو گرفت میں لے کر ترقیاتی پراجیکٹس کے ذریعے قومی خزانہ لوٹا۔ بینظیر ہر صورت میں اپنا اقتدار بچانا اور مخالفین کو ڈبونا چاہتی تھیں۔ اس کیلئے انہوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو مفادات بہم پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا۔ اعلیٰ عہدوں پر ایسے لوگوں کو تعینات کر دیا گیا جن کا ماضی داغدار تھا۔ عدلیہ اور انتظامیہ کو کرپٹ کرنے کیلئے تمام حربے آزمائے گئے۔

دوسرا دورِ حکومت

بینظیر بھٹو کی برطرفی کے بعد عوام نے میاں نواز شریف کو وزیر اعظم چن لیا۔ انہیں بھی ان ہی الزامات کے تحت برطرف کیا گیا اور اگلے عام انتخابات میں بے نظیر بھٹو پھر کسی خون آشام بلا کی طرح اس ملک کو چمٹ گئیں۔ دوسرے دور حکومت میں انہوں نے فاروق لغاری کو ان کی خواہش کے باوجود وزارت خزانہ سے محروم رکھا اور یہ وزارت اپنے پاس ہی رکھی۔ اس طرح پہلے دن سے ہی ملکی معیشت بہتر بنانے کے بجائے اپنی اور اپنے عزیز و اقارب کی معیشت بہتر بنانی شروع کر دی اور اس میں کافی کامیابی بھی حاصل کر لی مگر ملکی معیشت کے پیندے میں سوراخ کر گئیں۔ انہوں نے اپنے شوہر آصف زرداری کو کھلی چھٹی دیدی کہ وہ وزیر اعظم ہاؤس میں بیٹھ کر تمام ایسے امور سرانجام دیں جن سے حتی المقدور مالی فائدہ اٹھایا جاسکے۔

آصف زرداری نے بیوروکریسی کے ساتھ مل کر ایسا نیٹ ورک قائم کر لیا جو روزانہ نت نئے طریقے ایجاد کر کے ان کا پیٹ بھرتا رہا۔ تحفظ ماحول کے نام پر ملنے والی کروڑوں روپے کی امداد زرداری کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی۔ اس سارے عمل میں بدنامی کا خدشہ بھی کم تھا لیکن رقم کی ایک مقدار مقرر تھی چنانچہ بیوروکریسی نے زرداری کی مدد کرتے ہوئے ایوان صدر سے ایسا آرڈیننس جاری کرا دیا' جس کی رو سے تمام صنعتی یونٹ ماحولیاتی قوانین کی زد میں آ گئے۔ آصف زرداری اس محکمے کے مختار کل تھے لہٰذا انہوں نے سختی کے ساتھ ان پر عمل درآمد کا حکم جاری کر دیا۔ جب صنعت کاروں کو ادارہ تحفظ ماحول کی کڑی شرائط کا سامنا کرنا پڑا تو وہ بوکھلا گئے۔ ادھر ایجنٹوں نے یہ بات ان کے کان میں ڈال دی کہ زرداری سے مک مکا کر لیں۔ آصف زرداری نے ایک موٹر سائیکل بنانے والے ادارے کے ساتھ معاہدہ کیا کہ اگر وہ ان کو معقول کمیشن پیش کرے تو وہ اس ادارے کے حریف ادارے کو ماحولیاتی قوانین کے تحت دبا لیں گے۔ ایسا ہی ہوا اور

زرداری صاحب نے کمیشن کے حصول کی خاطر دوسرے موٹر سائیکل ساز ادارے کا گلا گھونٹ دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تکنیکی طور پر اس ادارے کی موٹر سائیکلیں بہت معمولی مقدار میں دھواں چھوڑتی تھیں آخر کار غضب کے شکار ادارے نے بھی حسب طلب ''ہرجانہ'' پیش کر کے اپنی جان چھڑائی۔

بینظیر نے اپنی کرپشن اور بدعنوانیوں میں بعض ایسی شخصیات کو شامل کر لیا جو اقتدار سے باہر ہونے کی صورت میں ان پر شدید تنقید اور حکومت کیخلاف اتحاد کا مظاہرہ کرتیں۔ ان میں نوابزادہ نصر اللہ' غلام مصطفیٰ کھر اور مولانا فضل الرحمٰن نمایاں ہیں۔ تینوں کو جی بھر کر مال بنانے کا موقع دیا گیا تاکہ یہ اپنی ''مصروفیت'' کے باعث بے نظیر اور آصف زرداری کی کارستانیوں کی جانب سے آنکھیں بند کیے رکھیں۔

بینظیر بھٹو کی حکومت کی دوسری بار برطرفی کے بعد بے نظیر بھٹو 24 گھنٹے سے زیادہ اپنے ہی گھر میں نظر بند رہیں۔ اس بار انہیں ان کے اپنے ہی ساتھی صدر فاروق لغاری نے معزول کیا اور ان کو شوہر سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ صدر فاروق لغاری نے حکومت کو برطرف کرتے ہوئے جو فرمان جاری کیا۔ اس میں کہا گیا کہ اقربا پروری' کرپشن اور قانون کی خلاف ورزی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ملک میں حکومت اطمینان بخش انداز سے نہیں چل رہی تھی۔ حکومت کی برطرفی پر پاکستانی عوام نے سکھ کا سانس لیا کیونکہ وہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور ان کے شوہر کی پالیسیوں سے سخت بیزار اور تنگ تھے۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کی برطرفی پر عوام کا احتجاج نہ کرنا نئی بات نہیں تھی۔ بے نظیر کی برطرفی پر صرف ان لوگوں نے آواز اٹھائی جو کرپشن کے کاروبار سے دولت سمیٹ رہے تھے۔ برطرفی کے وقت بے نظیر کے پاس ان کی والدہ نصرت بھٹو اور تین بچوں کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ آصف زرداری لاہور سے آرمی ایکشن کے ذریعے گرفتار ہو چکے تھے اور ابھی تک جیل میں ہیں۔

کوٹیکنا کیس میں بے نظیر اور آصف زرداری کو سزا

15 اپریل 99ء کو بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری کو ایس جی ایس ریفرنس کیس فیصلہ سناتے ہوئے عدالت نے لاکھوں ڈالر رشوت لینے اور ملک کو مالی نقصان پہنچا کے جرم میں 5`5 سال قید اور 86 لاکھ ڈالر جرمانہ کی سزا سنائی۔ ایس جی ایس اور کوٹیکنا تقریباً 15.4 ارب روپے کا ٹھیکہ دیا گیا۔ یہ ٹھیکہ آصف زرداری کی مرضی اور ہدایات بے نظیر بھٹو نے بطور وزیراعظم دیا اور دستخط کیلئے اس ٹھیکے کی بدولت زرداری کو 6 فیصد کمیشن ملا جو لگ بھگ 108 کروڑ ڈالر یعنی 92 کروڑ روپے بنتا ہے۔ یہ بھاری زرداری کی ملکیتی فرم بومر فنانس کے اکاؤنٹ میں جمع کرائی گئی۔ بومر فنانس ایک فرم ہے جو مکمل طور پر زرداری کی ملکیت ہے۔ فرم کا ڈائریکٹر ایک سوئس باشندہ جین ایک بار اسلام آباد میریٹ ہوٹل میں ٹھہرا۔ اس کا 64 ہزار روپے کا بل وزیر سیکرٹریٹ نے ادا کیا۔ ایس جی ایس اور کوٹیکنا نے بومر فنانس فرم کو تقریباً 92 روپے کی جو رقم بطور کمیشن ادا کی۔ وہ یو بی ایل آف سوئٹزرلینڈ میں جمع کرا دی گئی میں بینظیر بھٹو نے اس رقم سے برطانیہ سے ہیروں کا ایک جڑاؤ ہار خریدا جس کی مالیت اندازہ 17 لاکھ پاؤنڈ لگایا گیا۔ یہ ہار اس وقت سوئٹزرلینڈ کے ایک بینک میں پڑا ہے اسے سوئس حکومت ضبط کر چکی ہے۔

سرے محل

سرے محل پاکستانی معاشرے میں کرپشن کا ایک ایسا خواب محل بن چکا ہے۔ جس کا نظارہ ہر کوئی کرنا چاہتا ہے۔ سب سے پہلے تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان اس کی خبر پاکستان لائے بعد میں کڑی سے کڑی ملتی گئی۔ بے نظیر اور آصف زرداری نے شروع شروع میں تو اس کے وجود سے ہی انکار کر دیا۔ تاہم ان دونوں کے کردار پر کرپشن اور جھوٹ کا جو سب سے بدنما داغ ہے۔ اسے آپ سرے محل کہہ سکتے ہیں۔ 1996ء میں پاکستانی اخبارات میں ایک خبر چھپی کہ پی آئی اے کے ذریعے کچھ کنٹینر پاکستان سے برطانیہ بھیجے گئے ہیں۔ برطانیہ میں اس وقت پاکستان کے ہائی کمشنر واجد شمس الحسن نے یہ کنٹینر وصول کیے۔ ان کنٹینروں میں کیا ہے اس پر مختلف قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ تاہم بعد میں پتہ چلا کہ ان میں وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے برطانیہ میں اپنے خریدے گئے محل کیلئے کچھ نوادرات پاکستان سے بھیجے ہیں۔

جون 1996ء میں بے نظیر اور آصف زرداری نے یہ جائیداد خریدی تو دونوں نے اپنے بیانات میں راک ووڈ سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ بے نظیر کا کہنا تھا کہ وہ کبھی سرے گئی ہی نہیں۔ زرداری نے رنگ آمیزی کی اور کہا کہ ایسے حالات میں جبکہ زیادہ تر پاکستانیوں کو

اپنے گھر کی چھت بھی میسر نہیں۔ وہ برطانیہ میں ایک محل خریدنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے مگر انہوں نے سرے کاؤنٹی کے نواح میں 355 ایکڑ پر پھیلی ہوئی 40 لاکھ پاؤنڈ مالیت کی یہ جائیداد نہ صرف خریدی بلکہ 1930ء کے تعمیر شدہ اس عظیم الشان محل کی تزئین نو کا بھی حکم دیا جس پر مزید پندرہ لاکھ ڈالرز خرچ آئے۔ گھوڑوں کی افزائش اور دیکھ بھال کیلئے ایک ماہر برطانوی جوڑے کی خدمات حاصل کر کے راک ووڈ کو ایک سٹڈ فارم میں بدل دیا گیا۔ سرے محل میں 9 بیڈ روم ہیں۔ ایک انڈور سوئمنگ پول اور پندرہ ایکڑ پر باغات ہیں۔ یہاں ایک ہیلی پیڈ بھی تعمیر کیا گیا۔ تین حصوں کا یہ مکان جو ملحقہ باغوں اور 104 ایکڑ پر بنے ہوئے فارموں کے علاوہ 220 ایکڑ پر پھیلی چراگاہ پر مشتمل ہے۔ آئرش سمندر میں ٹیکس سے مستثنیٰ ایک برطانوی جزیرے آئل آف مین کو تین غیر ملکی کمپنیوں کے ذریعے خریدا گیا۔ اس کے کیلئے فرنیچر کے 83 آئٹمز تیار کر کے انہیں برطانیہ بھیجا گیا۔

اے آر وائی گولڈ ریفرنس

اے آر وائی جنوبی ایشیا کے ممالک میں سونے کی سب سے بڑی تاجر کمپنی ہے۔ بینظیر حکومت سے قبل بھی یہ کمپنی پاکستان سونا درآمد کرتی رہی ہے لیکن برا ہوا آصف زرداری کی نگاہ دولت افزاء کا کہ انہیں جب کمپنی کی مستحکم مالی حیثیت کا علم ہوا تو انہوں نے بعض اطلاعات کے مطابق حسب عادت کمپنی کو اپنا حصہ دینے کا حکم دے دیا۔ کمپنی کی انتظامیہ بوکھلا گئی لیکن معاملات جلد ہی باہمی افہام و تفہیم سے طے پا گئے اور معقول کمیشن کے عوض کمپنی کو پاکستان سونا درآمد کرنے کی اجازہ داری دے دی گئی۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ کمپنی نے آصف زرداری کو 5 روپے فی تولہ کے حساب سے کمیشن دیا۔ اس عرصے میں اے آر وائی گولڈ نے پاکستان میں چار ملین تولے سے زائد سونا درآمد کیا' جس پر آصف زرداری کے کمیشن کی رقم 20 ملین روپے تھی البتہ زرداری کے سوئس اکاؤنٹ میں 400 ملین روپے کمپنی کی جانب سے منتقل کیے گئے۔

آصف زرداری ہر سوال کا جواب تیار کیے رہتے ہیں۔ انہوں نے جھٹ کہہ دیا کہ ملک میں 1947ء سے غیر قانونی طور پر سونا سمگل کیا جا رہا ہے' جس کے تدارک کے لیے حکومت نے سونے کی درآمد کو قانونی شکل دی ہے لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اس درآمدی سونے پر 5 روپے فی تولہ کی ڈیوٹی انہوں نے عائد کر کے سرکاری خزانے کے بجائے اپنی جیب میں کیوں ڈالنا شروع کر دی۔ شائد ملک سے محبت میں وہ اپنی ہر چیز کو پاکستان کی ملکیت اور پاکستان کی ملکیت ہر چیز کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔

آصف زرداری آج کل دیگر مقدمات کی طرح اے آر وائی گولڈ ریفرنس کے متعلق بھی عدالتوں میں پیش ہو رہے ہیں۔

پاکستان سٹیل ملز

کراچی کے قریب روس کے تعاون سے پاکستان کا سب سے بڑا فولاد ساز کارخانہ لگا تو بہت جلد یہ ایک منافع بخش یونٹ کی شکل اختیار کر گیا۔ یہاں ہزاروں افراد کو روزگار میسر آ گیا لیکن کئی برس تک منافع میں جانے والا ادارہ یکدم خسارے میں جانے لگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کرپشن کنگ آصف زرداری کا اس پر سایہ پڑ چکا تھا۔

پاکستان سٹیل ملز کی تباہی اور یہاں بڑھتی ہوئی کرپشن کی ذمہ داری صرف بے نظیر اور ان کے شوہر نامدار آصف زرداری پر عائد ہوتی ہے۔ ان دونوں کی زیر سرپرستی اور رضامندی سے ایک ارب 25 کروڑ روپے کا ماہانہ فولاد فروخت کرنے والا کارخانہ ایک دم 9 ارب روپے کے خسارے میں چلا گیا۔ تاہم آصف زرداری کو ہر ماہ باقاعدگی سے 10 کروڑ روپے بھتہ کی شکل میں مل جاتے۔ صرف 1994ء میں مجموعی طور پاکستان سٹیل ملز میں ایک ارب روپے کرپشن کی نذر ہوئے۔ آڈٹ رپورٹ کے مطابق یہ کرپشن جعلی کمپنیوں کو سپلائی کیے جانے والے مال کے نتیجہ میں سامنے آئی۔ سٹیل مل اس وقت بالکل تباہی کے قریب پہنچ گئی۔ جب آصف زرداری سرمایہ کاری کے وزیر بنے۔ انہوں نے اس کے بعد سٹیل مل میں ڈیرے ڈال دیئے اور بدعنوانی کی ایسی تاریخ لکھی کہ جس کی مثال ملنا محال ہے۔ صرف فولاد کی فروخت میں کمی کے باعث پاکستان سٹیل ملز کو سیلز ٹیکس کی مد میں 30 کروڑ روپے خسارے کا سامنا کرنا پڑا۔ سٹیل مل کی بدعنوانیوں‘ انتظامی بے

ضابطگیوں کے سارے عمل میں زرداری کا ہاتھ تھا۔

آصف زرداری نے یونین سازی سے لے کر پاکستان سٹیل مل کے چیئرمین کے عہدے تک کے معاملات میں مداخلت کی اور فاروقی برادران کو اپنے مقاصد کیلئے خوب استعمال کیا۔ اس لوٹ مار کے کردار عثمان فاروقی اور آصف زرداری جیل میں ہیں۔ فیصلہ کیا ہوگا یہ تو وقت دیکھے گا۔ تاہم ان کی وجہ سے پاکستان سٹیل کو جو نقصان پہنچا۔ اس کا ازالہ شائد کئی برسوں کی مسلسل محنت سے بھی نہ کیا جا سکے۔

دفاعی سودے

آصف زرداری اور بےنظیر کو ہر اس جگہ سے پیسے کی بو آ جاتی تھی جہاں مال بنانے کا امکان ہوتا۔ بےنظیر بھٹو کی حکومت میں ایک فرانسیسی کمپنی سے 950 ملین امریکی ڈالر کے عوض 3 آگسٹا نائن بی آبدوزیں خریدی گئیں۔ عوام اور حزب اختلاف نے سودے کی تفصیلات جاننے کیلئے آواز اٹھائی مگر بےنظیر نے اس معاملے کو پارلیمنٹ میں بحث کیلئے پیش نہ کیا۔ ان تینوں آبدوزوں کیلئے پاکستان کو جو دنیا کے غریب ممالک میں ایک سو اٹھائیسویں نمبر پر ہے۔ فرانسیسی کمپنی کو 6 ارب ادا کرنے پڑے۔ ان تین آبدوزوں کی خریداری کے حوالے سے پاکستان اور فرانسیسی حکام میں معاہدے پر دستخط کے بعد ہی اندرون و بیرون ملک اخبارات میں پاکستان کے شاہی جوڑے کی جانب سے فرانس میں جائیداد کی خریداری سے متعلق خبریں شائع ہوئیں۔ اس سودے کا مقصد ملکی دفاع کی مضبوطی سے زیادہ اپنا مالی مفاد زیادہ اہم خیال کیا گیا۔

بینظیر بھٹو کی ہدایت پر 1994ء میں ایک فرم کو 5 ہیلی کاپٹروں کی خریداری کیلئے 21 لاکھ 68 ہزار ڈالرز کی ادائیگی کی گئی لیکن یہ ہیلی کاپٹر آج تک حکومت پاکستان کو نہیں مل سکے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بےنظیر نے دو کے بجائے 5 ہیلی کاپٹر خریدنے کا حکم جاری کیا۔ ہیلی کاپٹروں کی خریداری کیلئے 30 میں سے 12 کمپنیوں کا انتخاب کیا گیا۔ اعتراضات واپس لینے کیلئے بینک منیجر پر دھمکیوں کی صورت میں دباؤ ڈالا گیا۔ اس گھپلے

میں بینظیر کے ساتھ فاروق لغاری اور ملک اللہ یار خان ملوث ہیں۔

جنرل پرویز مشرف نے ان سودوں کے علاوہ کچھ دیگر سودوں کو بھی مشکوک قرار دے کر بعض سابق اعلیٰ فوجی افسروں سمیت ملوث افراد کیلئے تحقیقات کا حکم دے دیا ہے۔

بےنظیر بھٹو کے دور حکومت میں پاکستان نیوی کیلئے امریکہ سے 15 ارب روپے مالیت کے 3 پی تھری سی اورین طیارے خریدنے کے لیے بینظیر حکومت اور پاک بحریہ کے برطرف سربراہ ایڈمرل منصور الحق نے بھاری کمیشن کے عوض ان خراب طیاروں کو خریدا۔ یہی وجہ تھی کہ ان طیاروں کو اڑا کر لانے کے بجائے بحری جہاز پر لاد کر لایا گیا اور نیول بیس پر سجا دیا گیا۔ ان طیاروں نے آج تک پرواز نہیں کی۔ اس سودے کے بارے بھی تحقیقات جاری ہیں۔

خفیہ اداروں کا استعمال

بے نظیر دور حکومت میں انٹیلی جنس بیورو کے سربراہ میجر (ر) مسعود شریف اور سپیشل برانچ کے سربراہ ونگ کمانڈر طارق لودھی' آصف زرداری کے انتہائی قریبی دوستوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سے آصف زرداری اور بے نظیر بھٹو نے کئی اہم اور سیاسی کام کرائے جس کے لیے انہیں فنڈز کی شکل میں خطیر رقم فراہم کی جاتی۔ 1995ء میں کچھ اہم مشقوں کے لیے ان دونوں عہدیداروں نے ایک ارب روپے کی رقم خرچ کر ڈالی۔ مسعود شریف آصف زرداری کا پرانا دوست ہے۔ جبکہ طارق لودھی کی سفارش آئی ایس آئی کے سابق چیف لیفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی نے کی دونوں افراد کو شاہی جوڑے کا بھرپور اعتماد حاصل تھا۔ جس کے باعث وہ ہر جگہ حسب خواہش کارروائی کر ڈالتے 5 نومبر 96ء کو بے نظیر حکومت کی برطرفی کے بعد انٹیلی جنس بیورو کے کراچی' لاہور اور اسلام آباد میں واقع دفاتر سے ہاتھ لگنے والے تیکنیکی اور دستاویزی مواد کے مطابق چیف جسٹس پاکستان جسٹس سجاد علی شاہ سپریم کورٹ کے جج صاحبان مسٹر جسٹس ناصر اسلم زاہد' چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ مسٹر جسٹس خلیل الرحمٰن' مسٹر جسٹس ملک عبدالقیوم اور مسٹر جسٹس منیر اے شیخ مسلسل آئی بی کی نگرانی میں رہے اور ان کے ٹیلی فون بھی ٹیپ کئے جاتے رہے یہاں تک کہ آصف زرداری کے کہنے پر فوج کے حاضر سروس افسران اور اعلیٰ عہدوں پر فائز بیوروکریٹس اور حکومت کے بعض مخالف صحافیوں کے بھی ٹیلی فون ٹیپ کئے گئے اس بات

کی واضح شہادتیں موجود ہیں کہ آئی بی میں ایسی رپورٹیں مسلسل فائل ہوتی رہیں جن میں مختلف کور کمانڈرز' آئی ایس آئی اور ایم آئی کے فیلڈ آفیسرز اور ان کے سربراہان کی سرگرمیوں کا تفصیلی ذکر ہوتا تھا۔

انٹیلی جنس بیورو نے صدر لغاری کے بیٹوں' چچا زاد بھائی صغیر لغاری حتیٰ کہ بیگم فاروق لغاری کے نہ صرف ٹیلی فون ٹیپ کئے بلکہ نجی وجوہات کی بنا پر ان کے دورہ امریکہ سے متعلق ٹاپ سیکرٹ ''رپورٹ'' بھی مرتب کی۔ صدر کے پرسنل سٹاف کے ارکان پرنسپل سیکرٹری شمشیر خان اور پریس کنسلٹنٹ خواجہ اعجاز سرور کے فون بھی ٹیپ ہوئے۔



امریکی آشیرباد حاصل کرنے میں ناکام
سابق وزیراعظم بینظیر زرداری

ہارے پیادے شاہ بن گئے

پاکستان کے عوام کی یہ بدقسمتی ہے کہ یہ جو چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا اور جو نہیں چاہتے وہ ہو جاتا ہے۔ بینظیر بھٹو نے بھی قوم کے مسترد کردہ افراد کو کروڑوں روپے کی مراعات دے کر قوم کے سر پر مسلط کر دیا۔ اس زیادتی اور ظلم پر عوام بے چارے کسمسا کر رہ گئے۔

بینظیر نے کوہاٹ سے قومی اسمبلی کا انتخاب ہارنے والے افتخار گیلانی کو اے این پی کے ساتھ تعاون کے نتیجے میں سینٹر منتخب کرالیا اور بعد میں اسی ہارے ہوئے امیدوار کو وفاقی وزیر بن کر جیتے ہوئے رکن کے اوپر بٹھا دیا۔

جنرل ٹکا خان راولپنڈی سے شیخ رشید احمد کے مقابلے میں ناکام رہے لیکن ان کو پنجاب کا گورنر بنا دیا گیا۔

پاک پتن سے ہارنے والے راؤ ہاشم خان کو لینڈ کمیشن کی چیئر مینی مل گئی۔ بیرسٹر ایس ایم باقر بوریوالا سے ہار گئے تھے۔ لیکن بعد میں انھیں بیرون ملک سفیر بنا دیا گیا۔ مسلم لیگ (ق) گروپ کے سربراہ اور پیپلز پارٹی کے حلیف ملک محمد قاسم مرحوم جو بہاولنگر سے ہار گئے تھے۔ انھیں وزیر اعظم کا مشیر بنا کر عہدے سے نوازا گیا۔

فورٹ عباس سے شکست خوردہ افضل سندھو کو نیشنل انڈسٹریل ریلیشن کمیشن کا چیئر مین بنا دیا گیا۔ مولانا سراج احمد دین پوری جو رحیم یار خان سے شکست سے دوچار ہوئے انھیں وزارت مذہبی امور کا مشیر بنا دیا گیا۔ پروفیسر این ڈی خان جو کراچی سے ہارے وزیر اعظم کے مشیر ہو گئے۔ سابق اٹارنی جنرل یحیٰی بختیار کوئٹہ سے ہار گئے تو انھیں پھر اٹارنی جنرل بنا دیا گیا۔ سرفراز نواز لاہور سے صوبائی اسمبلی کا انتخاب ہار گئے لیکن ان کو مشیر برائے کھیل بنا دیا گیا۔

شکست خوردہ افراد جب جیتنے والوں کے سروں پر آ بیٹھیں گے تو کیا اپنی شکست کو بھول جائیں گے اور کیا پھر ان دونوں کے درمیان اپنی اپنی طاقت کی نمائش کی جنگ نہ شروع ہو جائے گی اور کیا پھر دونوں کے خوشامدی ٹولے پیدا نہ ہوں گے۔ ایسا ہو گا اور ہوا ہے جبھی تو طاقتوروں نے اپنی جنگ میں انھیں فراموش کر دیا۔ جنھوں نے انھیں طاقت بخش کر خود کو ہمیشہ کے لیے مصائب کا شکار بنا لیا ہے۔




جنرل ٹکا اور ملک قاسم جو الیکشن ہار گئے مگر بےنظیر نے ٹکا خان کو گورنر پنجاب اور ملک قاسم کو مشیر بنا کر عہدے سے نوازا

زرداری کے پیارے

آصف زرداری بڑا ہونہار انسان ہے اسے ہونہار بچہ نہیں قرار دیا جا سکتا کہ یہ تو شروع دن سے ہی اتنا بڑا ہے۔اس نے ہر کام کے لیے الگ سوٹ' الگ گھڑی' الگ جوتے اور الگ گاڑی کی عادت سے خود کو خراب کیا ہوا ہے۔اس کی خراب عادتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر غبن' ہر جعلسازی اور ہر گھپلے کے لیے اس شعبے کے مستند افراد سے دوستیاں قائم کر لیتا ہے۔فوزی کاظمی کو ہی لیں۔ بینظیر حکومت سے قبل یا یوں کہئے کہ زرداری کی دوستی سے قبل اس ''مرزا ظاہر دار بیگ'' کو شائد کوئی جانتا بھی نہ ہو لیکن جیسے ہی آصف زرداری نے اس کے ذریعے کروڑوں ڈالر کا سرمایہ بیرون ملک منتقل کرنا شروع کیا تو فوزی علی کاظمی بھی مصروف ہو گیا۔اور پھر نواز شریف دور میں اداکارہ زارا اکبر اور فوزی کاظمی شراب میں مست ایک کمرے سے برآمد ہوئے۔فوزی علی کاظمی کئی سودوں میں آصف زرداری کا فرنٹ مین بن کر کام کر چکا ہے۔

بینظیر بھٹو کی کابینہ میں وزیر مواصلات کی عدم موجودگی کے سبب زرداری نے اپنے ''صوابدیدی'' اختیارات استعمال کرتے ہوئے اپنے دوست جاوید پاشا کو وزارت کا کرتا دھرتا بنا رکھا تھا۔پیپلز پارٹی کے پورے دور اقتدار میں وزارت مواصلات کا اسلام

آباد میں واقع وی آئی پی گیسٹ ہاؤس جاوید پاشا کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔وزارت مواصلات جس نے بینظیر کے پہلے دور حکومت میں اسے پیجر سروس کا اجازت نامہ فراہم کیا۔اس بار اسے ایم ایم ڈی ایس سروس کا لائسنس پیش کیا۔اس سروس کے تحت ایف ایم ون 100 ریڈیو سٹیشن ایک پرائیوٹ کیبل ٹی وی سٹیشن اور سیلولر فون سروس کے لائسنس جاری کر کے اسے نوازا گیا۔

شون گروپ کا ناصر حسین بھی آصف علی زرداری کے ذاتی دوستوں میں سے تھا۔ برسراقتدار آتے ہی بے نظیر حکومت نے شون گروپ کو ایک بینک کے قیام کی اجازت دیدی۔اس کے علاوہ شون گروپ نے دوسرے ایکسپورٹروں کے مقابلہ میں گارمنٹس کی فروخت پر بھی ایک مضبوط گرفت قائم کر لی تھی۔

پاکستان سٹیل مل کی تباہی میں بنیادی کردار ادا کرنے والا شخص عثمان فاروقی زرداری کو دولہا بھائی کہہ کر پکارتا تھا۔عثمان فاروقی نے سٹیل مل سے لوٹی گئی رقوم میں سے ہر ماہ کروڑوں روپے زرداری کیلئے بطور بھتہ مختص کر رکھے تھے۔پاکستان سٹیل مل کے دو افسران نے خفیہ طور پر جو گفتگو ریکارڈ کی اس کے مطابق تمام سودوں کی آڑ میں آصف زرداری کے نام پر عثمان فاروقی کروڑوں روپے اکٹھے کر کے دوبئی کے ایک بینک میں منتقل کرنے میں مشغول رہا۔

طاہر خان نیازی شاہی جوڑے کا با اعتماد دوست ہے۔ بے نظیر دورہ لاہور کے دوران اکثر اسی کے ہاں قیام کرتیں۔طاہر خان نیازی زرداری کا دست راست سمجھا جاتا تھا۔نیوسٹی اسلام آباد پراجیکٹ کے چیف ایگزیکٹو کے طور پر طاہر نیازی نے 98 کروڑ روپے پلاٹوں کی بکنگ کی مد میں وصول کیے جس میں سے 30 کروڑ سے زائد رقم آصف زرداری نے وصول کی۔

سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو کے آبائی ضلع لاڑکانہ کی ضلع کونسل کے سابق چیئرمین اور پی پی پی کے سابق رکن صوبائی اسمبلی غلام حسین انہڑ نے آصف زرداری کی آشیرباد سے برطانیہ میں مقیم ایک پاکستانی سے کراچی میں پونے دو کروڑ روپے ہتھیا لیے۔اس

مقصد کے لیے غلام حسین انہڑ اوراس کے ساتھیوں نے مرتضیٰ بخاری کوایک ہوٹل سے اغواء کیا اور کئی روز تک ڈیفنس سوسائٹی کے ایک بنگلے میں مسلح افراد کی نگرانی میں قید رکھا اورتشدد کانشانہ بنایا۔ پھراس کی ٹانگ سے بم باندھ کرایک کروڑ 70 لاکھ روپے کی رقم بینک سے نکلوانے کیلئے لے کر گئے۔ مرتضیٰ بخاری کے مطابق اغوا کرنے والوں نے اس دوران ان کی مکمل نگرانی کی اور دھمکی دی کہ گڑ بڑ کی صورت میں وہ ریموٹ کے ذریعے بم چلا دیں گے۔ مرتضیٰ بخاری ٹانگ پر بندھے بم سمیت بینک میں گیا اور مطلوبہ رقم دے کراپنی جان بچائی۔ مرتضیٰ بخاری کے بیان کے مطابق دوران قیداس کی آصف زرداری سے تین ملاقاتیں کرائی گئیں اور بےنظیر بھٹو کوبھی اس معاملے کاعلم تھا۔

بےنظیر اور آصف زرداری کے خفیہ اکاؤنٹس

بےنظیر اور آصف زرداری نے جہازوں کی خریداری، ٹیکسٹائل کوٹے، تعمیراتی ٹھیکوں، مختلف قسم کے بھتوں اور گھپلوں سے کمائی دولت غیر ملکی بینکوں میں جمع رکھ چھوڑی ہے۔ 1999ء میں بےنظیر نے خود ساختہ جلاوطنی کے دوران خوب شور مچایا کہ ان کے پاس تو دبئی کے سکولوں میں زیرتعلیم بچوں کی فیس دینے کیلئے بھی پیسے نہیں جبکہ چند دن بعد ہی وہ امریکہ گئیں اور دنیا بھر میں آج تک ان کا آنا جانا ہے۔ بےنظیر اور زرداری کے سوئٹزرلینڈ کے سات بڑے بینکوں میں 17 خفیہ کھاتوں کا بھی سراغ لگایا گیا ہے۔ یہ کھاتے ان بینکوں کی تقریباً تین سو شاخوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ سوئٹزرلینڈ کے سات بینکوں میں 115 اکاؤنٹ نواز شریف دور میں ہی منجمد کر دیئے گئے تھے۔ ان کھاتوں کی کل رقم تقریباً 50 کروڑ ڈالر یعنی 25 ارب روپے سے زائد بنتی ہے۔ آصف زرداری اور بےنظیر بھٹو نے 19 بین الاقوامی فرموں میں کروڑوں ڈالر کے حصص خرید رکھے ہیں۔

ان کے علاوہ دیگر غیر ملکی اکاؤنٹس کی فہرست ملاحظہ کریں۔

نمبر شمار	بینک	اکاؤنٹ نمبر
-1	یونائیٹڈ بینک آف سوئٹزرلینڈ	552.3343
-2	سٹی بینک پرائیویٹ لمیٹڈ سوئٹزرلینڈ	342034
-3	سٹی بینک این اے دوبئی	8180931

4-	بارڈائز بینک (سوئس)	62274400
5-	بارڈائز بینک (سوئس)	62290209
6-	بینٹرڈ آرمرڈ پرٹس ایس اے	62290209
7-	لدہنین پیرس	00101953552
8-	پاچے ایس اے بینک	00101953552
9-	بینک نیٹڈ پیرس (جنیوا)	553,726,9
10-	سوئس بینک کارپوریشن	553,726,9
11-	مین ہٹن سوئٹزرلینڈ	553,726,9
12-	امریکن ایکسپریس بینک سوئٹزرلینڈ	553,726,9
13-	بارڈائز بینک (نائٹس برج)	90991473
14-	بارڈائز بینک (کنگسٹن اینڈ چیلسی برانچ) سارکٹ کوڈ	20-47-34135
15-	نیشنل ویسٹ سنٹر بینک (ایلوچ برانچ)	26832320
16-	ہیروڈز بینک لمیٹڈ	11309063
17-	مڈنیڈ (بینک پال مال برانچ)	11309063
18-	نیشنل ویسٹ منسٹر بینک ایج ویررو ڈلندن ڈبلیو 2	11309063
19-	نیشنل ویسٹ منسٹر بینک (بارکن برانچ)	28559899
20-	حبیب بینک اے جی مورگیٹ لندن ای سی 2	
21-	بینک فرانس ڈپلدسٹی	
22-	کریڈٹ سوئس	
23-	حبیب بینک اے جی زیورخ سوئٹزرلینڈ	
24-	پکٹٹ ای ٹی سی، جنیوا	
25-	کریڈٹ ایگری کول پیرس	

26-	کریڈٹ ایگری کول 11 پلیس پر یوئیر فورجیز لےفوکس	76440
27-	کریڈٹ ایگری کوچ، برانچ ہاٹ نارمنڈی بوئس، کریلام	676230

یہ اکاؤنٹ بےنظیر بھٹو، آصف زرداری اور ان کے فرنٹ مینوں کے نام ہیں۔



آصف زرداری

کی لوٹ مار کے میدان اور غیر ملکی اکاؤنٹس

آصف زرداری کے غیر ملکی اکاؤنٹس کی تحقیقات کرنے والے حکام کا کہنا ہے کہ آصف زرداری کی بیرون ملک قیمتی جائیدادوں کے علاوہ چالیس ملین ڈالر کے بینک ڈیپازٹس ہیں اور یہ تمام دولت پاکستان میں کاروبار کرنے والی غیر ملکی کمپنیوں سے بطور کمیشن وصول کی گئی جن میں سے 20 ملین ڈالر کی رقم سٹی بینک کے اکاؤنٹ نمبر 342034 میں جمع کرائی گئی۔ یہ اکاؤنٹ سوئٹزرلینڈ کی ''کیپری کورن ٹریڈنگ'' نامی ایک کمپنی کا اکاؤنٹ کھولنے کی استدعا کی تھی۔ درخواست میں کمپنی کے مالک کا نام آصف علی زرداری اور ایڈریس بلاول ہاؤس کراچی لکھا گیا تھا۔ حاصل شدہ معلومات کے مطابق آصف علی زرداری کی کمپنی نے سٹی بینک میں اپنا پہلا اکاؤنٹ 1994ء میں کھولا اور یہ اکاؤنٹ سٹی بینک کی دوبئی شاخ میں کھولا گیا۔ بعد میں اس اکاؤنٹ سے رقم سٹی بینک سوئٹزرلینڈ میں منتقل ہوتی رہی تاہم نیویارک ٹائمز نے ایک رپورٹ میں لکھا ہے کہ ''

خاندان کے بیرون ملک ایک سو ملین ڈالر کے بینک اکاؤنٹس اور جائیدادیں موجود ہیں۔

آصف زرداری نے اپنی کاروباری سرگرمیوں کے ذریعے دفاعی معاہدوں' توانائی کے منصوبوں' نشریاتی لائنوں کے اجراء' چاول کی برآمدی اجارہ داری کی اجازت دینے پی آئی اے کیلئے طیاروں کی خریداری' ٹیکسٹائل کے برآمدی کوٹے' تیل اور گیس کے پرمٹ' شوگر ملوں کی منظوری اور سرکاری اراضی کی فروخت سے مال بنایا۔ حکمران جوڑے نے سینکڑوں سودوں میں اپنے کردار کے متعلق دستاویزی ریکارڈ کی تیاری یا ان میں اپنا نام روکنے کے لیے خاصی محنت کی۔ بے نظیر بھٹو بھی آصف زرداری کے معاملات سے لاتعلق نہیں رہیں۔



نوازشریف کا گوشوارہ

دو بار وزیراعظم کے عہدے سے لطف اٹھانے والے نواز شریف نے بھی دوسرے سیاستدانوں کی طرح اپنے انتخابی گوشوارے میں اپنے اثاثے کم ظاہر کیے‘ الیکشن کمیشن کے مصدقہ گوشوارے کے مطابق نواز شریف نے مالی سال 94-1993 میں انکم ٹیکس کی مد میں کوئی رقم جمع نہیں کرائی جبکہ ویلتھ ٹیکس کی مد میں 21 لاکھ 84 ہزار 680 روپے ادا کیے۔ مالی سال 95-1994 میں انکم ٹیکس کی مد میں صرف 477 روپے اور دولت ٹیکس کی مد میں 7 لاکھ 92 ہزار 255 روپے جمع کرائے۔ مالی سال 96-1995 میں بھی انکم ٹیکس کی مد میں کوئی رقم درج نہیں جبکہ ویلتھ ٹیکس کی مد میں ایک لاکھ 51 ہزار 436 روپے ٹیکس دیا۔ 1981ء میں 235 اپر مال لاہور کی جائیداد خریدی‘ جس کا تخمینہ 9 لاکھ روپے جبکہ اس وقت کی مالیت 30 لاکھ روپے ظاہر کی۔ 1978ء میں کوٹ لکھپت میں زمین خریدی جس کا تخمینہ 50 ہزار جبکہ مالیت 10 لاکھ روپے بتائی۔ 1984ء میں رائے ونڈ روڈ پر زرعی اراضی خریدی جس کا رقبہ نہیں بتایا گیا۔ 2 لاکھ 33 ہزار اور مالیت 10 لاکھ روپے بتائی گئی۔ 1972ء میں منڈیالی شیخوپورہ میں زرعی اراضی خریدی‘ جس کا تخمینہ

50 ہزار روپے اور مالیت چار لاکھ ظاہر کی‘ منقولہ اثاثہ جات میں عباس اینڈ کو کا تخمینہ 10 ہزار روپے اور مالیت بھی یہی بتائی گئی۔ اس طرح مذکورہ اثاثہ جات کا مجموعی تخمینہ 12 لاکھ 43 ہزار 5 سو اور مالیت 56 لاکھ 10 ہزار روپے بنتی ہے۔

بیگم کلثوم نواز کے نام جو اثاثے ظاہر کیے گئے ان میں 24 اے مال روڈ مری کا تخمینہ 29 لاکھ 60 ہزار روپے مالیت ایک کروڑ 20 لاکھ اور خریداری کا سال 1993ء بتایا گیا ہے۔ 24 بی مال روڈ کی جائیداد کا تخمینہ 23 لاکھ روپے مالیت 40 لاکھ روپے اور خریداری کا سال 1994ء بتایا ہے۔ 24 بی تھری مال روڈ مری کا تخمینہ 23 لاکھ روپے‘ مالیت 40 لاکھ روپے اور خریداری کا سال 1994ء بتایا گیا ہے۔ ماڈل ٹاؤن لاہور کے پلاٹ کا تخمینہ 65 ہزار روپے مالیت بھی یہی اور خریداری کا سال 1976ء ظاہر کیا گیا۔ اس طرح بیگم کلثوم نواز کے مذکورہ اثاثہ جات کا مجموعی تخمینہ 76 لاکھ 25 ہزار اور اصل مالیت 2 کروڑ 6 لاکھ 50 ہزار بنتی ہے۔

اتفاق ٹیکسٹائل ملز میں نواز شریف کے 48 ہزار 6 سو شیئرز ہیں جن کی مالیت 8 لاکھ 36 ہزار روپے ہے۔ کلثوم نواز کے 15 ہزار حصص ہیں جن کی مالیت دو لاکھ 60 ہزار روپے ہے۔ اسماء نواز کے 5 ہزار 9 سو حصص ہیں جن کی مالیت 5 لاکھ 50 ہزار ہے۔ حسن نواز کے 5 ہزار 5 سو حصص کی مالیت 4 لاکھ 99 ہزار روپے ظاہر کی گئی ہے۔ اتفاق فاؤنڈریز میں نواز شریف کے 560 حصص ہیں جن کی مالیت 56 ہزار روپے ہے۔ اتفاق شوگر ملز میں نواز شریف کے 48 ہزار حصص ہیں‘ جن کی مالیت 4 لاکھ 80 ہزار روپے ہے۔ بیگم کلثوم نواز کے 65 ہزار حصص ہیں جن کی مالیت 6 لاکھ 50 ہزار ہے۔ اسماء نواز اور حسن نواز دونوں کے 55` 55 ہزار حصے ہیں۔ ان کی مالیت 5 لاکھ 50 ہزار ہے۔ برادرز سٹیل ملز میں نواز شریف کے 20 ہزار 5 سو حصص کی مالیت 2 لاکھ 5 ہزار‘ کلثوم نواز کے 3 ہزار 6 سو حصص کی مالیت 36 ہزار‘ الیاس انٹرپرائزز میں نواز شریف کے 610 حصص ہیں۔ ان کی مالیت 61 ہزار روپے ہے۔ رمضان شوگر ملز میں نواز شریف کے حصص 10 ہزار ہیں جن کی مالیت ایک لاکھ روپے ہے۔ کلثوم نواز کے 50

ہزار حصص کی قیمت پانچ لاکھ روپے ہے جبکہ اسماء نواز اور حسن نواز کے 2 لاکھ 70 ہزار حصص کی قیمت 27 لاکھ روپے ہے۔ اتفاق برادرز پرائیویٹ لمیٹڈ میں نواز شریف کے 640 حصص کی قیمت 64 ہزار کلثوم نواز کے تین ہزار 3 سو حصص کی قیمت 3 لاکھ 30 ہزار روپے ہے۔ رمضان بخش ٹیکسٹائل ملز میں کلثوم نواز کے سوا دو لاکھ شیئرز ہیں، جن کی مالیت 2 لاکھ 50 ہزار روپے ہے۔ چودھری شوگر ملز میں کلثوم نواز کے 8 لاکھ 64 ہزار حصص ہیں، جن کی مالیت 86 لاکھ 40 ہزار روپے ہے۔ اسماء نواز اور حسن نواز دونوں کے الگ الگ 8 لاکھ 64 ہزار شیئرز ہیں۔ جن کی مالیت 86 لاکھ 40 ہزار ہے۔ مہران رمضان ٹیکسٹائل ملز میں کلثوم نواز کے 4 لاکھ 87 ہزار سات سو حصص کی قیمت 48 لاکھ 77 ہزار روپے ہے۔ اسماء نواز اور حسن نواز دونوں کے الگ الگ 4 لاکھ 82 ہزار حصص کی الگ الگ قیمت 48 لاکھ 21 ہزار ہے۔ محمد بخش ٹیکسٹائل ملز میں کلثوم نواز کے ایک لاکھ 68 ہزار حصص ہیں۔ اسماء نواز اور حسن نواز کے علیحدہ علیحدہ ایک لاکھ 64 ہزار حصص ہیں۔ حمزہ شپنگ ملز کے 4 لاکھ 24 ہزار حصص اسماء اور حسن نواز کی ملکیت ہیں۔ حدیبیہ انجینئرنگ میں کلثوم نواز، اسماء اور حسن نواز الگ الگ 12 ہزار 270 حصص کے مالک ہیں۔ حمزہ بورڈ ملز کے ایک لاکھ 92 ہزار حصص کلثوم نواز کی ملکیت جبکہ حسن نواز اور اسماء نواز کے ایک لاکھ 30 ہزار حصص ہیں۔

میاں نواز شریف نے۔ جو دیگر اثاثے اپنی ملکیت ظاہر کیے ہیں۔ ان میں ایک لاکھ 39 ہزار روپے کے ڈیفنس سیونگز سرٹیفکیٹ، اتفاق ٹیکسٹائل ملز میں ایک لاکھ 29 ہزار روپے کے حصص، الیاس انٹر پرائزز میں 9 ہزار 8 سو روپے کے حصص شامل ہیں۔ میاں نواز شریف نے اتفاق فاؤنڈریز کے ضمن میں صرف گیارہ روپے کی مالیت ظاہر کی ہے۔ گاڑیوں کے خانے میں مالیت پانچ لاکھ ظاہر کی گاڑیوں کی تعداد یا دیگر تفصیل نہیں دی۔ اپنی اہلیہ کلثوم نواز کی ملکیت میں ایک لاکھ روپے کے زیورات ظاہر کیے۔ اپنے پاس نقد 91 ہزار 9 سو 27 روپے کلثوم نواز کے پاس نقد 7 لاکھ 57 ہزار ایک سو 33 روپے اسماء نواز کے پاس کیش 7 لاکھ 51 ہزار 6 سو 34 روپے۔ حسن نواز کے پاس کیش 8 لاکھ

ایک ہزار تین سو ظاہر کیا۔ نواز شریف نے یو بی ایل میں اپنا صرف 5 ہزار 2 سو 25 روپے کا اکاؤنٹ ظاہر کیا۔ بینک آف پنجاب ایجرٹن روڈ برانچ میں صرف 75 روپے کا کھاتہ بتایا۔ الائیڈ بینک ماڈل ٹاؤن برانچ میں کلثوم نواز کا ایک لاکھ 55 ہزار آٹھ سو روپے کا اکاؤنٹ ظاہر کیا۔ فاروق برکت کے حوالے سے کلثوم نواز کے پاس 11 لاکھ اور شمیم بیگم کے حوالے سے کلثوم نواز کے پاس 16 لاکھ 50 ہزار کے اثاثے ظاہر کیے۔ چودھری شوگر ملز پر نواز شریف نے اپنے ذمے 33 لاکھ 21 ہزار اور کلثوم نواز کے ذمے 28 لاکھ ایک ہزار کا قرضہ ظاہر کیا۔ حدیبیہ شوگر ملز پر نواز شریف نے اپنے ذمے 82 ہزار 80 روپے کا قرضہ بتایا۔ اس طرح نواز شریف نے اپنے ذمہ کل قرضہ 60 لاکھ 21 ہزار 4 سو 38 روپے اور کلثوم نواز کے ذمہ کل قرضہ 29 لاکھ 53 ہزار 80 روپے ظاہر کیا۔ نواز شریف نے اپنے اثاثوں کی کل مالیت 42 لاکھ 5 ہزار اور تخمینہ 85 لاکھ 21 ہزار روپے بتایا۔ کلثوم نواز کے اثاثوں کی کل مالیت 4 کروڑ 25 لاکھ 15 ہزار روپے اور تخمینہ 5 کروڑ 25 لاکھ 40 ہزار بتایا۔ اسماء نواز کے نام اثاثوں کی مالیت 3 کروڑ 9 لاکھ 93 ہزار روپے ظاہر کی۔ نواز شریف نے رائیونڈ پیلس، قیمتی گاڑیوں اور ہیلی کاپٹر کا ذکر نہیں کیا۔

سنٹرل بورڈ آف ریونیو اسلام آباد کے ذرائع کے مطابق میاں نواز شریف کے نام سے پہلی بار 86-1985 میں اتفاق فاؤنڈری لمیٹڈ کے ڈائریکٹر کے نام سے پہلی ٹیکس ریٹرن جمع کرائی گئی، جس پر محکمہ انکم ٹیکس نے انہیں 07.07.0227649 نیشنل انکم ٹیکس نمبر الاٹ کیا تھا۔ اس سال میاں محمد نواز شریف نے 2,43,998 روپے سالانہ آمدنی ظاہر کی جبکہ اس سال 1371969 روپے کی جائیداد ظاہر کی۔ اس پر انہوں نے 2,190 روپے ٹیکس ادا کیا۔ 87-1986 میں تنخواہ اور مختلف کمپنیوں کے شیئرز کے ذریعے نواز شریف نے 366,872 روپے کی آمدنی ظاہر کی۔ اس پر انہوں نے 10698 روپے انکم ٹیکس ادا کیا، اس سال انہوں نے 16,12,022 روپے کی جائیداد ظاہر کرکے 3620 روپے دولت ٹیکس ادا کیا۔ 88-1987 میں انہوں نے

3,18190 روپے سالانہ آمدنی ظاہر کر کے 86,653 انکم ٹیکس ادا کیا۔ 1988-89 میں نواز شریف کی سالانہ آمدنی بڑھ کر 625928 روپے ہوگئی۔ اس پر 23742 روپے انکم ٹیکس ادا کیا گیا۔ اس سال انہوں نے مجموعی طور پر 17,05,619 روپے کی جائیداد ظاہر کی جبکہ محکمہ انکم ٹیکس نے اس جائیداد کی مالیت 19,27324 روپے تشخیص کی جس پر 23548 روپے دولت ٹیکس عائد کیا گیا۔ 1989-90 میں 6482276 روپے کی سالانہ آمدنی پر 16271 روپے انکم ٹیکس ادا کیا گیا جبکہ گزشتہ سال کے مقابلے میں جائیداد کم ہو کر 1185338 روپے مالیت کی رہ گئی۔ انکم ٹیکس حکام نے جائیداد کی مالیت 1572914 روپے قبول کرتے ہوئے 3229 روپے دولت ٹیکس عائد کیا۔ 1990-91 میں نواز شریف کی سالانہ آمدنی بھی کم ہوگئی۔ اس سال انہوں نے 249537 روپے آمدنی ظاہر کی جس پر 51319 روپے انکم ٹیکس ادا کیا گیا۔ اس سال 13,38605 روپے مالیت کی جائیداد ظاہر کی گئی محکمہ انکم ٹیکس نے جائیداد کی قیمت پر اعتراض کرتے ہوئے اسے 2,810260 روپے مالیت قرار دے کر 57,026 روپے دولت ٹیکس وصول کیا۔ 1991-92 میں نواز شریف کی سالانہ آمدنی میں گزشتہ سال کی نسبت قدرے اضافہ ہوا اور یہ بڑھ کر 3,58886 روپے ہوگئی۔ اس پر انہوں نے 57637 روپے انکم ٹیکس دیا۔ اس سال نواز شریف کی جائیداد بھی بڑھ کر 81,32777 روپے مالیت کی ہوگئی۔ محکمہ انکم ٹیکس نے اس جائیداد کی تشخیص 8732061 روپے کی اور اس پر ٹیکس گزار نے ایک لاکھ 68 ہزار روپے دولت ٹیکس ادا کیا۔ 1992-93 میں نواز شریف کی طرف سے جمع کرائے گئے انکم ٹیکس کے گوشواروں میں حیرت انگیز طور پر کمی آئی اور سالانہ آمدنی کم ہو کر صرف 6621 روپے ظاہر کی گئی جبکہ جائیداد کی قیمت میں واضح فرق پڑا۔ اس سال جائیداد کی مالیت 6,3853591 روپے ظاہر کی۔ اس سال انہوں نے ایک لاکھ 69 ہزار روپے ٹیکس ادا کیا۔ 1994-95 میں نواز شریف نے اتفاق فاؤنڈریز کی ڈائریکٹر شپ سے استعفیٰ دے دیا۔ اس سال انہوں نے اپنی سالانہ آمدنی صرف 5 ہزار ظاہر کی یہ رقم ناقابل ٹیکس

آمدنی کے زمرے میں آتی ہے جبکہ دولت ٹیکس کی مد میں ایک لاکھ 40 ہزار روپے جمع کرائے گئے اس سال جائیداد کی مالیت 70,86650 روپے ظاہر کی۔ 1995-96 میں نواز شریف نے صرف کمپنیوں کے حصص سے 4768 روپے سالانہ آمدنی ظاہر کی۔ اس سال انہوں نے 477 روپے انکم ٹیکس ادا کیا اور اس سال نواز شریف نے اپنی کوئی جائیداد ظاہر نہیں کی جبکہ جائیداد کی مد میں 304011 روپے کا نقصان ظاہر کیا۔ محکمے نے اسے تسلیم نہ کیا اور 3 کروڑ 4 لاکھ 13 ہزار 274 روپے کی جائیداد تشخیص کرتے ہوئے سات لاکھ دس ہزار روپے دولت ٹیکس عائد کر دیا جو کہ ٹیکس گزار نواز شریف نے جمع کرا دیا۔ 1996-97 میں نواز شریف نے صرف 8 ہزار روپے زرعی آمدنی ظاہر کی۔ انکم ٹیکس کی ادائیگی کا کیس ابھی زیر التوا ہے۔ اس سال انہوں نے 4 لاکھ 64 ہزار آٹھ سو 63 روپے کی جائیداد ظاہر کی۔ محکمہ انکم ٹیکس نے جائیداد کی مالیت تسلیم نہیں کی اور اس جائیداد کی مالیت 3 کروڑ 14 لاکھ 86 ہزار 410 روپے تشخیص کی۔ اس پر ایک لاکھ 51 ہزار روپے دولت ٹیکس ادا کیا۔ 1997-98 میں نواز شریف نے اپنی سالانہ آمدنی 90 ہزار روپے ظاہر کی۔ انکم ٹیکس کی ادائیگی کا کیس زیر التواء ہے۔ اس سال انہوں نے ایک کروڑ 66 لاکھ 6 ہزار 206 روپے مالیت کی جائیداد پر تین لاکھ 50 ہزار دولت ٹیکس ادا کیا۔ 1998-99 میں نواز شریف نے کوئی جائیداد ظاہر نہیں کی جبکہ انہوں نے جائیداد ظاہر کرنے کے خانے میں اپنے آپ کو 8 لاکھ 58 ہزار دو سو اناسی روپے کا نقصان ظاہر کیا۔ انکم ٹیکس اور دولت ٹیکس کے کیس انکم ٹیکس حکام کے پاس زیر التواء ہیں۔ مالی سال برائے 1999-2000 کیلئے جمع کرائے گئے گوشوارے اور دیگر ریکارڈ فوجی حکام کے قبضے میں ہے۔

نواز شریف کے سیر سپاٹے

جب کوئی سربراہ حکومت غیر ملکی دورے پر جاتا ہے تو اس کے پیش نظر کچھ مقاصد ہوتے ہیں۔ وہ مقاصد حاصل نہ ہوسکیں تو دورہ ناکام کہلاتا ہے۔ پوری دنیا میں سرکاری خزانے سے جب بھی کسی حکمران یا افسر کو بیرونی دورے پر ریاست بھیجتی ہے تو اس کے ساتھ معاونت کے لیے بعض ضروری افراد کو بھی بھیج دیتی ہے۔ تاہم پاکستان میں عجیب دستور ہے کہ قرضہ لینے کے لیے اگر وزیر خزانہ اور انکے ساتھ پانچ چھ افراد کو بیرون ملک جانا ہے تو سوڈیڑھ سو افراد اکٹھے کر لیے جاتے ہیں اور عین ممکن ہے کہ وزیر اعظم بھی ساتھ جانے کا اعلان کر دے ان لوگوں نے ایک اہم کام کو سیر سپاٹا بنا رکھا ہے۔

نواز شریف نے غیر ملکی دوروں پر اپنے ساتھ پوری فوج لے جا کر سرکاری خزانے کو اربوں کا نقصان پہنچایا۔ وزیر اعظم منتخب ہوتے ہی وہ سب سے پہلے مالدیپ اور ترکمانستان گئے۔ جس میں ان کے وفد میں 42 افراد شامل تھے۔ اس کے بعد ترکی اور ایران کا دورہ کیا جس میں 52 افراد ان کے ہمراہ تھے۔ دورہ ملائشیا میں ان کے وفد کے ارکان کی تعداد 83 تھی۔ اپنے دوسرے دور اقتدار میں امریکہ کے پہلے دورے میں ان کے ساتھ 35 افراد تھے۔ ترکمانستان کے اگلے دورے میں وہ صرف 7 افراد کو ساتھ لے کر گئے۔ لیکن برطانیہ کے دورے پر 52 افراد ان کے ساتھ تھے۔ اسی طرح ایران کے

لیے 37 بنگلہ دیش کے دورے پر 62 سعودی عرب 62 سوئٹزر لینڈ اور برطانیہ 41 چین 51 اور پھر سعودی عرب کے اگلے دورے کے لیے ان کے معاونین کی تعداد 37 تھی۔ اس کے بعد نواز شریف نے اٹلی اور بیلجیم کا دورہ کیا جس میں ان کا وفد 59 افراد پر مشتمل تھا۔ ہانگ کانگ 45 قازقستان 45 متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب پر 26 برطانیہ 24 کویت اور قطر 24 سری لنکا اور مالدیپ 34 اور اس کے بعد امریکہ' ڈنمارک اور برطانیہ کے دورہ پر 19 افراد ان کے ساتھ تھے۔

نواز شریف نے کینیڈا' برطانیہ اور ناروے کا دورہ کیا تو ان کے ہمراہ 55 افراد تھے۔ سعودی عرب کے دورے پر وزیر اعظم کے ساتھ افراد کی تعداد 56 تھی۔ متحدہ عرب امارات اور اردن کے دورے میں ان کا وفد 25 افراد پر مشتمل تھا۔ جبکہ بنگلہ دیش 24 اور بحرین کے دورے میں 17 افراد شریک سفر ہوئے۔

سینکڑوں غیر ضروری اور غیر متعلقہ افراد سرکاری خرچ پر دیس دیس کی سیر کرتے رہے۔ نواز شریف خود کو مذہبی ثابت کرنا چاہتے تھے اس کے لیے سینکڑوں افراد کو سرکاری خرچ پر ساتھ لے کر 6 مرتبہ سعودی عرب کا دورہ کیا۔ ان چھ دوروں پر قوم کا 15 کروڑ روپیہ خرچ ہوا اپریل 99ء کے بعد انھوں نے روس' برونائی' سنگاپور' چین' امریکہ' برطانیہ اور سعودی عرب کا دورہ کیا۔ سعودی عرب کے دورے کے دوران وفد میں ان کی اہلیہ کلثوم نواز' بیٹی مریم صفدر متعدد وفاقی وزراء' آرمی چیف اور دیگر سرکاری افسران اور انکی بیگمات بھی شامل تھیں۔

نواز شریف اپنے سفر کے لیے خصوصی بوئنگ طیارہ استعمال کرتے تھے۔ ایٹمی دھماکوں کے بعد انھوں نے ٹی وی پر قوم سے وعدہ کیا کہ وہ یہ طیارہ پی آئی اے کو واپس کر دیں گے۔ لیکن ایسا کرنے کی بجائے الٹا قوم کے مزید 18 لاکھ ڈالر اس کی آرائش پر خرچ کر دیئے گئے۔

''قرض معاف کرالو'' اور قرض اتارو سکیم

1996 میں نیشنل بینک آف پاکستان نے اپنے 20 سب سے بڑے نادہندگان کی فہرست سینٹ کی خصوصی کمیٹی کو پیش کر دی۔ جس کے مطابق سب سے بڑا نادہندہ اتفاق گروپ تھا۔ 1998-99 کے مالی سال کے دوران زرعی ترقیاتی بینک نے 22 صنعتوں کے 70 ''نواز لیگی'' نادہندگان کے 8 کروڑ کے قرضے معاف کئے ان میں کراچی' لاہور' سیالکوٹ' راولپنڈی سمیت دیگر شہروں کے نادہندگان شامل ہیں۔

معزول وزیراعظم نے پاکستان اور بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کی جانب سے ''قرض اتارو ملک سنوارو'' مہم کے لیے عطیہ کے طور پر دیے گئے کروڑوں روپے کی خطیر رقم پر بھی ہاتھ صاف کئے۔ اس رقم کا وزارت خزانہ یا سٹیٹ بینک میں کوئی ریکارڈ نہیں۔ اس مہم میں 2 کروڑ 90 لاکھ ڈالر کے عطیات 50 لاکھ ڈالر کا قرض حسنہ 9 کروڑ ڈالر کے سرٹیفکیٹ اور پاکستانی روپے میں 3 ارب کے عطیات جمع ہوئے۔ تاہم یہ رقم صوابدیدی فنڈ کے طور پر استعمال ہوئی اور اس عرصہ کے دوران اس کا کوئی آڈٹ نہ کرایا گیا اور نہ کہیں اس کا ریکارڈ موجود ہے۔

نواز شریف نے اپنے دور اقتدار میں تعلق داروں اور مسلم لیگ سے وابستہ افراد کے 35 ارب روپے کے قرضے معاف کر کے بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا۔ ان تمام نادہندگان نے مالیاتی اداروں سے مختلف مدوں میں اپنے کاروبار کے لیے بھاری مالیت کے قرضے سیاسی دباؤ کے تحت حاصل کئے۔ جنھیں بعد ازاں کاروبار میں نقصان ظاہر کر کے نواز شریف اور ان کی کابینہ کے ارکان کی سفارش پر

معاف کرایا گیا۔ اکثر قرضے معاف کرانے والے مسلم لیگ کے بڑے رہنما تھے۔ نواز شریف نے جون 98 میں اعلان کیا تھا کہ وہ قرضے ادا کرنے کے لیے اپنے خاندان کے 4 صنعتی یونٹوں سے دستبردار ہو رہے ہیں۔ لیکن انھوں نے اپنی حکومت کی برطرفی تک ان چاروں یونٹوں کو لاہور ہائیکورٹ کی طرف سے نامزد کردہ کمیٹی کے سپرد نہ کیا۔ اس کمیٹی نے 5 ارب روپے سے زائد کے قرضے وصول کرنے کیلئے ان یونٹوں کی لیکویڈیشن کرنا تھی۔

1998-99 جی بی پوٹس اینڈ کمپنی پرائیویٹ لمیٹڈ نے اتفاق گروپ کے اثاثوں کی رپورٹ پیش کی۔ جس کے مطابق اتفاق گروپ نے بینکوں کے 5 ارب 67 کروڑ کے قرضے ادا کرنا ہیں۔ جبکہ اس کے اثاثوں کی کل مالیت 2 ارب 23 کروڑ ہے اور جن یونٹوں سے نواز شریف نے دستبرداری کا اعلان کیا۔ ان کی کل مالیت ایک ارب 80 کروڑ ہے۔

رمضان بخش ٹیکسٹائل ملز کے قرضہ کی مالیت 24 کروڑ 60 لاکھ' رمضان شوگر ملز 11 کروڑ 80 لاکھ اور برادرز سٹیل ملز کے لیے 40 کروڑ 80 لاکھ روپے کا قرضہ لیا گیا۔ نواز شریف کے کزن میاں الیاس معراج کے مطابق وہ رمضان شوگر ملز اور برادرز سٹیل ملز کے ساتھ شیئر ہولڈر کے طور پر رہے ہیں۔ اور نہ ہی کبھی ڈائریکٹر کے طور پر کیا لیکن ان کا نام جعلسازی سے ان صنعتی یونٹوں کے ڈائریکٹر کے طور پر کا شامل کیا گیا۔ ان ملوں کے لیے 77 کروڑ 20 لاکھ کا قرضہ لیا گیا۔ شریف فیملی کے دباؤ کے باعث بینک حکام نے دستخطوں کی تصدیق کی بھی زحمت نہ کی اور قرضے جاری کر دیے بعد ازاں ہینڈ رائٹنگ ایکسپرٹ نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ میاں الیاس معراج کے دستخط جعلی ہیں۔ قومی احتساب بیورو کو فراہم کردہ شہادتوں کے مطابق میاں الیاس معراج کا نام رمضان بخش ٹیکسٹائل ملز کے اکاؤنٹ کھولنے میں ظاہر نہیں کیا گیا۔ جبکہ میمورنڈم اینڈ آرٹیکلز آف ایسوسی ایشن میں میاں الیاس معراج کے دستخط والی جگہ خالی رکھی گئی ہے جبکہ 6 دیگر خاندانوں' شریف' سراج' برکت' عزیز اور بشیر نے اس دستاویز پر دستخط کئے ہیں۔

نوازشریف نے 25 کروڑ کی سرکاری مشینری تعمیراتی کمپنی کو بخش دی

سابق وزیر اعظم نواز شریف کے حکم پر نیشنل ہائی وے اتھارٹی نے لاہور اور اسلام آباد کے درمیان موٹر وے کے منصوبے ایم ٹو کی تعمیر میں استعمال ہونے والی 25 کروڑ کی جدید مشینری موٹر وے کے پنڈی بھٹیاں اور فیصل آباد کے تعمیراتی منصوبے ایم تھری کے ٹھیکیدار شیخ محمد یوسف کی فرم حسنین کنسٹرکشن کمپنی کو تحفے میں دے دی گئی۔ اس مشینری میں روڈ رولر، گریڈر، پیور کنسٹریز اور بلڈوزر شامل ہیں۔ رپورٹ کے مطابق حسنین کنسٹرکشن کمپنی نے جب معزول وزیر اعلم نواز شریف سے تفصیلی مذاکروں کے بعد پنڈی بھٹیاں فیصل آباد موٹر وے کا ٹھیکہ حاصل کیا۔ تو شیخ محمد یوسف نے نیشنل ہائی وے اتھارٹی کے معاہدے کے تحت موبلائزیشن ایڈوانس کے طور پر 10 کروڑ روپیہ طلب کیا۔ جس پر نواز شریف نے چیئر مین نیشنل ہائی وے اتھارٹی کے مشورے کے بعد ڈائیو کمپنی کی مشینری شیخ یوسف کو دلوا دی۔ شیخ یوسف نے صرف ایک ہفتے میں تمام مشینری لاہور اسلام آباد موٹر وے کے مختلف سٹوروں سے اٹھوائی اور ایم تھری کے پراجیکٹ پر لگانے کی بجائے ملک کے مختلف علاقوں میں تعمیراتی کام کرنے والی فرموں کو کرائے پر دے دی اور بعض مشینوں میں سے قیمتی پرزے اور ہائیڈرالک سسٹم اتار کر اپنی مشینری کو لگا دیا۔ چند ماہ بعد نیشنل ہائی وے اتھارٹی کے بااختیار افسروں کے ''مشورے'' کے بعد ایک رپورٹ بھیج دی کہ ڈائیو کمپنی کی مشینری ناکارہ ہے۔ اس لیے اس کی مرمت کے 10 کروڑ کے اخراجات دیے

جائیں۔ ذرائع کے مطابق ابھی تک نیشنل ہائی وے اتھارٹی اور شیخ یوسف کی تعمیراتی کمپنی میں خط و کتابت جاری ہے جبکہ پنڈی بھٹیاں، فیصل آباد سیکشن پر موٹر وے کے منصوبے ایم تھری پر کام عملی طور پر رکا ہوا ہے۔ اور ایک سال گزرنے کے باوجود ابھی تک صرف 5 میل سڑک پر مٹی ڈالی گئی ہے۔ جبکہ حسنین کنسٹرکشن کمپنی ادائیگی لے چکی ہے۔ شیخ یوسف ڈائیو کے پراجیکٹ کی حاصل کی گئی مشینری سے لاکھوں روپے روزانہ کے حساب سے کرایہ لے رہے ہیں جبکہ اسی مشینری کا ریکارڈ غائب ہے۔



کشکول توڑنے کا دعویٰ کرنے والے میاں نواز شریف جلسہ سے خطاب کر رہے ہیں۔

نواز شریف کے لندن میں فلیٹس

پارک لین لندن کا انتہائی بیش قیمت اور فیشن ایبل علاقہ شمار ہوتا ہے۔ یہ علاقہ ملکہ برطانیہ کی رہائش گاہ بکنگھم پیلس سے لیکر آکسفورڈ سٹریٹ کے کونے تک کشادہ ہے۔ اس کے وسط میں واقع دو دیدہ زیب فلیٹس ہر گزرنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔ یہ دونوں فلیٹس سابق وزیر اعظم نواز شریف کی ملکیت ہیں لیکن وہ انھیں اپنے اثاثوں میں ظاہر نہیں کرتے۔ جنرل پرویز مشرف کی جانب سے اقتدار سنبھالنے کے بعد نواز شریف کے چھوٹے صاحبزادے حسن نواز ان ہی فلیٹس میں مقیم ہیں اور وہیں سے فوجی حکومت کے خلاف واجپائی کو مدد کی درخواست بھیجتے ہیں اور پھر کلنٹن اور برطانوی ارکان پارلیمنٹ سے مشرف حکومت کے خلاف اقدامات کی اپیل کرتے ہیں۔

لندن میں مقیم ایک ذمہ دار شخصیت کے توسط سے پاکستان کے ایک اہم ترین ادارے کو شریف خاندان کے لندن میں اثاثوں اور خفیہ اکاؤنٹس کی دستاویزات بھیجی گئیں۔ ان دستاویزات سے انکشاف ہوتا ہے کہ لندن میں مذکورہ فلیٹ شریف خاندان کی طرف سے منی لانڈرنگ کے ذریعے منتقل ہونے والی دولت سے خریدے گئے۔ منی لانڈرنگ کس طرح اور کس کے ذریعے ہوئی ان دستاویزات سے سب معلوم ہو جاتا ہے۔ سٹمپ ڈیوٹی ریکارڈ کے مطابق یہ فلیٹس 45 کروڑ کی اس رقم سے خریدے گئے جو منی لانڈرنگ کے تحت منی لانڈرنگ سے لندن منتقل کی گئی۔ آرائش و زیبائش اور دیگر اضافوں کے بعد ان فلیٹس کی مالیت 95 کروڑ تک بتائی جاتی ہے۔ دونوں فلیٹوں میں تیس تیس کرسیوں والا

ڈائننگ میز اور ہر فلیٹ میں چھ بیڈ رومز ہیں۔ ہر فلیٹ میں دو سنگل اور چار ڈبل بیڈ رومز ہیں' دونوں دو دو منزلہ ہیں ان میں پورچ' لاؤنج اور دیگر تمام حصے اور سہولیات موجود ہیں۔ ہر بیڈ روم میں ایک ایک بیڈ 5 سے 7 ہزار پاؤنڈ مالیت کا ہے۔ ان میں نصف تعداد مساج بیڈ پر مشتمل ہے۔ حسن نواز جس فلیٹ میں مقیم ہیں اس میں نواز شریف کی قد آدم تصویر آویزاں ہے۔ نواز شریف فیملی کے مطابق وہ ان فلیٹس میں کرائے دار کی حیثیت سے رہتے ہیں جبکہ برطانوی ریکارڈ کے مطابق فلیٹس نواز شریف کے فرنٹ مین کے نام پر ہیں اگر ان فلیٹس کے کرائے کا اندازہ لگایا جائے تو وہ ماہانہ 14 لاکھ روپے بنتا ہے۔ فلیٹوں کی خریداری کے بعد وہاں انتہائی بیش قیمت لکڑی کا کام کرایا گیا۔ دنیا کے مہنگے ترین قالین بچھائے گئے اور انتہائی قیمتی فانوس لگائے گئے۔

فلیٹس کی خریداری کے لیے منی لانڈرنگ کا طریقہ کار بھی قابل غور ہے

26 اگست 1992 کو 11 بج کر 25 منٹ پر ایک شخص محمد رمضان نے حبیب بنک اے جی زیورخ لاہور میں 300 ڈالروں کے ذریعے فارن کرنسی سیونگ اکاؤنٹ کھلوایا۔ محمد رمضان نے فارم پر اپنا پتہ مکان نمبر 15 سٹریٹ نمبر 6 سنت نگر لاہور لکھا اکاؤنٹ نمبر 1065-202120 الاٹ کیا گیا۔ اسی روز اس وقت ایک اور شخص اصغر علی نے اسی برانچ میں 200 ڈالر سے ایک اکاؤنٹ کھلوایا چونکہ منی لانڈرنگ کا یہ کھیل مذکورہ برانچ سے سٹی بنک اور پھر وہاں سے لندن تک کھیلا جانا تھا۔ لہذا اسی روز لاہور میں واقع سٹی بنک میں بھی ایک خاتون سکندرہ مسعود قاضی کے نام سے ڈیڑھ لاکھ ڈالر کا فارن کرنسی اکاونٹ کھولا گیا۔ جس کا لوکل کرنسی اکاؤنٹ نمبر ایل سی وائی 0816279011 اور فارن کرنسی اکاؤنٹ نمبر سی وائی 5816279107 تھا۔ حبیب بنک اے جی زیورخ میں محمد رمضان اور اصغر نے اکاؤنٹ کھولنے کے لیے جو فارم جمع کرائے ان میں دونوں کے نام اور گھر کے پتے درج ہیں۔ کوائف کے باقی تمام ضروری خانے خالی ہیں جن میں پاسپورٹ نمبر' پاسپورٹ کے اجراء کی تاریخ' قومیت' پاکستان کا شناختی کارڈ نمبر' تصدیق کنندہ کے دستخط' مکمل پتہ اور بنک کے

نام خصوصی ہدایات کے کالم شامل ہیں۔ کروڑوں کی ڈیل کے نئے نامکمل فارم کی اجازت صرف اور صرف ملک کی اہم ترین شخصیات کی سفارش پر منی لانڈرنگ کے بڑے کھیل کے لیے ہی دی جا سکتی ہے۔

اصغر علی کے فارم کے اوپر والے حصے پر خاص طور پر لکھا گیا ہے No Correrpondent یعنی اکاؤنٹ کے بارے کوئی خط وکتابت نہیں کی جائے گی۔ سٹی بنک میں سکندرہ مسعود قاضی کے نام سے جو فارم اکاؤنٹ کھولنے کے لیے جمع کرایا گیا۔ اس میں تاریخ پیدائش 29 اکتوبر 1939 پاسپورٹ کا نمبر 806576\0 نیشنلٹی برٹش اور رہائشی ملک برطانیہ ظاہر کیا گیا ہے۔ معرفت کیلئے لاہور کا پتہ 7 ایچ گلبرگ 3 درج ہے۔ اس فارم میں بھی کوائف کے کئی ضروری کالم خالی چھوڑ دیے گئے ہیں۔ محمد رمضان اور اصغر علی کے فارم پر لکھائی ایک ہی شخص کی محسوس ہوتی ہے۔ دونوں نے اکاؤنٹ کھولتے ہی فی کس 2 لاکھ ڈالر جمع کرائے۔ دلچسپ بات دیکھیں کہ 26 اگست 92ء کو 11 بج کر 25 منٹ پر مذکورہ اکاؤنٹس پر 96 کروڑ کا قرضہ لیا گیا۔ اس رقم پر بنک نے ایک ایک لاکھ روپے مالیت کے کئی بیئررز سرٹیفکیٹ جاری کئے اور پھر یہ سرٹیفکیٹس اور دوسری رقوم سٹی بنک میں سکندرہ قاضی کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دی گئیں۔ نواز حکومت نے اس کام کے عوض سٹی بنک کو چار بڑے اداروں کے اکاؤنٹس دیے۔ تحقیقات میں اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ اگر حبیب بنک اے جی زیورخ میں کھلوائے گئے اکاؤنٹس عام شخصیات کے ہوتے تو ان پر دیے جانے والے قرض پر بنک مکمل سود وصول کرتا لیکن بنک نے صرف اور صرف 2 فیصد سادہ سود (یعنی مرکب نہیں) پر قرضہ جاری کر دیا۔ مزید حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ حبیب بنک زیورخ سے 2 فیصد حاصل کی گئی رقم سکندرہ مسعود قاضی کے سٹی بنک اکاؤنٹ میں 11 فیصد شرح سود کے منافع کے ساتھ فکسڈ ڈیپازٹ کے طور پر جمع کرا دی گئی اور اس پر یہ شرط رکھی گئی کہ سٹی بنک حبیب بنک کو 2 فیصد سود بھی اس منافع میں سے خود ادا کرے گا اور مزید یہ کہ سٹی بنک سے حاصل ہونے والے 11 فیصد سود کو مرکب یعنی سود در سود کر دیا گیا۔ حبیب بنک کی رقم پر گھر بیٹھے کروڑوں روپے منافع مذکورہ

شخصیات کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتا رہا۔ اس طرح حبیب بنک کو سود ملتا اور سٹی بنک میں 9 فیصد (11 فیصد سے 2 تخفیف کر کے) سود مرکب جمع ہوتا رہا۔ ریکارڈ کے مطابق 23 ماہ بعد سٹی بنک سے 96 کروڑ کی رقم واپس نکلوائی گئی اور حبیب بنک کو اس کا قرضہ واپس دے دیا گیا۔ جبکہ مذکورہ شخصیات کے اکاؤنٹس میں 65 کروڑ 20 لاکھ کا سود منافع کی شکل میں جمع ہو گیا۔

بعد ازاں 65 کروڑ 20 لاکھ کی رقم سٹی بنک نے لندن منتقل کر دی۔ جس میں سے ذرائع کے مطابق شریف فیملی کے فرنٹ مین نے 45 کروڑ روپے مالیت سے پارک لین میں دو فلیٹ خریدے اور یوں منی لانڈرنگ کا یہ کھیل مکمل ہوا۔

البتہ خفیہ اکاؤنٹس کے ذریعے منی لانڈرنگ کی جو دستاویزات برآمد ہوئی ہیں ان کی مزید تحقیقات جاری ہیں۔ بنک قانون کے مطابق سکندرہ قاضی صرف وہی ڈیڑھ لاکھ ڈالر سود کے ساتھ بیرون ملک منتقل کر سکتی تھی جو اس نے اکاؤنٹ کھلواتے وقت سٹی بنک میں جمع کرائے تھے۔ مگر اقتدار اور طاقت نے قانون کو تماشا بنا دیا۔

ذرائع کے مطابق لندن میں شریف خاندان کے فلیٹوں، اثاثوں اور خفیہ بنک کھاتوں کا نگران سجاد بٹ نامی شخص ہے۔ سکندرہ قاضی کون ہے؟ یہ کوئی اتنی ڈھکی چھپی بات نہیں چند برس قبل نواز شریف فیملی کے لیے فرنٹ مین کا کام کرنے والی قاضی فیملی کا سکینڈل منظر عام پر آ چکا ہے۔ اس بارے میں شریف خاندان مسلسل تردید کرتا رہا ہے۔ لندن کے لاکرز سے برآمد ہونے والی دستاویزات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قاضی فیملی ہی شریف خاندان کے لیے کام کرتی رہی ہے۔

شریف خاندان لاکھ کہے کہ یہ فلیٹ اس کے نہیں لیکن حسن نواز کی وہاں مستقل رہائش اور دستاویزی ثبوت اس بات کی دلیل ہیں کہ ''میدان پاکستان'' نے آخر وہی کچھ کیا جو دوسرے رہنما اس قوم کے ساتھ کرتے رہے۔

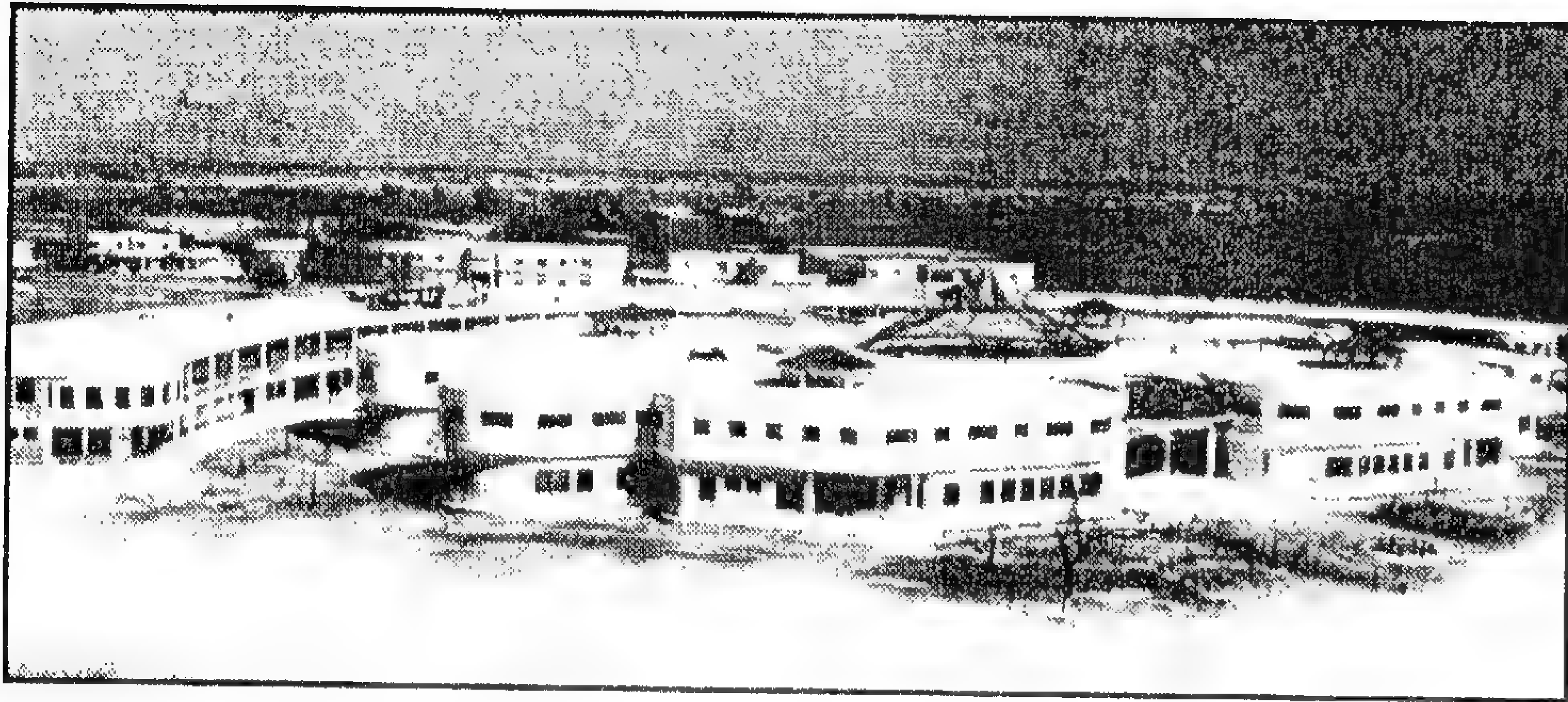
میرا گھر سکیم

دوسرے سیاسی نعروں اور منصوبوں کی طرح میرا گھر سکیم بھی بے گھروں کے نام پر کئی کئی ایکڑ کے بنگلے رکھنے والوں کو نوازنے کے لیے تیار کی گئی۔ وزیراعظم ہاؤسنگ پراجیکٹ یا میرا گھر سکیم کے تحت پورے ملک میں دس مقامات پر 10 ہزار مکانات کی تعمیر کا ٹھیکہ صرف 3 ارب روپے میں سیف الرحمٰن کی کمپنی ''ریڈکو'' کو دیا گیا۔ ریڈکو نے حکومت سے حاصل کردہ یہ ٹھیکہ آگے جرمنی کی کمپنی ایمرسن کو 21 ارب میں دیدیا۔ اس طرح ریڈکو نے جو ٹھیکہ 3 ارب میں حاصل کیا وہ لمحوں میں ہی 18 ارب کا منافع کما کر آگے بیچ دیا۔

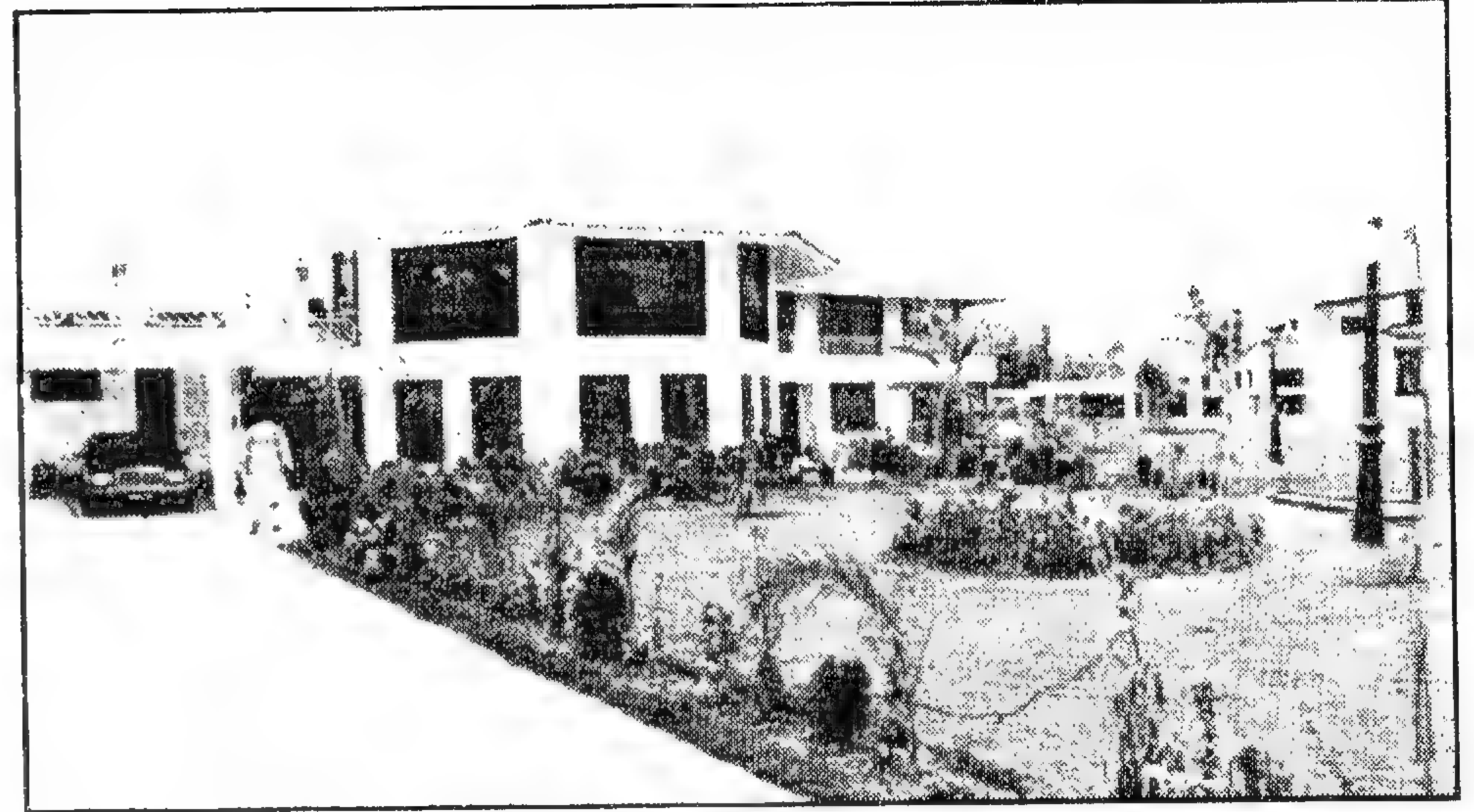
ایمرسن کمپنی کو کہا گیا کہ مکان بنانے کیلئے جو زمین پسند آئے اس پر قبضہ کر لے۔ اسلام آباد میں ہاؤسنگ سکیم کے نام پر جو اراضی خریدی گئی۔ اس کی مارکیٹ ویلیو 12 ارب روپے تھی جبکہ یہ اراضی سی ڈی اے سے صرف 6 ارب میں لی گئی۔ سی ڈی اے کے چیئرمین نے اس سودے کی مخالفت کی تو انھیں ٹرانسفر کر دیا گیا اور زمین حاصل کر لی گئی۔ باقی مقامات کے لیے واپڈا اور ریلوے کو سیف الرحمٰن نے خود خطوط لکھے کہ اپنی اپنی خالی پڑی اراضی بتائیں اور ہمیں مارکیٹ سے آدھی قیمت پر دیں ورنہ ہم قبضہ کر لیں گے۔ 400 ارب کی سب سے بڑی اور ملکی معیشت کو تباہ کرنے والی یہ سکیم صرف چند ارب کمیشن لینے کے لیے تیار کی گئی۔

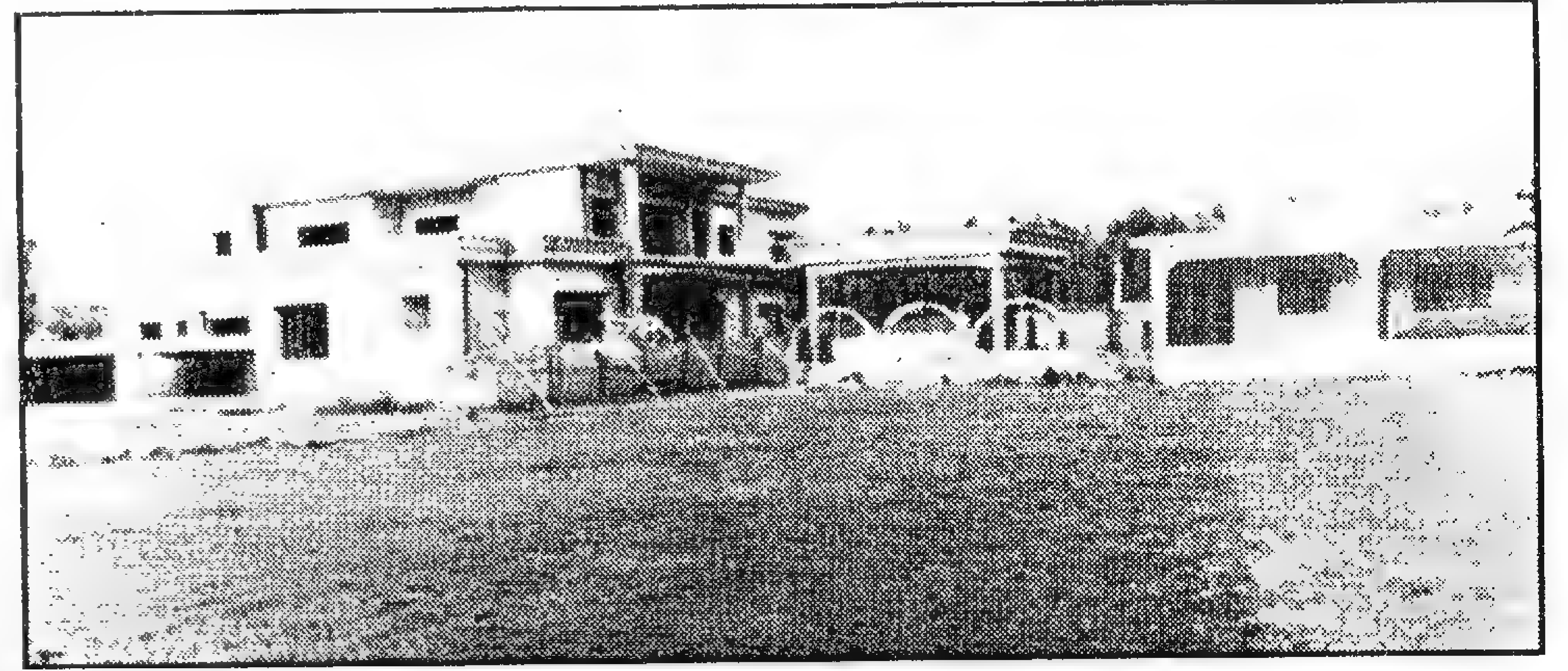
کشکول توڑنے اور خود انحصاری کا درس دینے والے وزیراعظم نے غیر ملکی امداد

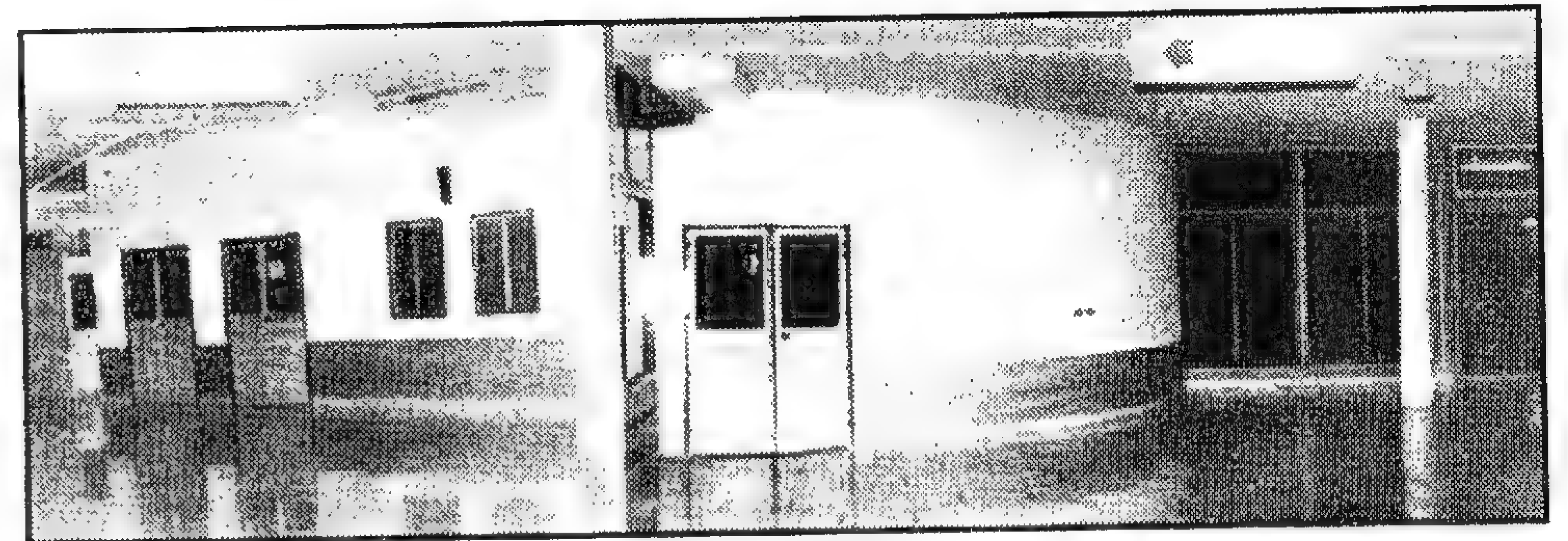
حاصل کرنے اور اپنے کاروبار کو وسعت دینے اور ذاتی مفادات کی خاطر غیر ملکی دوروں پر اربوں روپے اڑا دیے۔ صرف دسمبر 98ء کے پہلے ہفتے میں سابق وزیراعظم نواز شریف نے 100 رکنی وفد کے دورہ پر کروڑوں روپے حکومتی خزانے کے خرچ کرا دیے اور واشنگٹن میں تین روزہ قیام کے دوران پاکستان کے سفارت خانے کے ذریعے 50 لیموزین کاریں کرائے پر حاصل کی گیں۔ ایک گاڑی کا کرایہ 40 ڈالر فی گھنٹہ تھا۔ یہ گاڑیاں صبح آٹھ سے رات 11 بجے تک وفد کے استعمال میں رہتیں۔ وفد کے ارکان فائیو سٹار ہوٹلوں میں قیام پذیر رہے اور دورہ امریکہ کی مناسب کوریج کے لیے ''لاجسٹک خرچ'' پر کروڑوں روپے خرچ آئے۔ اس وفد میں حکومتی خرچ پر نہ صرف غیر ضروری افراد بلکہ وزراء کی بیگمات کی بھی بڑی تعداد شامل تھی۔ بینظیر نے اس دورے کو تفریحی قرار دیا کیونکہ ایٹمی دھماکوں کے بعد لگائی جانے والی پابندیاں امریکہ پہلے ہی اٹھانے کا اعلان کر چکا تھا۔



خود انحصاری کا درس دینے والے معزول وزیراعظم کے رائیونڈ محل کا ایک منظر







پاکستان کے نمبرون امیر خاندان شریف فیملی کی رائیونڈ سلطنت کا خوبصورت منظر

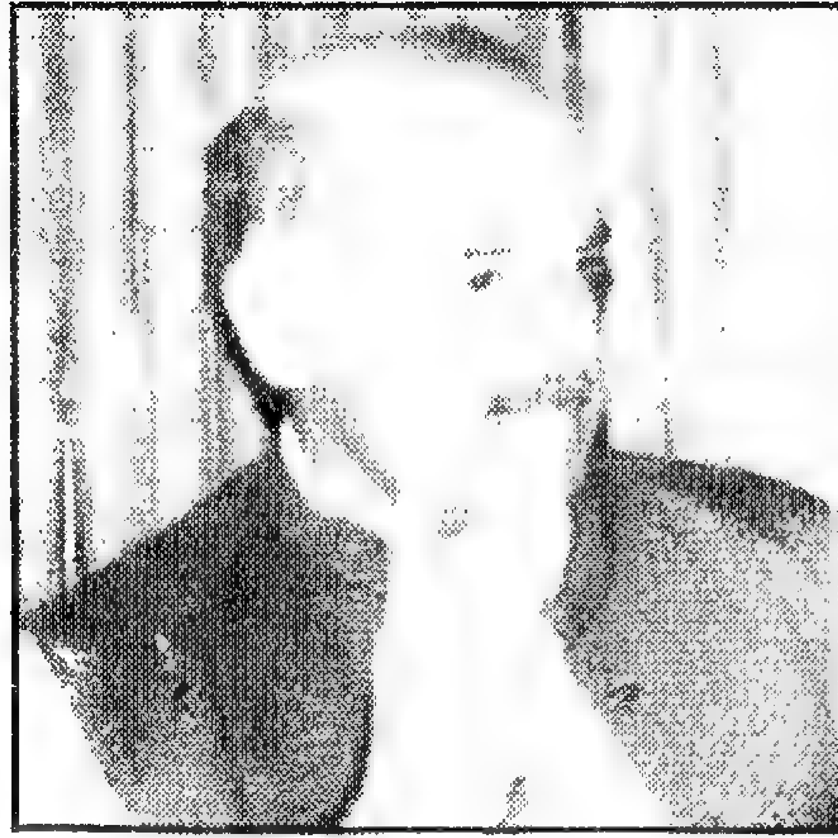
شہباز شریف، ٹیکنیکل ادارے اور گرین ٹریکٹر سکیم

سابق وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف نے اپنے رشتہ دار اور ملت ٹریکٹرز کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے چیئرمین کو نوازنے کے لیے اور 90 کروڑ ڈالر کی غیر ملکی امداد کو ہڑپ کرنے کے لیے پنجاب بھر کے دو سو ٹیکنیکل اداروں کو مکمل طور پر ان کے حوالے کر دیا۔ جس سے ان اداروں سے وابستہ 8 ہزار افراد اور ان اداروں کا مستقبل تباہی کے کنارے کھڑا کر دیا۔ دراصل آئی ایم ایف اور دیگر مالیاتی اداروں نے پنجاب میں ٹیکنیکل ایجوکیشن کی ترجیح اور نئی نسل کو ہنرمند بنانے کے لیے 90 کروڑ ڈالر امداد دینے پر رضامندی ظاہر کی۔ یہ رضامندی مئی 99ء میں اس وقت ظاہر کی گئی۔ جب شہباز شریف ملت ٹریکٹرز کے چیئرمین سکندر ایم مصطفیٰ کے ہمراہ بیرون ملک دورے پر تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان مالیاتی اداروں نے صرف یہ شرط رکھی تھی کہ یہ امداد این جی اوز کو دیں گے۔ جس کے بعد پاکستان آتے ہی شہباز شریف کے دست راست شفقت علی، سکندر ایم مصطفیٰ نے فوری طور پر ایک اتھارٹی تشکیل دے دی۔ جس کا نام ٹیکنیکل ایجوکیشن اینڈ ووکیشنل ٹریننگ اتھارٹی رکھا گیا۔ سرکاری سطح پر اس کا نوٹیفکیشن جاری کیا گیا۔ جس کے تحت پنجاب بھر کے تمام ٹیکنیکل اور ہنر سکھانے والے ادارے اس اتھارٹی کو سونپ دیئے گئے۔ اس کے ساتھ ہی وزیر اعلیٰ پنجاب نے زکوٰۃ کا 5 ارب روپیہ بھی اس

اتھارٹی کے حوالے کر دیا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس اتھارٹی کے قیام اور صوبہ بھر کے ٹیکنیکی اداروں کے حوالے کرنے کی سیکرٹری ایجوکیشن شہزاد قیصر‘ سیکرٹری انڈسٹری اور چیف سیکرٹری نے مخالفت کی بلکہ اسے ٹیکنیکل تعلیم کی موت قرار دیا۔ مگر اس کے باوجود اپنے رشتہ دار کی فرمائش اور اسے ارب پتی بنانے اور بھاری کمیشن حاصل کرنے کے لیے حکم نامہ جاری کر کے ان اداروں سے وابستہ افراد جن کی تعداد 8 ہزار کے قریب بنتی ہے کا مستقبل خراب کر دیا۔ دوسری جانب وزیراعظم نواز شریف بھی سکندر مصطفیٰ کو نوازنے کے میدان میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔ انھوں نے گرین ٹریکٹر سکیم کے نام سے کسانوں کو فی ٹریکٹر ایک لاکھ روپیہ رعائت دینے کا اعلان کیا اور کسانوں کی حمائت حاصل کرنے کی کوشش کی جبکہ دوسری طرف سکندر مصطفیٰ کی فیکٹری کے 5 ہزار ٹریکٹر فروخت کرا کے سب سڈی کی مد میں ملک کے اندر شدید اقتصادی بحران کے باوجود سرکاری خزانے سے 50 لاکھ سے زائد رقم اپنے عزیز کو ادا کر دی۔

28 مئی 1998ء کو جب ایٹمی دھماکوں کے بعد یو بی ایل کے صدر زبیر سومرو کے اس نوٹ کے بعد کہ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اتفاق گروپ کہاں دیوالیہ ہوا؟ اور یہ کہ انھیں قرضہ نہیں دیا جاسکتا اور کریڈٹ انفارمیشن بیورو سٹیٹ بینک آف پاکستان کی رپورٹ کے مطابق اتفاق گروپ 3 ارب 79 لاکھ روپے کا ڈیفالٹر ہے اس لیے اس گروپ کو قرضہ نہیں دیا جا سکتا حالانکہ اس قرضے کیلئے جو درخواست دی گئی اس پر سب سے زیادہ اعتراض یو بی ایل کے ریجنل چیف لاہور نے کیا۔ انھوں نے کہا کہ سٹیٹ بینک کے واضح ضابطوں کے مطابق کسی ایسے گروپ کو جس کے پہلے قرضے ہوں مزید نئے قرضے نہیں مل سکتے۔ ٹھیک اس روز یو بی ایل پاکستان کے صدر زبیر سومرو کے فائنل نوٹ پر معزول وزیر اعظم نواز شریف کے صاحبزادے حسین نواز نے چوہدری شوگر ملز کے لیے 200 ملین روپے یعنی بیس کروڑ کا قرض منظور کرا لیا اور 29 مئی کو یہ رقم وصول کر لی جبکہ ٹی وی پر وزیر اعظم یہ اعلان کر رہے تھے کہ وہ اپنے سارے قرضے واپس کرنے کو تیار ہیں۔

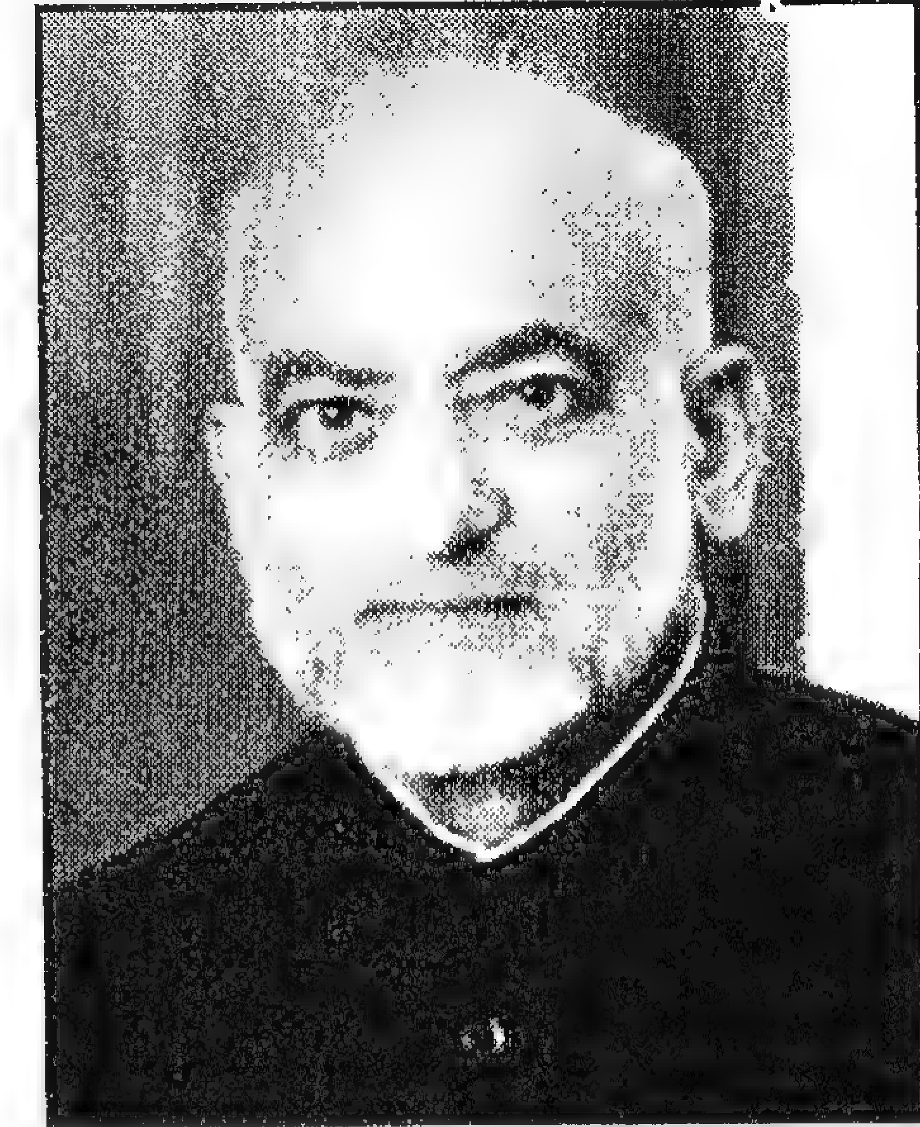


شہباز شریف‘ نائب تحصیل داروں اور تھانیداروں کی بھرتیاں

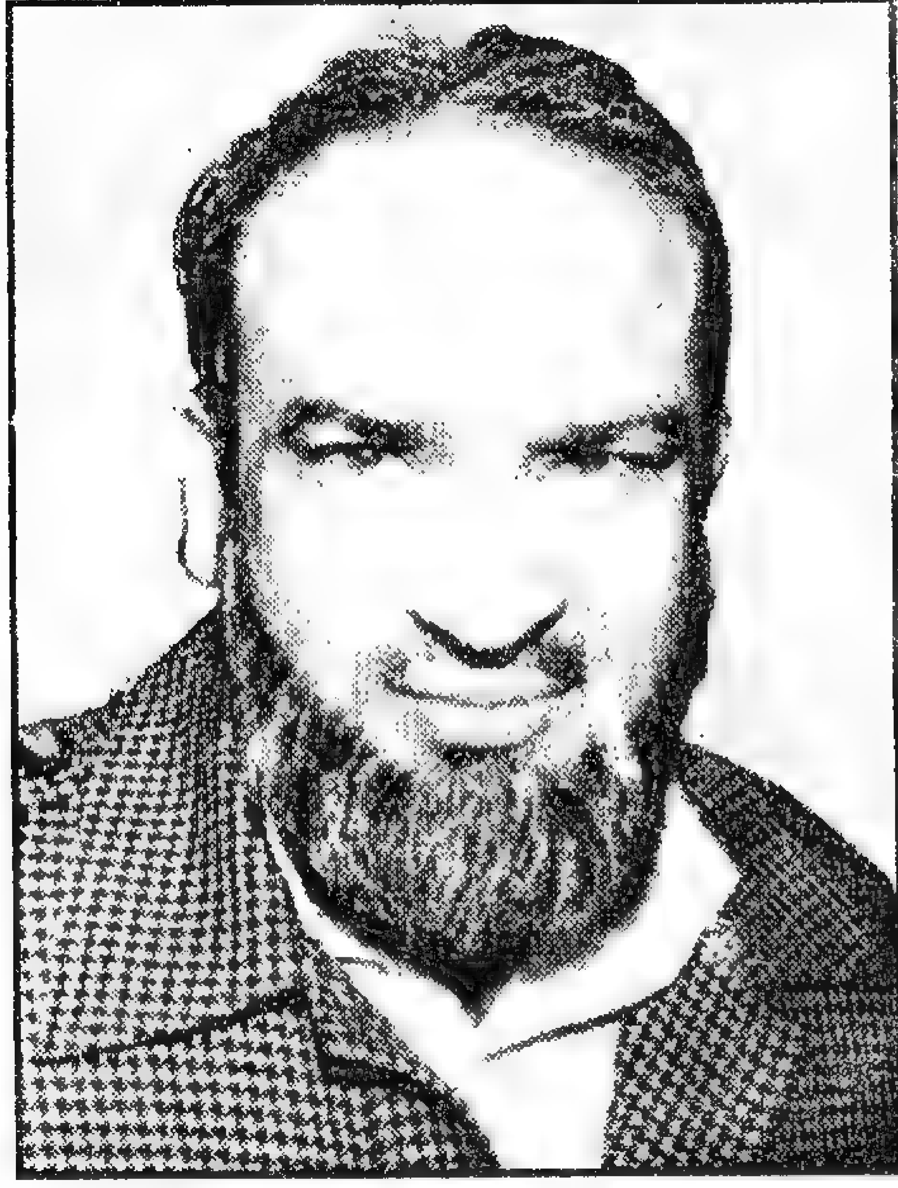
جنرل ضیاء کے مارشل لاء دور میں صوبائی وزیر خزانہ رہنے والے نواز شریف 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں اور گورنر پنجاب غلام جیلانی خان کی خصوصی شفقت سے وزیراعلیٰ بن گئے۔ ان کے دکھ دور ہونے لگے تو خود کو مضبوط بنانے کے لیے انھوں نے ایک عجیب حکمت عملی اپنائی کہ ارکان اسمبلی کو اپنے ساتھ رکھنے کیلئے جہاں چھانگا مانگا میں انھیں لیجا کر کئی روز تک جشن منانے کا موقع دیا وہاں ان کے نالائق اور مجرم بیٹوں اور بھانجے بھتیجوں کو نائب تحصیلدار اور تھانیدار بھرتی کرنے کا حکم دیدیا۔ اس کام کے لیے انھوں نے میاں شہباز شریف کے ہاتھ میں تمام معاملات دے دیئے۔ اب پٹواری جو پہلے ہی رشوت کے عادی تھے ان نائب تحصیلداروں کا بھی سائلین سے حصہ مانگنے لگے۔ سفارشی پولیس افسروں نے بس ڈکیتیاں شروع کر دیں۔ تمام بھرتیاں 1974ء کے ریکروٹمنٹ ایکٹ کی خلاف ورزی کر کے کی گئیں۔ 2800 سے

زائد افراد کو بڑے پیمانے پر رشوت وصول کر کے گریڈ 17 میں بھرتی کیا گیا۔ 4000 سے زائد افراد کو گریڈ 11 سے 16 میں کھپا دیا گیا۔ جبکہ 1700 افراد کو نچلے گریڈوں میں بھرتی کیا گیا۔ ایسے افراد جن کا تقرر پبلک سروس کمیشن کے ذریعے ہونا تھا۔ انھیں خلاف قانون، تعلیمی معیار، تجربہ اور عمر وغیرہ کے سلسلے میں خصوصی رعائت دی گئی اور عوض میں بھاری رقوم حاصل کی گئیں۔ اس زمانے کا ریکارڈ گواہ ہے کہ ارکان اسمبلی میں آسامیاں باقاعدہ بانٹی جاتی تھیں اور اس سلسلے میں تمام قواعد وضوابط ارکان اسمبلی کی صوابدید پر چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ نواز شریف کے حکم پر 1985ء سے 1993ء تک محکمہ پولیس میں 1645 اے ایس آئی بھرتی کئے گئے۔ پورے پنجاب کے لیے مختص 53 ٹریفک ساجنٹ میں سے 18 صرف لاہور کے تھے۔ 580 تحصیلداروں کو پبلک سروس کمیشن کی منظوری کے بغیر مقرر کیا گیا۔ نائب تحصیلدار کی 284 آسامیوں میں سے 177 کو اپنے احکامات کے تحت پر کیا ان میں سے 55 افراد لاہور کے رہنے والے تھے۔

(سابق وزیر اعلیٰ عارف نکئی کے 22 جون 1996 کو اسمبلی میں خطاب سے اقتباس)



میاں نواز شریف کے والد میاں محمد شریف



عباس شریف کے فارن کرنسی اکاؤنٹس

نواز شریف نے اپنے ''تبلیغی'' بھائی عباس شریف کے فارن کرنسی اکاؤنٹس کے خلاف تحقیقات کرنے والے ایف آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر سجاد مصطفیٰ باجوہ کی تحقیقات کو یکسر مسترد کرتے ہوئے اسے معطل کر کے اس کے خلاف انکوائری کے احکامات جاری کر دیے اور وزارت داخلہ کے ایک ڈپٹی سیکرٹری کو تحقیقاتی افسر مقرر کیا۔ مگر انھوں نے انکار کر دیا جس کے بعد وزارت داخلہ کے ایک جوائنٹ سیکرٹری کو یہ ذمہ داری سونپی گئی۔

ایف آئی اے کے معطل اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے عباس شریف کے لاہور میں دوبا بینک میں فارن کرنسی اکاؤنٹس کے سلسلے میں تحقیقات کی تھیں۔ اس افسر پر الزام لگایا گیا کہ انھوں نے عدالت سے اجازت حاصل کئے بغیر عباس شریف کے فارن کرنسی اکاؤنٹس کی تحقیقات کیں۔ وزیر داخلہ نے ایف آئی اے کو حکم دیا کہ سجاد مصطفیٰ کے خلاف چارج شیٹ جمع کرائی جائے۔ جس پر ان کے خلاف چارج شیٹ جمع کرا دی گئی۔ اس پر الزام تھا کہ اس نے اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے دوبا بینک حکام کو کہا کہ عباس شریف کے فارن کرنسی اکاؤنٹس اور حدیبیہ پیپر ملز کے اکاؤنٹس اور حمزہ سپننگ ملز کے

بارے میں ریکارڈ انھیں فراہم کریں جبکہ انھوں نے بینک آف امریکہ میں بھی عباس شریف کے فارن کرنسی اکاؤنٹس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ چارج شیٹ میں کہا گیا کہ سجاد مصطفیٰ نے معاشی اصلاحات اور تحفظ کے 1992 کے ایکٹ ''PEAR'' کی خلاف ورزی کی ہے جس کے تحت فارن کرنسی اکاؤنٹس کسی قسم کی انکوائری سے مستثنیٰ ہیں۔ تاہم اینٹی کرپشن کے ڈائریکٹر محمد اظہار خان نے اس چارج شیٹ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ 1992 کے ایکٹ میں اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی کہ آیا ایجنسی فارن کرنسی اکاؤنٹس کی تحقیقات کرسکتی ہے یا نہیں۔ انھوں نے کہا کہ ایف آئی اے پر اس سلسلے میں کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ ڈائریکٹر اینٹی کرپشن نے سیکرٹری اسٹیبلشمنٹ کو خط لکھا اور بتایا کہ سجاد مصطفیٰ نے امریکہ سے کوئی معلومات حاصل نہیں کیں۔ صرف دوہا بینک لاہور میں عباس شریف کے اکاؤنٹس کا پتہ چلایا تھا اور ایسا سیشن جج لاہور کی اجازت سے کیا گیا۔ تاہم اس افسر کا جرم اتنا بڑا تھا کہ بے گناہ قرار دیے جانے کے باوجود اسے معطل کر دیا گیا۔

نواز شریف اور ہیلی کاپٹر

نواز شریف اور سیف الرحمٰن نے 3 سال تک ہیلی کاپٹروں کی خریداری چھپائے رکھی۔

بحوالہ

28 فروری 2000ء

مسٹر.........

جج احتساب عدالت اٹک

جناب والا!

عنوان: ریفرنس برائے اختیار سماعت جرائم زیر دفعہ 9 (الف)(3)'(4)'(5) اور قابل تعزیر دفعہ 10 (الف) اور (ب) قومی احتساب بیورو آرڈیننس 1999ء دفعہ 18 کے تحت یہ ریفرنس دائر کیا جاتا ہے۔ تاکہ زیر دفعہ 9 (الف)(3)'(4)'(5) اور (6) جرائم کی سماعت کا تعین کیا جائے جو قومی احتساب بیورو آرڈیننس 1999ء کی دفعہ 10 (الف) اور (ب) کے تحت قابل تعزیر ہے تاکہ مندرجہ ذیل ملزمان کے خلاف مقدمہ چلایا جائے۔

1- میاں محمد نواز شریف ولد میاں محمد شریف' سابق وزیراعظم پاکستان ساکن 181 ایچ ماڈل ٹاؤن لاہور۔

2- سیف الرحمٰن خان ولد امان اللہ خان رکن معطل سینٹ ساکن 47 بی ماڈل ٹاؤن لاہور

العارض

لیفٹیننٹ جنرل سید محمد امجد

چیئرمین قومی احتساب بیورو

روبرو فاضل جج -----احتساب عدالت اٹک

ریفرنس نمبر:2000ء

ریاست بنام

1: میاں محمد نواز شریف ولد میاں محمد شریف' سابق وزیراعظم پاکستان ساکن 181 ایچ ماڈل ٹاؤن لاہور۔

2: سیف الرحمٰن خان ولد امان اللہ خان رکن معطل سینٹ ساکن 47 ماڈل ٹاؤن لاہور۔

ریفرنس زیر دفعہ 18 برائے تعین اختیار سماعت وسماعت جرائم زیر دفعہ 9 (الف)(3)'(4)'(5) اور (6) قابل تعزیر زیر دفعہ 10 (الف) اور (ب) قومی احتساب بیورو آرڈیننس 1999ء

جناب والا!

مختصر حقائق:

1: میاں محمد نواز شریف سابق وزیراعظم پاکستان نے 1993 میں ایک ہیلی کاپٹر MI-8 سیریل نمبر 59489605201 درآمد کیا اور ملکیت میں رکھا جسے آٹھ لاکھ ڈالر میں ماسکو (روس) سے خریدا گیا۔ لیکن ملزم نے 1993ء سے حال مذکور ہیلی کاپٹر کو انکم ٹیکس حکام کے روبرو اپنا ذاتی اثاثہ ظاہر نہیں کیا۔ مذکورہ ہیلی کاپٹر کی خریداری' ملکیت اور دیکھ بھال ملزم میاں محمد نواز شریف کی ظاہر کردہ آمدنی سے مطابقت نہیں رکھتے تھے اور انہیں چھپایا بھی گیا۔

2: شریک ملزم سیف الرحمٰن خان نے اس جرم کے ارتکاب میں ملزم میاں محمد نواز شریف کی بھرپور معاونت اور اعانت کی۔

3: میاں محمد نواز شریف نے سیف الرحمٰن کی ملی بھگت سے میسرز اورینٹ ایئر (پرائیویٹ) لمیٹڈ کے نیاز حسین صدیقی کے ذریعے جولائی 1993ء میں روس سے مذکورہ ہیلی کاپٹر لیز پر درآمد کیا اور اس کے لیے لیز کے اخراجات کے 15 فیصد کے حساب

سے روس کو چار جزادا کئے گئے۔ ابتدائی بات چیت کے بعد میاں نواز شریف نے 31-7-93 کو MOBILIZATION کے طور پر مبلغ 40 ہزار ڈالر پیشگی نقد ادا کئے۔ اس کے بعد نیاز حسین صدیقی نے ماسکو (روس) میں ہیلی کاپٹر کے مالکان کے ساتھ ڈیل کرنے کے لیے میسرز میریڈین کنسالیڈیٹڈ (پرائیویٹ) لمیٹڈ کے ڈاکٹر ساجد لطیف خان کی بطور کنسلٹنٹ خدمات حاصل کیں۔ نیاز حسین صدیقی نے ماسکو جانے اور دیگر اخراجات کے لیے ڈاکٹر ساجد لطیف خان کو بیس ہزار ڈالر کی ادائیگی کی۔ ماسکو میں ان دو افراد نے ایک ہیلی کاپٹر کا انتخاب کیا۔ جس کا رشین رجسٹریشن نمبر RA27092 اور سیریل نمبر 59489605201 تھا۔ ویٹ (WET) لیز کے لیے 550 ڈالر فی فلائنگ آور کے حساب سے 9-8-1993 کو کم از کم سو فلائنگ آورز اور زیادہ سے زیادہ ساٹھ دنوں کی ویٹ لیز کا معاہدہ طے پایا۔ مسٹر نیاز حسین صدیقی نے چیئرمین اورینٹ کی جانب سے بطور LESSER کی حیثیت سے دستخط کئے۔

4: ماسکو میں یہ معاملات طے پانے کے دوران ہی ایک داخلی تنظیمی تنازعے کی بنا پر اورینٹ ایئر کا ایرائن لائسنس منسوخ کر دیا گیا جس کی وجہ سے اورینٹ ایئر کے لیے مذکورہ ہیلی کاپٹر کو اپنے لائسنس پر پاکستان میں آپریٹ کرنا ممکن نہ رہا۔ اس پر ملزم میاں محمد نواز شریف اور شریک ملزم سیف الرحمٰن نے ساڑھے سات لاکھ روپے معاوضے پر میسرز جاوید ایوی ایشن سروسز کے جاوید اقبال سے اس کے لائسنس پر تین ماہ کے لیے ہیلی کاپٹر کو پاکستان میں آپریٹ کرنے کے لیے سودا کیا۔ اس سلسلے میں نیاز حسین صدیقی اور مسٹر لیئیڈ روف ڈائریکٹر جنرل سپیشل کارگو ایرلائنز نے 13-8-1994 کو ہیلی کاپٹر کو آپریٹ کرنے کے اختیارات میسرز جاوید ایوی ایشن کو دینے سے متعلق ایک اور دستاویز پر دستخط کئے۔ ملزم میاں محمد نواز شریف اور شریک ملزم سیف الرحمٰن خان کی ہدایت پر میسرز جاوید ایوی ایشن سروسز (پرائیویٹ) لمیٹڈ نے ویٹ لیز کی بنیاد پر تین ماہ کے لیے چارٹر ایگریکلچر ایریئل سپرے آپریشن سے MI-8 ہیلی کاپٹر کے استعمال کے لیے سول ایوی ایشن اتھارٹی کراچی کو درخواست دی جو قبول کر لی گئی لیکن بعد ازاں سی اے اے نے مسلم

لیگ (نواز گروپ) کی انتخابی مہم کے لیے بھی مذکورہ ہیلی کاپٹر کے استعمال کی اجازت دے دی۔

5: اگست 1993ء کے تیسرے ہفتے ہیلی کاپٹر کو پاکستان لایا گیا اور کرنل محمد ظریف چیف پائلٹ نے سیفٹی پائلٹ کی حیثیت سے اسے اپنی تحویل میں لیا اور بعد میں انہوں نے اسے بطور پائلٹ اڑایا۔ لیز کے دو ماہ کے عرصے کے دوران ملزم میاں محمد نواز شریف نے شریک ملزم سیف الرحمٰن خان کے ذریعے ہیلی کاپٹر کے آپریشن دیکھ بھال، ٹرانسپورٹ، فوڈ، میڈیکل، گراؤنڈ سپورٹ، عملے کے الاؤنسز، سیفٹی پائلٹ اور آپریشن روم کے اخراجات اور اس کے علاوہ 550 ڈالر فی گھنٹہ کے حساب سے لیز چارجز بھی ادا کئے۔

6: اکتوبر 1993 میں شریک ملزم سیف الرحمٰن خان نے ملزم میاں محمد نواز شریف کی طرف سے میسرز میریڈین کنسالیڈیٹڈ کے ڈاکٹر ساجد لطیف خان سے مذکورہ بالا ہیلی کاپٹر کو میسرز سپیشل کارگو ایرلائنز سے خریدنے کے لیے مذاکرات کرنے کے لیے کہا۔ اس پر ڈاکٹر ساجد لطیف ماسکو گئے اور بات چیت کے بعد 8لاکھ ڈالر کی یکمشت ادائیگی کے عوض اس ہیلی کاپٹر کو خریدنے کے لیے سودا طے کر آئے لیکن خریداری کے معاہدے پر دستخط کرنے کیلئے ملزم نے کرنل ظریف کو ماسکو بھیجا۔ جس نے میسرز سپیشل کارگو ایرلائنز کے مسٹر آئی ایم لیبڈ روف کے ساتھ اس معاہدے پر دستخط کئے۔ میاں نواز شریف اور سیف الرحمٰن کی ہدایت پر کنٹریکٹ میں خریدنے والے کا نام دھوکے بازی سے شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر الدانی آف دوحہ قطر ظاہر کیا گیا تھا۔ کرنل ظریف نے اس کی طرف سے دستخط کئے اور شریک ملزم سیف الرحمٰن خان نے 8 ڈالر کی نقد ادائیگی براہ راست میسرز سپیشل کارگو ایرلائنز کے مسٹر پچنکن کو اسلام آباد پاکستان میں کی۔

7: ملزم میاں محمد نواز شریف اور شریک ملزم سیف الرحمٰن نے جو سی اے اے اور دوسرے متعلقہ محکموں کے ساتھ اس ضمن میں خط و کتابت کر رہے تھے۔ جان بوجھ کر اور دھوکے بازی سے مشترکہ مقصد اور مجرمانہ نیت سے متعلقہ حکام سے 10 نومبر 1996ء تک ہیلی کاپٹر کی خریداری کی اصل تاریخ چھپائے رکھی اور اس تاریخ کو بالآخر ہیلی کا

میاں نواز شریف کے نام رجسٹر کرایا گیا۔ اکتوبر 1993ء اور نومبر 1996ء کے درمیانی عرصے میں ملزمان جان بوجھ کر متعلقہ حکام کے ساتھ مذکورہ ہیلی کاپٹر کی خرید کے مبنی بر فراڈ سودے اور اس ضمن میں اپنی دیگر مجرمانہ سرگرمیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے مقدمہ بازی، خط و کتابت اور تکرار میں الجھے رہے لیکن اسی عرصے میں لاہور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ آف پاکستان میں مقدمے کی کارروائی کے دوران ہیلی کاپٹر کی ملکیت کا اعتراف کیا اور بذات خود کسٹمز ڈیوٹی وغیرہ کی ادائیگی کو بھی تسلیم کیا۔

8: مذکورہ بالا ہیلی کاپٹر ملزم میاں نواز شریف اور شریک ملزم سیف الرحمٰن کی ملکیت، قبضے اور استعمال میں اگست 1993ء سے 23 جون 1999ء تک (جب یہ شمالی علاقہ جات میں چلاس کے قریب کریش ہو گیا) رہا اور آخر کار گراؤنڈ کر دیا گیا۔ اس عرصے کے دوران انہوں نے اس ہیلی کاپٹر کی ویٹ لیزنگ، خریداری، آپریشن اور دیکھ بھال پر مندرجہ ذیل اخراجات کئے۔

(الف) 550 ڈالر فی گھنٹہ کے حساب سے 100 گھنٹوں کے لیے 55 ہزار ڈالر کی لیز منی جو روسی مالک کو ادا کی گئی۔

(ب) 1200 ڈالر فی فلائنگ آور کے حساب سے سو گھنٹوں کے لیے آپریشنل چارجز کی مد میں ایک لاکھ بیس ہزار ڈالر ادا کئے۔

ملکیت کے دوران اکتوبر 1993ء سے 23-6-1997ء (جب یہ ہیلی کاپٹر کریش ہوا) تک کے اخراجات

(الف) ہیلی کاپٹر کی قیمت 8لاکھ ڈالر۔

(ب) 44 ماہ کی عملے کی تنخواہیں (جبکہ ہیلی کاپٹر گراؤنڈ رہا لیکن اس کی سروس کی گئی) دو لاکھ روپے ماہانہ کے حساب سے 44 مہینوں کے لیے 88لاکھ روپے۔

(ج) تقریباً ایک ہزار ڈالر فی فلائنگ آور کے حساب سے 335 گھنٹوں کی پرواز کے لیے چار لاکھ دو ہزار ڈالر کی آپریشنل لاگت۔

کل اخراجات ڈالروں میں 1377000

کل اخراجات روپوں میں 8800000

9: ملزم میاں نواز شریف نے شریک ملزم سیف الرحمٰن کی معاونت اور مدد سے ساڑھے بارہ لاکھ ڈالر کے لگ بھگ اور تقریباً 80 لاکھ روپے سے زائد کے اخراجات مذکورہ ہیلی کاپٹر کی ملکیت' قبضے' آپریشن اور دیکھ بھال پر اکتوبر 1993ء سے جون 1997ء کے درمیانی عرصے میں کئے۔

10: ملزم میاں نواز شریف نے مذکورہ بالا ہیلی کاپٹر کی ملکیت اور قبضہ رکھنے پر بھاری اخراجات خرچ کرنے کے باوجود عمداً اور نیت مجرمانہ کے ساتھ 1994ء سے 1997ء تک انکم ٹیکس اور ویلتھ ٹیکس گوشواروں میں اسے ظاہر نہیں کیا۔ تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ ڈالر اور 82 لاکھ روپے کے اخراجات جو اس ہیلی کاپٹر کی خریداری' آپریشن اور دیکھ بھال پر خرچ کئے گئے' ملزم کے ظاہر کردہ ذرائع آمدن سے مطابقت نہیں رکھتے اور اس کے لیے وہ کوئی توضیح پیش نہیں کر سکے۔

11: میاں نواز شریف اور سیف الرحمٰن سے 24-1-2000 کو لانڈھی جیل میں رابطہ کر کے پوچھ گچھ کی گئی۔ ملزم محمد نواز شریف نے کسی قسم کی وضاحت سے انکار کیا اور کہا کہ وہ عدالت کے سامنے ہی بیان دیں گے۔ شریک ملزم سیف الرحمٰن نے اپنا بیان دیا ہے جسے دستیاب زبانی اور دستاویزی شہادتوں کی بنا پر غیر تسلی بخش پایا گیا۔

12: شریک ملزم سیف الرحمٰن نے عمداً اور نیت مجرمانہ کے ساتھ مذکورہ بالا ہیلی کاپٹر کی دھوکہ دہی پر مبنی پاکستان درآمد' بعد ازاں اکتوبر 1993ء میں اس کی خریداری' اگست 1993 سے جون 1997 کے دوران اس کے آپریشن' دیکھ بھال کے سلسلے میں ملزم نواز شریف کی معاونت اور اعانت کی۔

13: ملزم میاں نواز شریف نے 1993ء سے 1997ء کے دوران مختلف حیثیتوں میں سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود شریک ملزم سیف الرحمٰن کے ساتھ مل کر کرپشن اور بدعنوان سرگرمیوں کا ارتکاب کیا جو دفعہ 9 (الف) (3) (4) (5) اور (6) میں مذکور ہیں اور قومی احتساب بیورو آرڈیننس 1999 کی دفعہ 10 (الف اور

(ب) کے تحت قابل سزا ہے۔ گزارش کی جاتی ہے کہ معزز عدالت دونوں ملزمان کے خلاف دائر کردہ اس ریفرنس کو سماعت کے لیے منظور کرلے اور قانون کے مطابق انہیں سزا دے۔

دستخط

لیفٹیننٹ جنرل سید محمد امجد

چیئرمین قومی احتساب بیورو

28-02-2000

ہیلی کاپٹر کیس: نواز شریف کو سزا ہوگئی

23 جولائی 2000ء کی صبح تمام اخبارات کی لیڈ سٹوری ہیلی کاپٹر کیس میں نواز شریف کو 14 سال قید 2 کروڑ جرمانہ اور اکیس سال کیلئے نااہل قرار دینے کی سزا تھی۔ احتساب عدالت کے فیصلے کے مطابق جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں انہیں مزید تین برس قید بھگتنا ہوگی۔ احتساب عدالت کے جج جناب فرخ لطیف نے مقدمے کا مختصر فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ نواز شریف نے ہیلی کاپٹر کی لیز، خریداری، دیکھ بھال اور آپریشن پر جو رقوم خرچ کیں۔ وہ ان کے انتخابی گوشواروں میں ظاہر کی جانے والی آمدنی سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ نیب آرڈیننس کی دفعہ 9 (a) (v) کے تحت یہ جرم ہے اور پنجاب آرڈیننس کے تحت ان کا یہ اقدام قابل سزا ہے تاہم سیف الرحمٰن کو بری کر دیا گیا۔

معزول وزیراعظم نواز شریف نے اسے متوقع سزا قرار دیتے ہوئے کہا کہ وہ اس سے بھی سخت فیصلے کے منتظر تھے۔ نیب کے پراسیکیوٹر جنرل فاروق آدم نے کہا کہ ہیلی کاپٹر ریفرنس میں نواز شریف کو سزا اور سیف الرحمٰن کو بری کیے جانے سے ثابت ہوگیا کہ احتساب عدالتیں آزادانہ اور منصفانہ طور پر کام کر رہی ہیں اور وہ ہر قسم کے دباؤ سے مکمل طور پر آزاد ہیں۔ پیپلز پارٹی نے کہا کہ وہ نواز شریف کے مخالف ضرور ہیں لیکن ان سے ناانصافی نہیں دیکھ سکتے۔ جماعت اسلامی کے ایک رہنما کا تبصرہ تھا کہ نواز شریف کو ان کے کئے کی سزا ملی۔ مسلم لیگی رہنما فیصلے کو افسوسناک قرار دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں

کہ قانونی جنگ جاری رہے گی۔ کلثوم نواز کا کہنا تھا کہ نواز شریف کے ساتھ جج بھی قید تھا اور فیصلہ عدالت نے نہیں، نیب نے دیا ہے۔

نواز شریف کے لندن میں فرزند حسن نواز کا کہنا تھا کہ یہ ایک متوقع فیصلہ تھا موجودہ صورتحال میں جج آزادانہ فیصلے نہیں دے سکتے۔ سیاسی دانشور سابق وزیراعظم اور نواز شریف کی مخالف بے نظیر بھٹو کا کہنا تھا کہ فوجی جرنیل لمبے پروگرام پر عمل پیرا ہیں اور وہ انہیں اور نواز شریف کو سیاست سے آؤٹ کرنا چاہتے ہیں۔

یہ تو ردعمل تھا رہنما کہلانے والے افراد کا، عوام نے اس فیصلے کو سراہا ہے اور یہ توقع ظاہر کی ہے کہ گو کہ فوجی حکومت کو پسندیدہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ تاہم اس کی جانب سے بڑے بدعنوانوں کو سزا دینے کا سلسلہ قابل تحسین ہے اور یہ سلسلہ سابق جرنیلوں کی طرف بھی مڑنا چاہیے۔



کلثوم نواز جن کے بقول ہیلی کاپٹر کیس کا فیصلہ
عدالت نے نہیں نیب نے دیا ہے

سیاسی چہرے صنعتی جونکیں

قرضے حاصل کرنا جعلی سکیورٹیز اور کاغذی اثاثے ظاہر کرنا اور پھر خود کو دیوالیہ قرار دے کر قرضے ہضم کر جانا پاکستان کے بااثر افراد کا وطیرہ بن چکا ہے۔ بااثر افراد میں سب سے طاقتور گروہ سیاستدانوں کا ہے۔ سابق گورنر سٹیٹ بینک ڈاکٹر محمد یعقوب کے پیش کردہ تازہ اعداد و شمار کے مطابق ملک میں غیر وصول شدہ (نان پرفارمنگ) قرضوں کی مالیت 211 ارب روپے تک پہنچ چکی ہے۔ عملی طور پر غیر ادا شدہ رقم کی مالیت میں کمی کے لیے گورنر نے صرف ان ہی قرضوں کو فی الواقع ڈیفالٹ قرار دیا جن کی واپسی ایک سال سے رکی ہوئی ہے۔ اس طرح درحقیقت ڈیفالٹ کی مد میں 145 ارب روپے آتے ہیں اور اتنی بڑی رقم صرف 322 افراد یا کاروباری گروپوں کے ذمہ ہے باقی ماندہ 66 ارب روپے کے ناقابل وصول قرضوں کے بارے ڈاکٹر یعقوب نے واضح طور پر نہیں بتایا لیکن اس میں یقینی طور پر 30 ارب روپے کے ری شیڈول کئے قرضے بھی شامل ہیں جو پہلے ہی ڈیفالٹ قرار دیئے جا چکے ہیں۔ لیکن نواز شریف دور میں مراعاتی پیکج کے تحت ان قرضوں کو ری شیڈول کر دیا گیا تھا۔

1972ء تک قرضے زیادہ تر میرٹ پر دیے جاتے تھے۔ دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کے باوجود بزنس مین اپنے قرضے باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔ 1972ء کی دہائی کے اوائل سے کچھ پہلے تک ہمارے انڈسٹریل کلچر میں قرضوں کی عدم ادائیگی کا تصور

متعارف نہیں ہوا تھا۔ 1974ء میں بینکوں کی نیشنلائزیشن پالیسی کے تحت ملک بھر میں اہم صنعت کار طبقے کو اس کے وسائل سے محروم کیا جا چکا تھا۔ اہم صنعتیں قومیائے جانے کے بعد منظر عام پر آنے والا صنعت کار طبقہ مستند تاجروں اور موقع پرستوں کا ملا جلا طبقہ تھا۔ جنھوں نے اپنے سیاسی تعلقات کی بنیاد پر بینکوں سے قرضے حاصل کیے۔ 1970ء صنعتی اشرافیہ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ [illegible] ترین فیملی کے درج ذیل اثاثوں کی مالیت 55 کروڑ 78 لاکھ روپے تھی۔ جبکہ پچیسویں نمبر پر منوں فیملی کے اثاثے 7 کروڑ 99 لاکھ روپے تھے۔ بیس سال کے اندر ملک میں دولت کے حجم میں ڈرامائی تبدیلی آئی۔ 1990ء میں ملک کے امیر ترین گروپ حبیب کے مجموعی اثاثوں کی مالیت 5 ارب 78 کروڑ 10 لاکھ ظاہر کی گئی اور پچیسویں نمبر آ گیا۔ منوں فیملی کی بجائے اتفاق گروپ آ گیا جس کے اثاثے 39 کروڑ 80 لاکھ تھے۔ اس کے بعد 1997ء میں بہت سے صنعتی گروپوں کی دولت میں حیرت انگیز طور پر تبدیلی آئی۔ اعداد و شمار کے مطابق چوٹی کے نشاط گروپ کے مینوفیکچرنگ اثاثے 27 ارب 79 کروڑ 20 لاکھ روپے تک پہنچ گئے۔ جبکہ 1970ء میں جب یہ گروپ ملک کا پندرھواں امیر ترین گروپ تھا تو اس کے مجموعی اثاثے 2 ارب 27 کروڑ 90 لاکھ روپے کے تھے۔

اسی طرح اتفاق جس کا 1970ء تک ملک کے پہلے 45 امیر ترین خاندانوں میں کوئی ذکر نہ تھا۔ 1990ء میں 39 کروڑ 80 لاکھ کے اثاثوں کیساتھ 25 ویں پوزیشن پر آ گیا۔

اتفاق گروپ کے اثاثے 1997ء میں بڑھ کر دس ارب روپے کے ہو گئے۔ ترقی کا یہ سفر تمام گروپوں کے لیے یکساں نہیں تھا۔ 1970ء میں بھوانی گروپ 23 کروڑ 74 لاکھ روپے کے اثاثوں کے ساتھ آٹھویں نمبر پر تھا۔ لیکن 1990 میں اس کی پوزیشن میں کمی ہوئی اور ایک ارب 21 کروڑ 30 لاکھ روپے کے ساتھ یہ 12 نمبر پر آ گیا۔ 1997ء میں اس کی پوزیشن مزید کمزور ہوئی اور 2 ارب 19 کروڑ 40 لاکھ روپے کے اثاثوں کیساتھ یہ پچیسویں نمبر پر آ گیا۔

ان گروپوں کی ڈیفالٹ پوزیشن سے 1970ء کے پہلے 25 متمول ترین خاندانوں اور بعد کے 28 برسوں میں دولت مند ہونے والوں میں فرق واضح طور پر سامنے آتا ہے۔ 1996ء میں بینظیر بھٹو حکومت نے 17 بڑے نادہندگان کی جو پہلی فہرست جاری کی اس میں 1970ء کے خاندانوں میں سے صرف پانچ نام تھے جن میں داؤد، آدم جی بھوانی، حبیب اورحئی سنز شامل تھے۔ ان کا مجموعی ڈیفالٹ 2544 ملین روپے تھا سب سے بڑے نادہندہ فضل سنز گروپ کے ڈیفالٹ سے 3475 ملین روپے کم نہ تھا۔

24 نادہندگان کی اگلی فہرست 1996ء میں معراج خالد کی نگران حکومت نے پیش کی اس میں بھی 1970ء کے بنیادی خاندانوں میں سے پانچ نام تھے۔ جن میں سہگل گروپ نے 1086 ملین روپے کے ڈیفالٹ کے ساتھ حئی سنز کی جگہ لے لی۔ اس فہرست کے مطابق اتفاق گروپ تین ارب روپے کے ڈیفالٹ کے ساتھ سرفہرست تھا۔ قرض نادہندگی کے تجزیے سے قرضوں کی ادائیگی کیساتھ منسوب اعلیٰ سطح کی کرپشن سے بھی پردہ اٹھتا ہے۔ قومیائے گئے کمرشل بینکوں نے محض ایک فون کال پر سیاسی بنیادوں پر بغیر کسی مناسب ضمانت کے قرضے جاری کئے۔ بینک افسران نے کمیشن لیکر قرضے جاری کئے۔ ہر ادارے نے قرضے جاری کرنے کے اختیار کا ناجائز استعمال کیا۔ سمال بزنس فنانس کارپوریشن نے جس کے قیام کا اصل مقصد دکانداروں اور کاروباری افراد کو چھوٹے قرضے فراہم کرنا تھا۔ پراجیکٹ قرضے منظور کئے جن میں سے زیادہ تر ڈوب گئے۔ سرکاری ملکیت میں چلنے والے مالیاتی اداروں میں نادہندگی کی شرح 28 فیصد سے 60 فیصد تک ہے۔ جبکہ پرائیویٹ بینکوں میں یہ پانچ فیصد سے کم ہے یا اس سے سرکاری شعبے میں مالیاتی امور میں کرپشن اور بدترین کارکردگی واضح ہو جاتی ہے۔ ایسے سرمایہ کاروں نے بھی جن کے پاس مطلوبہ سیاسی اثر ورسوخ نہیں تھا۔ سرکاری مالیاتی اداروں کو لوٹنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کئے۔ مطلوبہ ضمانت پیش کر کے پراجیکٹ پر قرضے لینے کے بعد انھوں نے پراجیکٹ کے لیے 30 فیصد تک اوورانوائسنگ کرتے ہوئے مشینری درآمد

کرنے کے بہانے ضمانت کے طور پر جمع کروائی گئی رقم یا جائیداد کو محفوظ کرلیا۔ بے ضابطگی کے معاملے میں مقامی صنعتکاروں کا یہ سادہ ترین طریقہ واردات تھا۔ کرپشن کے موجودہ معیار کے لحاظ سے یہ لوگ صاف اور بے داغ ٹھہرائے جائیں گے۔

کیونکہ انھوں نے سنجیدگی سے ان منصوبوں کو چلایا اور اکثر اوقات اپنی ذمہ داری پوری طرح نبھائی زیادہ تر مثالوں میں ابتدائی مرحلوں میں 30 فیصد تک نکلوائی گئی۔ رقم کو ایڈجسٹ کرنے کے لیے انھوں نے اپنے قرضے ری شیڈول کروالئے۔

ان گروپوں میں بیشتر ان خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے جن کی 1970ء سے پہلے صنعتی میدان میں اجارہ داری تھی۔ اس کے بعد سرمایہ کاروں کا ایک اور طبقہ میدان میں آیا جس نے اپنی سیاسی قوت اور روابط کے بل پر ترقی کی۔ ان میں سے کچھ نے تو اپنے قرض خواہ مالیاتی اداروں کا پیسہ ڈکارنے میں کھلم کھلا فراڈ سے کام لیا۔ انھوں نے اپنی کم قیمت جائیدادوں کو مبالغہ آمیز حد تک مہنگی ثابت کر کے قرضے حاصل کئے۔ پراجیکٹ کے لیے منظور شدہ مشینری درآمد کرنے کی بجائے انھوں نے استعمال شدہ مشینری یا متروک مشینری بلکہ سکریپ درآمد کیا۔ ان پراجیکٹس نے کبھی پیداوار نہیں دی اور ان میں سے اکثر قرضے کی پہلی قسط واپس کرتے ہی ڈیفالٹ ہو گئے۔

ان میں سے کچھ دوسرے کم قیمت جائیداد کو انتہائی قیمتی ظاہر کر کے قرضے حاصل کرنے اور مجوزہ مشینری درآمد کرنے کے باوجود ان منصوبوں کو کامیابی سے چلانے میں ناکام رہے اور ڈیفالٹ قرار پائے۔ اس وسیع پیمانے پر نادہندگی میں بینکرز بھی برابر کے قصوروار ہیں۔ انھوں نے سیاسی اشرافیہ کے دباؤ پر بینکنگ کے قواعد وضوابط کو بری طرح پامال کیا اور سیاسی افراد کے ساتھ ملک لوٹنے میں برابر کا کردار ادا کیا۔

سیاسی جونکوں نے اپنے فرنٹ مینوں اور بینکوں کی ملی بھگت سے جو کارنامے انجام دیئے اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1989 میں صرف حبیب بینک لمیٹڈ کا منافع 95 کروڑ روپے تھا جو گھٹ کر صرف 60 کروڑ روپے رہ گیا۔

بینکوں کے جن سربراہوں نے سیاستدانوں اور بیوروکریٹس کے ناجائز کام بڑھ

چڑھ کر کئے ان میں آغا فصیح الدین خان صدر حبیب بینک لمیٹڈ سرفہرست ہے۔ میٹرک پاس اس شخص نے ملک وقوم کے سب سے بڑے مالیاتی ادارے کو لٹانے میں نہایت گھناؤنا کردار ادا کیا۔ یہی شخص جنرل ضیاء الحق کے بچوں کی شادی میں کھانے کی پلیٹیں باقاعدہ دھوتا ہوا نظر آیا لیکن آج کروڑ پتی اور کئی ملوں کا مالک بنا ہوا ہے۔ اس ملک میں ایک اور میٹرک پاس یونس حبیب کو حبیب بینک صوبہ سندھ کا سربراہ بنایا گیا اور گھپلوں کی وجہ سے سٹیٹ بینک آف پاکستان نے اس پر بینکنگ سرگرمیوں میں حصہ لینے پر پابندی لگا دی لیکن ان پابندیوں کے باوجود سیاسی اثر ورسوخ سے یہ شخص مہران بینک کا سربراہ بنا اور لوگوں کے اربوں روپے خورد برد کر لیئے۔ اس پر عائد پابندی کس نے اٹھائی؟ نہ صرف یہ بلکہ سیاستدانوں کو ہارس ٹریڈنگ کے لیے کروڑوں روپے فراہم کئے۔ یہ سکینڈل دنیا بھر میں پاکستان کے لیے بدنامی کا باعث بنا۔ ایک اور میٹرک پاس شخص قاسم پاریکھ کو بھی پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں سٹیٹ بینک کا گورنر بنایا گیا جس کے پاس معاشیات تو کجا ایف اے کی سند بھی نہ تھی۔ مالیاتی اداروں کے سربراہوں میں تجمل حسین (سابق صدر یو بی ایل) صفدر عباس زیدی (صدر حبیب بینک لمیٹڈ) و دیگر ایگزیکٹو بدعنوانی اور ناجائز اختیارات استعمال کرنے کی وجہ سے برطرف کئے گئے۔ آصف جمشید بھی ان ہی کرپٹ بینکاروں میں شامل ہے۔ اس نے حبیب بینک نیویارک برانچ میں فراڈ کیا اور بینک کو 34 کروڑ کا نقصان پہنچایا۔ اس شخص کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی بجائے باعزت ریٹائر کر دیا گیا۔ پھر یہی شخص کراچی میں مہران بینک کا چیف ایگزیکٹو بنا اور بعد میں پنجاب بینک میں سیاسی پشت پناہی کی بنا پر اسے اہم عہدہ دیدیا گیا۔

بینکوں کے یہ افسر سروس کے دوران سیاسی آقاؤں کو خوش کر کے جو دولت جمع کرتے رہے۔ آج ملوں کارخانوں اور شوگر ملوں کی شکل میں ان کے پاس ہے۔ ملکی وسائل سے انھوں نے ایسی لوٹ مار کھیلی کہ آج بینک کنگال لیکن سیاستدان اور ان کے خریدے ہوئے افسر اربوں کی املاک کے مالک بن چکے ہیں۔ ملکی وسائل پر پلنے والی ان جونکوں نے ملک کے ساتھ ساتھ اس کی عزت ووقار کا بھی خون چوسا ہے۔

پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کا دورہ امریکہ پاکستان کی معیشت کو بھاری سود کے ذریعے تباہ کرنے کا آغاز ثابت ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اب بجٹ کا 45 فیصد قرضوں کی واپسی اور سود کی ادائیگی پر خرچ ہو رہا ہے۔ اس وقت پاکستان کو شارٹ، میڈیم اور لانگ ٹرم قرضوں کی صورت میں مجموعی طور پر 38 ارب ڈالر سے زائد غیرملکی قرضوں کے بوجھ کا سامنا ہے پاکستان 10 بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے علاوہ 27 ممالک کا بھی مقروض ہے جبکہ اندرون ملک بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں سے 11 کھرب 80 ارب روپے کے قرضے لیے گئے ہیں۔ یوں اس وقت پاکستان کے ذمے 28 کھرب 12 ارب 59 لاکھ روپے کے قرضے واجب الادا ہیں۔ بیرونی ممالک کے قرضوں کی مالیت اگر 55 روپے فی ڈالر کے حساب سے لگائی جائے تو 17 کھرب 12 ارب 59 کروڑ بنتی ہے۔ نئی مردم شماری کے مطابق ہر پاکستانی تقریباً 10 ہزار 666 روپے یا 211 ڈالر کا مقروض ہے۔ ملکی قرضوں کو شامل کرنے سے ہر پاکستانی 19 ہزار 556 روپے 25 پیسے کا مقروض ہے۔

ملک مجموعی طور پر 37 عالمی مالیاتی اداروں اور ممالک کا مقروض ہے جو ہر وقت قرضوں کی ادائیگی کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں اور لٹھ لے کر ترقی پذیر ممالک کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق نے اربوں روپے ان نہاد نہاد سیاسی لیڈروں کو عطا کیے جن کی انہیں ہمدردیاں درکار تھیں۔ ان افراد نے ترقیاتی پروگراموں کے نام پر اپنی ذاتی ترقی کے پروگرام مرتب کیے۔ یہی کھیل 1988ء سے بےنظیر بھٹو نے بھی شروع کیا اور پیپلز ورکس پروگرام کے نام پر 5 ارب روپے ارکان اسمبلی ہڑپ کر گئے۔ میاں نواز شریف بھی اس سلسلے میں پیچھے نہ رہے اور تعمیر وطن پروگرام کے نام سے ارکان قومی اسمبلی میں فی کس 75 لاکھ اور ارکان صوبائی اسمبلی میں 50 لاکھ فی کس بانٹ دیئے اور 3 ارب روپے ترقیاتی پروگراموں کے نام پر ہڑپ کر لیے گئے۔

بےنظیر بھٹو دوبارہ اقتدار میں آئیں تو پیپلز ورکس پروگرام کے بجائے سوشل ایکشن پروگرام کے نام پر اربوں روپے اڑا دیئے گئے۔ یوں چند افراد پوری قوت کے ساتھ

خزانہ چاٹ گئے۔اس دوران جتنی حکومتیں مقررہ وقت سے پہلے برطرف ہوئیں۔ان کے خلاف لگائے جانے والے الزامات میں سب سے بڑا الزام ترقیاتی فنڈز کے نام پر کی جانے والی لوٹ مار اور رقوم کو ہڑپ کرنے کا تھا۔ترقی وخوشحالی کے''خواہاں'' حکمرانوں نے 1239 منظور نظر افراد کے ذمے 8 ارب 48 کروڑ 67 لاکھ 26 ہزار روپے کے قرضے معاف کرکے معیشت کو تباہی کی اندھی غاروں میں دھکیل دیا جبکہ کمزور اور ناقص گارنٹیوں کی وجہ سے 150 ارب روپے سے زائد مالیت کے قرضوں کی وصولی مشکوک نظر آتی ہے۔

وزارت خزانہ کے اعداد وشمار کے مطابق پاکستان کی اقتصادی تباہی پچھلے 12 برس کی جمہوری حکومتوں کی وجہ سے آئی۔ان برسوں میں غیرملکی پاور کمپنیوں کے ساتھ معاہدوں' پیلو کیب سکیم غیر منافع بخش منصوبوں' سیاسی بنیادوں پر ملکی بینکوں اور مالیاتی اداروں سے اربوں روپے کے قرضے اور عالمی مالیاتی اداروں کی شرائط تسلیم کرنے سے پاکستان آج شدید ترین اقتصادی بحران کا شکار ہو چکا ہے۔وزارت تجارت کے مطابق بے نظیر بھٹو کے پہلے دور حکومت میں 88ء سے 90ء تک پاکستان کو بیرونی تجارت میں 4 ارب 35 کروڑ 40 لاکھ ڈالر کا خسارہ ہوا۔نواز شریف کے پہلے دور حکومت 90ء سے 93ء تک بیرونی تجارت میں 7 ارب ڈالر کا نقصان ہوا۔اسی طرح بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور حکومت میں 93ء سے 96ء تک ملک کو بیرونی تجارت میں 7 ارب 35 کروڑ ڈالر کا خسارہ ہوا جبکہ میاں نواز شریف کے دوسرے دور حکومت 97ء تا اکتوبر 99ء تک بیرونی تجارت میں 7 ارب 60 کروڑ ڈالر کا خسارہ ہوا۔اسی طرح نواز شریف اور بے نظیر بھٹو کے ادوار میں مجموعی طور پر پاکستان کو بیرونی تجارت میں 26 ارب 30 کروڑ ڈالر کا خسارہ ہوا۔

ہیریٹیج فاؤنڈیشن کی تحقیقات کے مطابق 1995-1996 کے دوران آئی ایم ایف سے قرضہ حاصل کرنے والے 137 ملکوں میں سے 81 ملکوں کو نہ صرف اپنی ناگفتہ بہ حالت سے نجات نہ ملی بلکہ وہ آئی ایم ایف کے شکنجے میں مزید پھنستے گئے۔

پاکستانی دولت لوٹنے والے ایسے مگرمچھوں جن کے 80 ارب ڈالر سے زائد غیرملکی بینکوں میں محفوظ ہیں اور ان میں سے پاکستان کے واجب الادا قرضوں کی رقم مہیا کرکے باقی ماندہ رقم پاکستان کے حوالے کردی جائے تو ملک کے مسائل کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ملکی دولت لوٹنے والوں کی اس رقم کو حکومت عوام کی فلاح وبہبود اور ملکی تعمیر وترقی کے لیے خرچ ہوسکتی ہے۔یہی چند سو افراد ہیں جن کو پاکستان کے ڈیفالٹ ہونے کا سب سے زیادہ خطرہ ہے کہ اس طرح ان کی لوٹی ہوئی رقوم ان سے چھن جائیں گی لیکن عالمی اداروں کی تنخواہ پر کام کرنے والے اقتصادی ماہرین' غیرملکی قرضوں کے آلہ کار سیاستدان اور جھوٹے مغربی نظریات کے مبلغ سماجی ماہرین ملک کو کوئی ایسا مشورہ دینے کے اہل ہی نہیں جو اس کے مسائل ختم کرسکے۔

ملک یا ادارے جن سے قرضہ لیا گیا

نمبر شمار	ملک/ادارے	قرضے کی رقم
-1	امریکہ	2 ارب 87 کروڑ 41 لاکھ 25 ہزار ڈالر
-2	اٹلی	26 کروڑ 65 لاکھ ایک ہزار ڈالر
-3	آسٹریلیا	5 کروڑ 41 لاکھ ڈالر
-4	آسٹریا	2 کروڑ 77 لاکھ 44 ہزار ڈالر
-5	ابوظہبی	6 کروڑ 76 لاکھ 44 ہزار ڈالر
-6	اوپیک فنڈ	7 کروڑ 83 لاکھ 79 ہزار ڈالر
-7	ایشین ڈویلپمنٹ بینک	ایک ارب 6 کروڑ 33 لاکھ ڈالر
-8	انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ ایجنسی	4 ارب 73 کروڑ ڈالر
-9	آئی بی آر ڈی	12 ارب 52 کروڑ 17 لاکھ 46 ہزار ڈالر
-10	آئی بی آر کنسورشیم	7 کروڑ 89 لاکھ 37 ہزار ڈالر
-11	اسلامک ڈویلپمنٹ بینک	36 کروڑ 37 لاکھ 2 ہزار ڈالر

-12	انٹرنیشنل فنڈ فار ایگریکلچرل ڈیولپمنٹ	25 کروڑ 10 لاکھ 14 ہزار ڈالر
-13	انٹرنیشنل فنانس کارپوریشن	3 کروڑ 19 لاکھ 39 ہزار ڈالر
-14	برطانیہ	4 کروڑ 49 لاکھ 83 ہزار ڈالر
-15	بلجیم	8 کروڑ 42 لاکھ ڈالر
-16	جاپان	5 ارب 32 کروڑ 44 لاکھ ڈالر
-17	جرمنی	ایک ارب 83 کروڑ 57 لاکھ ڈالر
-18	چین	53 کروڑ 26 لاکھ 22 ہزار ڈالر
-19	چیکوسلواکیہ	2 کروڑ 36 لاکھ 33 ہزار ڈالر
-20	ڈنمارک	2 کروڑ 64 لاکھ 67 ہزار ڈالر
-21	رومانیہ	3 کروڑ 36 لاکھ 48 ہزار ڈالر
-22	روس	33 کروڑ 12 لاکھ 2 ہزار ڈالر
-23	سویڈن	9 کروڑ 79 لاکھ 56 ہزار ڈالر
-24	سعودی عرب	29 کروڑ 38 لاکھ 71 ہزار ڈالر
-25	سپین	4 کروڑ 66 لاکھ 45 ہزار ڈالر
-26	سوئٹزرلینڈ	10 کروڑ 61 لاکھ 10 ہزار ڈالر
-27	فرانس	ایک ارب 39 کروڑ 28 لاکھ ڈالر
-28	فن لینڈ	90 لاکھ 73 ہزار ڈالر
-29	کویت	14 کروڑ 11 لاکھ 87 ہزار ڈالر
-30	قطر	50 لاکھ 69 ہزار ڈالر
-31	لیبیا	2 کروڑ 78 لاکھ 58 ہزار ڈالر
-32	ملائیشیا	2 کروڑ 16 لاکھ 73 ہزار ڈالر
-33	ناروے	3 کروڑ 22 لاکھ 28 ہزار ڈالر
-34	نارڈک کنسورشیم	5 کروڑ 17 لاکھ 41 ہزار ڈالر

-35	ہالینڈ	15 کروڑ 24 لاکھ 86 ہزار ڈالر
-36	اومان	10 لاکھ 25 ہزار ڈالر
-37	ورلڈ بینک	4 ارب 94 کروڑ 2 لاکھ 47 ہزار ڈالر
-38	ای آئی جی	6 کروڑ 80 لاکھ 19 ہزار ڈالر
	کل میزان	37 ارب 69 کروڑ 3 لاکھ 46 ہزار ڈالر

حکمرانوں کے قرضہ لینے اور معاف کرنے کی تفصیل

سال	حکمران	معاف کیے جانے والے قرضے	جتنا قرضہ لیا
1947-58ء	لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین		59 کروڑ 4 لاکھ ڈالر
1958-69ء	ایوب خان		5 ارب 37 کروڑ 80 لاکھ ڈالر
1969-71ء	جنرل یحییٰ خان		7 ارب 75 کروڑ 40 لاکھ ڈالر
1971-77ء	ذوالفقار علی بھٹو		5 ارب 5 کروڑ 80 لاکھ ڈالر
1977-88ء	ضیاء الحق		12 ارب 49 کروڑ 60 لاکھ ڈالر
1985-88ء	محمد خان جونیجو	35 کروڑ 53 لاکھ 20 ہزار روپے اور غلام اسحٰق خان نے تین کروڑ 79 لاکھ 30 ہزار روپے معاف کیے۔	7 ارب 60 کروڑ 70 لاکھ ڈالر
1988-90ء	بے نظیر بھٹو		5 ارب 9 کروڑ 50 لاکھ ڈالر
1990-93ء	نواز شریف	2 ارب 45 کروڑ 92 لاکھ روپے اور غلام مصطفیٰ جتوئی نے ایک کروڑ 77 لاکھ روپے اور بلخ شیر مزاری نے 17 لاکھ 70 ہزار روپے معاف کیے۔	7 ارب 16 کروڑ 20 لاکھ ڈالر اس میں غلام مصطفیٰ جتوئی کے قرضے بھی شامل ہیں۔

1993-96ء بےنظیر بھٹو	5 ارب 53 کروڑ 23 لاکھ روپے اور معین قریشی نے 6 کروڑ 66 لاکھ 60 ہزار روپے معاف کیے۔	18 ارب 28 کروڑ 70 لاکھ ڈالر اس میں معین قریشی کے قرضے بھی شامل ہیں۔
1996-97ء ملک معراج خالد	ایک کروڑ 60 لاکھ 80 ہزار روپے	2 ارب 30 کروڑ ڈالر
1997-99ء نواز شریف		8 ارب 2 کروڑ 20 لاکھ ڈالر

نااہل وزراء خزانہ

پاکستان کی ہر حکومت نے غربت کے خاتمے کا وعدہ کیا۔ جلسے جلوسوں میں اپنے حق میں نعرے لگوائے، زندہ باد کرائی اور پھر غربت کے بجائے غریب کو ختم کرنے کے پروگرام پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو سے میاں نواز شریف تک سربراہان مملکت پڑھے لکھے اور ملک کے معاشی مسائل پر بھی لمبی تقریریں کرنے میں خصوصی مہارت رکھنے کے باوجود نااہل ثابت ہوئے۔ انہیں اس بات کا شعور ہی نہ تھا کہ کون سی وزارت کس شخص کے حوالے کی جائے یعنی وہ جان بلب مریض کو علاج کیلئے انجینئر کے پاس بھیج رہے تھے اور گھر بنوانے کے خواہشمند کو ڈاکٹر کا پتہ بتا رہے تھے۔ ایسی صورت میں معاشی مسائل کا دوزخ بڑھتا نہ تو پھر کیا ہوتا کہ کسی بھی دور میں ملک کو ماہر معاشیات وزیر خزانہ میسر نہ آیا۔ سیاسی کھیل میں ملکی مفادات داؤ پر لگائے جاتے رہے۔ آیئے دیکھیں کس حکومت کا وزیر خزانہ کیا تھا۔

وزیر اعظم	وزیر خزانہ	پیشہ
ذوالفقار علی بھٹو	ڈاکٹر مبشر حسن	انجینئر

ذوالفقار علی بھٹو	عبدالحفیظ پیرزادہ	وکیل
محمد خان جونیجو	محمد یٰسین وٹو	وکیل
بے نظیر بھٹو پہلا دور	احسان الحق پراچہ	صنعت کار
نواز شریف پہلا دور	سرتاج عزیز	ماہر معاشیات
بے نظیر بھٹو دوسرا دور	مخدوم شہاب الدین	جاگیردار
نواز شریف دوسرا دور	سرتاج عزیز/اسحاق ڈار	ماہر معاشیات

نواز شریف نے اپنے دونوں ادوار میں ماہرین معاشیات کو وزیر خزانہ مقرر کیا۔

ڈاکٹر حفیظ پاشا کو بھی اپنا مشیر بنایا لیکن اس کے باوجود ذاتی کاروبار کو وسعت دینے اور ٹیکس بچانے کے علاوہ یہ افراد بھی صرف نواز شریف کو ہی فائدہ پہنچا سکے اور عوام روتے بلکتے رہے۔

گوٹھ آباد سکیم اور جیالے

1996ء میں سندھ کے وزیراعلیٰ عبداللہ شاہ نے کراچی کی قدیم بستی ماری پور گریکس ویلیج سمیت کچھ علاقوں کو ریگولرائز کرنے کی منظوری دی۔ ماری پور میں ایک جلسہ عام کے دوران انہوں نے ایک روپیہ فی گز کے حساب سے دستاویزات جاری کرنے کا اعلان کیا اور گوٹھ آباد سکیم ڈپٹی کمشنر ویسٹ اور پیپلز پارٹی کے جیالوں کو ہدایت کی کہ وہ عوام کی سہولیات کے لیے ان کے گھر گھر جا کر ان سے شناختی کارڈز لے کر انہیں دستاویزات جاری کر دیں۔ سابق وزیراعلیٰ کی اس ہدایت پر ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے سربراہ ڈی سی ویسٹ محسن حقانی تھے۔ اسسٹنٹ کمشنر اعجاز بلوچ کے علاوہ گوٹھ آباد سکیم کے مختار کار اور تحصیلدار کے علاوہ پیپلز پارٹی کے غلام نبی بلوچ مرحوم، شام لال، سابق اقلیتی کونسلر اور عبدالحمید بلوچ شامل تھے۔

اس کمیٹی نے اختیارات کا فائدہ اٹھا کر غرباء اور بیواؤں کے شناختی کارڈ لے کر ان کے نام سے پلاٹوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ جس کی ایک مثال بلال کارپوریشن ہے جس نے 22 غریب لوگوں کے نام پر ایک ایک ہزار مربع گز اراضی الاٹ کرائی اور ان غریبوں کو خبر بھی نہ ہوئی جبکہ گوٹھ آباد سکیم کے تحت صرف 60 گز سے لے کر 240 مربع گز رہائشی زمین الاٹ ہو سکتی ہے اور اسے تجارتی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی قطعی اجازت نہیں تھی۔ واضح رہے کہ سابق وزیراعلیٰ عبداللہ شاہ نے اپنے اعلان میں یہ بھی ہدایت کی تھی کہ یہ دستاویزات 25 سال تک نہ تو فروخت ہو سکتی ہیں اور نہ ہی یہ زمین کسی

دوسرے کے نام الاٹ ہو سکتی ہے جس کا ذکر سندوں میں واضح الفاظ میں کیا گیا ہے۔

سرکاری معاہدے میں ان پلاٹوں کی قیمت 57 لاکھ روپے ظاہر کی گئی تا کہ سرکاری ٹیکس سے بچا جا سکے۔ اس طرح ٹیکس کی مد میں 33 ہزار روپے ادا کیے گئے جبکہ ایک پلاٹ پچاس لاکھ روپے میں فروخت کیا گیا۔ اسی طرح 22 پلاٹوں کی قیمت گیارہ کروڑ روپے بنتی ہے۔ یہ گیارہ کروڑ روپے ضلعی انتظامیہ گوٹھ آباد سکیم اور پیپلز پارٹی کے جیالوں نے آپس میں بانٹ لیے اور جن غریبوں کے نام یہ پلاٹ الاٹ ہوئے انہیں ایک ایک ہزار دے کر کہا گیا کہ یہ رقم زکوٰۃ فنڈ سے حاصل کی گئی ہے اور آپ لوگوں کا نام زکوٰۃ کمیٹی کے پاس درج ہے جس سے آپ ہر برس ایک ہزار روپے لے سکتے ہیں۔ اس طرح غریب اور بے سہارا آج بھی بے گھر ہیں اور مفاد پرست لوگ دولت میں کھیل رہے ہیں۔

لیاقت جتوئی کو سندھ کی وزارت اعلیٰ خرید کر دینے والا کردار

1997ء میں عام انتخابات کے نتائج آنا شروع ہوئے تو سندھ کے سب سے زیادہ بااثر بیوروکریٹ اور کرپشن کے بادشاہ امتیاز شیخ اور اس کے گروہ نے وزیراعلیٰ ہاؤس میں ڈیرے ڈال دیئے اور رات بھر سندھ کے ارکان اسمبلی سے رابطے شروع کر دیئے۔ یہ سازش اس طرح عمل میں لائی گئی کہ تمام ڈپٹی کمشنروں اور اضلاع کے ایس ایس پی حضرات کو وزیراعلیٰ ہاؤس سے فون کر کے پابند کر دیا گیا کہ نومنتخب ارکان کو وزیراعلیٰ ہاؤس رابطہ کرنے کا کہا جائے۔

یہ سارا سلسلہ امتیاز شیخ کے بھائی اور مسلم لیگ نواز گروپ کے رکن صوبائی اسمبلی مقبول شیخ کو سندھ کے وزیراعلیٰ بنانے کے کھیل کا حصہ تھا مگر یہ اس پراسرار کھیل کا ایک پہلو تھا۔ دراصل اس سارے کھیل کے پیچھے محمود ٹرنک والا بطور ماسٹر مائینڈ تھا جو بیک وقت وزارت اعلیٰ کے تین امیدواروں سے ڈیل کر رہا تھا اور پیر صاحب پگاڑا کی فیصلہ کن حیثیت کا سودا کر رہا تھا۔ غلام مصطفیٰ جتوئی، لیاقت جتوئی اور مقبول شیخ میں سے ہر ایک کو موزوں بنا کر بیعانے وصول کر رہا تھا۔ پیر صاحب پگاڑا کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ راجہ سائیں اس خطرناک دور کے لیے غیر موزوں ہیں۔ دوسرے امیدوار مظفر حسین شاہ سابقہ دور میں نواز شریف اور غلام اسحاق خان کی لڑائی میں جانبدارانہ کردار کی وجہ سے اب

نواز شریف کے لیے غیر موزوں رہیں گے۔ مقبول شیخ کو آگے لانے کا مطلب یہ تھا کہ محمود ٹرنک والا اور اقتدار بانٹنے والے سنڈیکیٹ جس میں بعض مقتدر قوتوں کے ذمہ دار بھی شامل تھے۔ اصل امیدوار سے مناسب دام وصول کرنا چاہتے تھے۔ لیاقت جتوئی نے سب سے بہتر دام لگائے تو غلام مصطفیٰ جتوئی اپنے بیٹے کے لیے اعلیٰ سطح پر رابطے کر رہے تھے۔ انہیں راستے سے ہٹانے کے لیے ضیاء الحق دور میں جتوئی خاندان کے مشہور ہسپتال ڈالیسٹ کالفٹن کے لیے دیئے گئے 65 کروڑ کی وصولی کا مسئلہ سامنے لا کر خاموش کرا دیا گیا۔

اس اقتداری مافیا نے سیف الرحمٰن کی وساطت سے سندھ کی وزارت اعلیٰ کا لیاقت جتوئی کے ساتھ سودا کیا۔ لیاقت جتوئی کے والد اور سینئر پارلیمینٹرین عبدالحمید جتوئی اسلام آباد کے فیڈرل لاجز میں کچہریوں کے دوران لمبے عرصے تک اپنے بیٹے کی فضول خرچی اور اتنے بڑے انوسٹمنٹ پر ناراضگی کا اظہار کرتے رہے۔ لیاقت جتوئی کے لیے لابنگ کے دوران پیر پگاڑا کو حالات کا غلط رخ پیش کر کے رام کیا گیا۔ اولین شرط یہ تھی کہ سندھ کے بورڈ آف ریونیو خصوصاً لینڈ یوٹیلائزیشن کے محکمہ میں ٹرانسفر اور پوسٹنگ محمود ٹرنک والا کی مرضی سے ہوئی۔

محمود ٹرنک والا نے بورڈ آف ریونیو کے تمام معاملات کا جائزہ لینے اور مانیٹر کرنے کے لیے اپنے ذاتی ملازم سلیم کو انچارج مقرر کیا ہوا تھا۔ سلیم موجودہ ڈائریکٹر سکولز کراچی رضیہ سلیم کا شوہر ہے۔ لیاقت جتوئی کے ساتھ یہ ڈیل آگے چل کر وجہ دوستی بن گئی اور لیاقت جتوئی اور صداقت جتوئی کے کروڑوں روپے محمود ٹرنک والا کی وساطت سے دوبئی پہنچے اور جبل علی فری زون میں انویسٹ کیے گئے۔ لیاقت جتوئی فرار ہو کر دوبئی پہنچ چکے ہیں اور اب ان کاروباری معاملات کی نگہبانی کر رہے ہیں۔

محمود ٹرنک والا نے 12 اکتوبر 99ء کے بعد سارا سرمایہ دوبئی منتقل کر دیا۔ ایم سی بی مہدی ٹاور برانچ شارع فیصل کے عملے کے کئی ارکان جز وقتی ورلڈ آٹوز کے کارکن ہیں اور منی لانڈرنگ میں ملوث ہیں۔ ڈیرہ دوبئی سے متصل بنائے جانے والے دنیا کے جدید

ترین ٹریڈ فری زون عویرہ میں محمود ٹرنک والا نے قیمتی زمین خریدی ہے۔ پاکستان میں بیوروکریٹ اور سیاستدانوں کی طرف سے ملکی خزانہ لوٹ کر اربوں روپے اس کی معرفت اس زون میں لگائے گئے ہیں۔ اس کے ساتھی خان محمد مہر نے جب محمود ٹرنک والا کے بگڑے تیور دیکھے تو حالات کی نزاکت کے پیش نظر خود دوبئی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ محمود کے پاس جمع املاک کا بیشتر حصہ خان محمد کے ذریعے حاصل ہوا ہے اور اس کے تحفظ کی ذمہ داری بھی خان محمد کی ہے چنانچہ خان محمد عمرہ کرنے کے بہانے سعودی عرب اور پھر دوبئی پہنچا اور معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ پیر پگاڑا کے بیٹے راجہ سائیں کا دوبئی میں سسرال بھی ان کا مددگار تھا۔ یہ بات ٹرنک والا کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اسے خطرہ محسوس ہوا کہ خان محمد مہر دوبئی میں رہ جانے کی صورت میں اربوں کی مالیت پر قابض ہو جائے گا۔ اس بحران سے نکلنے کے لیے بڑا منصوبہ تیار کیا گیا۔ سندھ کے ایک سابق کور کمانڈر سمیت دیگر اہم حیثیت کے لوگوں کے ذریعے خان محمد مہر کو یقین دلایا گیا کہ وہ واپس آجائے' معاملات طے پا گئے ہیں۔ انہی دنوں دوست صحافیوں کے ذریعے یہ خبریں شائع کرائی گئیں کہ پیر صاحب پگاڑا کے بیٹے وزارت میں لیے جا رہے ہیں۔ پیر پگاڑا سے بھی سندھ کے زمینداروں کا اجتماع منعقد کر کے قوت کے مظاہرے کا کہا گیا۔ یہ سارا کھیل خان محمد مہر کو واپس بلانے کے لیے اور مطمئن کرنے کے لیے تھا تاکہ دوبارہ معاملات کی سنگینی دیکھ کر باہر نہ نکل جائے یہاں تک کہ اسے گرفتار کرا دیا گیا۔ خان محمد مہر کے قریبی لوگوں کا شک اب یقین میں بدل چکا ہے کہ خان محمد مہر کو محمود ٹرنک والا نے ہی گرفتار کرایا تھا۔

خان محمد مہر کی گرفتاری کے بعد ڈوبتے جہاز سے چھلانگ لگانے کا عمل جاری ہے۔ دیگر بیش قیمت املاک کے علاوہ دو عدد مرسڈیز کاریں پشاور کے ایک سود خور کو اصل قیمت سے نصف پر دی گئی ہیں۔ اسی طرح کورین کمپنی کے اشتراک سے کاریں بنانے کے پلانٹ پر اب تک قومی بینکوں اور سندھ کے بیوروکریٹ اور سیاستدانوں کا 30 کروڑ سے زائد سرمایہ لگا ہوا ہے۔

محمود ٹرنک والا نے خود کو بچانے کے لیے اور نیب سمیت تمام اداروں کو اپنے موثر اور اہم ہونے کا پیغام دینے کے لیے کروڑوں کی مالیت کا یہ پروجیکٹ حسین ہارون کے حوالے کر دیا ہے۔ محمود ٹرنک والا کے قریبی ذرائع کے مطابق اس معاملے کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ حسین ہارون این ڈی ایف سی سے 20 کروڑ کے معاملات خود طے کریں گے بلکہ خفیہ طریقے سے اتنی ہی رقم محمود کو ادا کریں گے۔ پہلی صورتحال لاہور کے مضافات میں رائے ونڈ سے متصل ٹیکسٹائل مل کے سلسلے میں دہرائی گئی۔ ستر کروڑ کے قرضے سے بنائی گئی مل جو مارکیٹ ویلیو میں اس سے نصف قیمت کی ہے اوپر کی رقم ہضم کر کے مل قرضہ فراہم کرنے والے بینک کے حوالے کر دی گئی ہے۔ ورلڈ آٹوز اور ورلڈ گروپ آف کمپنیز جسے محمود ٹرنک والا اور اس کا بیٹا شاہ زیب محمود چلاتے ہیں اور تاثر دیتے ہیں کہ پیر پگاڑا کے بیٹے راجہ سائیں ان کے شراکت دار ہیں لیکن دراصل وہ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے اہم رہنماؤں کے مالی امور کے نگران ہیں۔

سابق وفاقی وصوبائی وزیر اور پی پی کے مرکزی رہنما عبدالستار بچانی جن پر بے نظیر بھٹو اس قدر اعتماد کرتی ہیں کہ ان کی نشست سے انتخاب بھی لڑ چکی ہیں۔ بچانی کے بھتیجے اور داماد اور اس وقت یو بی ایل کے جنرل منیجر آفتاب بچانی محمود ٹرنک والا کے مالیاتی مشیر ہیں۔ انہی کی کوششوں سے ختم ہونے والے مالی سال کے آخری ہفتے میں غیر قانونی طریقے سے جعلی ضمانتوں پر چالیس کروڑ کا قرضہ ری شیڈول کیا گیا۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ محمود ٹرنک والا اپنا اکاؤنٹ ایم سی بی نیو چالی برانچ سے آپریٹ کرتا تھا۔ ایم سی بی کے عمر بلوچ مرحوم اور آفتاب بچانی نے یہ اکاؤنٹ مہدی ٹاور کی ایم سی بی برانچ منتقل کرایا اور قرضہ جاری کرنے کے مروجہ طریقہ کار سے ہٹ کر پروپرائٹر شپ کیلئے حد منظور کرائی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ قرضوں کا حجم بڑھتا گیا تو ایم سی بی کے چیئرمین میاں محمد منشا اور ایم سی بی کے صدر آفتاب منظور نے ذاتی دلچسپی لے کر قرضوں کی واپسی کو یقینی بنانے کے لیے کوششیں کیں تو ایم سی بی نے یہ کیس اے سی ایم جی اسپیشل ایسٹ ریکوری گروپ کے حوالے کر دیا۔ واضح رہے کہ محمود ٹرنک والا نے کمال ہوشیاری سے

پاک فوج کی سرپرستی میں چلنے والے ادارے عسکری لیزنگ اور گوہر ایوب اور علی قلی خان کے ادارے نسان موٹرز کو پہلے ہی ورلڈ گروپ سے منسلک کر دیا تھا۔ ان دونوں اداروں کو بھی تاثر دیا گیا کہ ان کے دیوالیہ ہونے کی صورت میں وہ اپنے معاملات پر کنٹرول نہیں رکھ سکیں گے اور مشترکہ نقصان سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ ان کے قرضے ری شیڈول کیے جائیں۔

محمود ٹرنک والا مال مفت دل بے رحم میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ایم سی بی اور یو بی ایل سے معاملات میں بھی اس فارمولے کو آزمایا گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی سیاستدانوں کو خوش رکھنے کیلئے قیمتی جاپانی گاڑیوں کے تحفے اب بھی جام ہاؤس اور کنگری ہاؤس میں ٹی سی نمبر پلیٹ والی بڑی بڑی گاڑیوں کی صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں جو کسٹم ڈیوٹی ادا کیے بغیر عارضی مدت کے لیے پورٹ سے باہر لائی گئیں اور اب تک زیر استعمال ہیں۔ جام صادق علی کے دور میں اصل وزیر اعلیٰ امتیاز شیخ کہلاتا تھا۔ امتیاز شیخ نے سرکاری ملازمت سے جو استعفیٰ دیا اس کے پیچھے بھی محمود ٹرنک والا ہے۔ امتیاز شیخ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کے گھر میں کوئی ایک بھی چیز پاکستانی نہیں ہے۔ تمام چیزیں فرانس کی ہیں اور ان پر پنو عاقل کے زمیندار اور سابق کور کمانڈر سندھ خاص مہربان ہیں اور طے شدہ پیکج کے تحت امتیاز اور محمود بیرون ملک معاملات کی نگہداشت کے لیے جلد از جلد باہر جانے کی کوشش میں ہیں۔ (محمود ٹرنک والا فرار ہو چکا ہے) گزشتہ انتخابات کے بعد مقبول شیخ کو وزیر اعلیٰ بنانے کا منصوبہ ادھورا رہا اور ادا کیے گئے روپوں کی واپسی کا مسئلہ درپیش تھا تو محمود نے ناتھا خان شاپ اور سٹار گیٹ کے درمیان واقع فلک ناز پلازہ شیخ برادران کے حوالے کر دیا اور بطور جرمانہ ملیر میں واقع خوبصورت فارم بھی انہیں دے دیا۔

آثار سے صاف نظر آتا ہے کہ ورلڈ گروپ کا آخری پراجیکٹ بھی چند دنوں میں صرف خوبصورت فانوسی اور شیشوں کا مرکز رہ جائے گا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مالیاتی ادارے اپنی رقوم واپس حاصل کر پائیں گے؟

جنرل ضیاء الحق‘ نواز شریف اور محمد خان جونیجو

سے پلاٹ لینے والے ارکان پارلیمینٹ کی فہرست

نام	پلاٹ نمبر	سیکٹر	تاریخ الاٹمنٹ	سائز
سینٹر محمد اسحاق بلوچ	84	G11 تھری	2-2-1988	1000 گز
پردل کوہلی ایم این اے	85	ایضاً	2-3-1988	ایضاً
فضل داد خان	86	ایضاً	15-11-1987	ایضاً
محمد سالم خلیل	87	ایضاً	28-10-1987	ایضاً
صاحبزادہ نور حسن	89	ایضاً	24-3-1988	ایضاً
رائے صلاح الدین خان	90	ایضاً	25-1-1988	ایضاً
سینٹر ذوالفقار علی چشتی	91	ایضاً	3-2-1988	ایضاً
مقبول احمد خان ایم این اے	92	ایضاً	22-10-1987	ایضاً
ملک گلاب خان محمود	93	ایضاً	21-11-1987	ایضاً
سینٹر ملک عبدل	95	ایضاً	8-11-1987	ایضاً
ڈاکٹر محمد شفیق چودھری ایم این اے	96	ایضاً	23-5-1988	ایضاً
سینٹر محمد ہاشم خان	97	ایضاً	21-11-1987	ایضاً
غلام محمد احمد خان مانیکا ایم این اے	98	ایضاً	12-11-1987	ایضاً

نام	پلاٹ نمبر	سیکٹر	تاریخ الاٹمنٹ	سائز
پیر محمد صابر شاہ ایم این اے	99	ایضاً	12-11-1987	ایضاً
سینٹر عبدالحمید قاضی	100	ایضاً	15-11-1987	ایضاً
سینٹر ملک سعد اللہ خان	101	ایضاً	18-1-1988	ایضاً
رانا تنویر حسین ایم این اے	102	ایضاً	16-2-1988	ایضاً
مولا داد خان ایم این اے	103	ایضاً	25-1-1988	ایضاً
سینٹر حسین بخش بنگل زئی	104	ایضاً	24-3-1988	ایضاً
سینٹر یوسف خان ساسولی	105	ایضاً	13-4-1988	ایضاً
سینٹر سید عباس شاہ	106	ایضاً	1-3-1988	ایضاً
ملک نادر خان ایم این اے	107	ایضاً	25-5-1988	ایضاً
حافظ فضل منان ایم این اے	108	ایضاً	2-5-1988	ایضاً
سینٹر شاہ محمد خان	109	ایضاً	10-2-1988	ایضاً
خیر محمد بھرگری	111	ایضاً	12-3-1988	ایضاً
قمر الزمان شاہ کھگہ ایم این اے	112	ایضاً	8-3-1988	ایضاً
خواجہ محمد صفدر ایم این اے	113	ایضاً	20-3-1988	ایضاً
سید شاہ مہدی نسیم ایم این اے	114	ایضاً	13-4-1988	ایضاً
بیگم سروری صادق ایم این اے	115	ایضاً	12-3-1988	ایضاً
سوامقصو داحمد خان لغاری ایم این اے	116	ایضاً	20-4-1988	ایضاً
ظفر اللہ جمالی ایم این اے	119	ایضاً	2-5-1988	ایضاً
عارف حسین ایم این اے	88	ایضاً	1-3-1987	ایضاً
سینٹر ملک فرید اللہ خان	577	جی ٹین ٹو	1-11-1987	800 گز
غلام محمد چشتی ایم این اے	578	102 جی	7-7-1987	ایضاً
سینٹر ملک محمد علی	579	ایضاً	5-10-1987	ایضاً
صاحبزادی محمودہ بیگم ایم این اے	580	ایضاً	18-8-1987	ایضاً

بیگم نسیم ماجد ایم این اے	581	ایضاً	23-7-1987	ایضاً
رائے منصب علی خان ایم این اے	582	ایضاً	8-9-1987	ایضاً
نواب مظہر علی ایم این اے	584	ایضاً	19-9-1987	ایضاً
رائے احمد نواز ایم این اے	585	ایضاً	2-8-1987	ایضاً
محمد اسلم کھچیلا ایم این اے	583	ایضاً	31-8-1987	ایضاً
پرنس جام محمد یوسف ایم این اے	586	ایضاً	28-7-1987	ایضاً
سینیٹر اصغر علی شاہ	587	ایضاً	11-8-1987	ایضاً
سینیٹر ایم منیر آفریدی	589	ایضاً	30-8-1987	ایضاً
سینیٹر حبیب اللہ مہمند	590	ایضاً	22-8-1987	ایضاً
سینیٹر انجینئر محمد فضل آغا	591	ایضاً	19-9-1987	ایضاً
ملک عبدالرؤف ایم این اے	277A	F10\3	11-11-1987	672 مربع گز
غلام محی الدین خان مروت ایم این اے	277B	ایضاً	ایضاً	ایضاً
میاں محمد آصف ایم این اے	277C	ایضاً	12-11-1987	ایضاً
صاحبزادہ محمد احمد ایم این اے	302A	F10\3	11-11-1987	686 مربع گز
چودھری ممتاز احمد ججی	302B	ایضاً	ایضاً	ایضاً
چودھری محمد سرور ایم این اے	186C	F10\4	ایضاً	702 مربع گز
عبدالرحمٰن جمالی سینیٹر	588	10-2 جی	31-8-1988	800 مربع گز
سینیٹر رسول بخش	117	10-3 جی	8-11-1988	1000 مربع گز
بھگوا داس چاولہ ایم این اے	118	10-3 جی	4-6-1988	1000 مربع گز
علی بی ایم این اے	121	ایضاً	ایضاً	ایضاً
سینیٹر ایمن روم	592	10-2 جی	10-8-1987	800 گز
ملک محبوب حسین ایم این اے	594	ایضاً	19-9-1987	ایضاً

سینیٹر احمد میاں سومرو	597	ایضاً	29-9-1987	ایضاً
ممتاز احمد تارڑ ایم این اے	598	ایضاً	14-10-1987	ایضاً
چودھری امیر حسین ایم این اے	599	ایضاً	7-10-1987	ایضاً
پیر شجاعت حسین قریشی سینیٹر	600	ایضاً	2-2-1988	ایضاً
ایمونئل ظفر ایم این اے	601	ایضاً	20-10-1987	ایضاً
انور علی چیمہ ایم این اے	602	ایضاً	25-10-1987	ایضاً
سینیٹر امیر حیدر قریشی	603	ایضاً	13-10-1987	ایضاً
حاجی نور شیر خان ایم این اے	1211	ایضاً	2-5-1988	ایضاً
حاجی گل شیر خان ایم این اے	1212	ایضاً	ایضاً	ایضاً
مولانا محمد رحمت اللہ ایم این اے	1213	ایضاً	2-2-1988	ایضاً
منور قطب الدین ایم این اے	545	F10\2	7-6-1987	ایضاً
چودھری محمد اقبال ایم این اے	546	ایضاً	2-7-1987	ایضاً
بیگم عشرت اشرف ایم این اے	547	ایضاً	ایضاً	ایضاً
سید اصغر علی شاہ ایم این اے	548	ایضاً	ایضاً	ایضاً
پیر محمد اشرف ایم این اے	549	ایضاً	29-6-1987	ایضاً
چودھری امان اللہ رانا ایم این اے	550	ایضاً	2-7-1987	ایضاً
میر محمد عارف جان محمد حسنی ایم این اے	552	ایضاً	7-7-1987	ایضاً
کیپٹن (ر) ثناء اللہ ایم این اے	553	ایضاً	9-6-1987	ایضاً
چودھری محمد نواز بوسال ایم این اے	555	ایضاً	11-6-1987	ایضاً
امان اللہ خان شاہانی ایم این اے	556	ایضاً	18-6-1987	ایضاً
ملک غلام محمد مجتبیٰ غازی کھر ایم این اے	558	ایضاً	3-2-1988	ایضاً

سردار وزیر محمد جوگیزئی ایم این اے	559	ایضاً	6-10-1987	ایضاً
دل مراد جمالی ایم این اے	560	ایضاً	11-6-1987	ایضاً
لیفٹیننٹ کرنل (ر) ڈبلیو ہربرٹ بلوچ ایم این اے	561	ایضاً	29-6-1987	ایضاً
سینیٹر صاحبزادہ الیاس	321A	F10\1	12-10-1987	ایضاً
حاجی نادر شاہ ایم این اے	288	F10\8	29-6-1987	ایضاً
سردار محمد سرفراز ایم این اے	290	ایضاً	ایضاً	ایضاً
مہر خداداد خان ملک ایم این اے	289	ایضاً	ایضاً	ایضاً
سید منظور حسین شاہ ایم این اے	291	ایضاً	3-2-1988	ایضاً
نواب امان اللہ خان سیال MNA	292	ایضاً	31-8-1987	ایضاً
حاجی خیر محمد پنواڑ ایم این اے	293	ایضاً	11-6-1987	ایضاً
سینیٹر محمد علی ہوتی	295	ایضاً	25-11-1987	ایضاً
علامہ مصطفیٰ الازہری ایم این اے	297	ایضاً	29-6-1987	ایضاً
سیٹھ چمن داس ایم این اے	298	ایضاً	16-6-1987	ایضاً
محمد قاسم خان ایم این اے	299	ایضاً	18-6-1987	ایضاً
بریگیڈیئر (ر) افتخار احمد بشیر	300	ایضاً	25-8-1987	ایضاً
پیر محمد ثناء اللہ بودلہ ایم این اے	301	F-10\3	9-6-1987	ایضاً
راجہ شاہد سعید ایم این اے	604	ایضاً	3-2-1987	ایضاً
سینیٹر ملک عنایت خان	605	ایضاً	25-10-1987	ایضاً
سینیٹر ملک عبدالواحد	606	ایضاً	3-11-1987	ایضاً
سینیٹر سید خیال سعید میاں	607	ایضاً	2-11-1987	ایضاً
سینیٹر بریگیڈیئر (ر) عبدالقیوم	611	ایضاً	21-11-1987	ایضاً
اسلام الدین شیخ ایم این اے	613	جی.10-3	1-2-1988	ایضاً

سینیٹر جام کرم علی	25B	ایضاً	ایضاً	ایضاً
سردار غلام محمد خان مہر MNA	25D	ایضاً	11-11-1987	ایضاً
حاجی خیال شاہ ایم این اے	1209	جی.-10-4	2-5-1988	ایضاً
ملک عمر دین بنگش	1210	ایضاً	28-5-1988	ایضاً
نواب محمد یامین خان ایم این اے	302	ایضاً	7-7-1987	ایضاً
میر نواز خان مروت ایم این اے	303	ایضاً	19-6-1987	ایضاً
عطا محمد مری ایم این اے	304	ایضاً	19-8-1987	ایضاً
راجہ محمد افضل خان ایم این اے	296	F-10\4	22-6-1987	ایضاً
شہزاد محی الدین ایم این اے	297	ایضاً	18-6-1987	ایضاً
محمد ایوب خان الائی ایم این اے	295	ایضاً	31-1-1988	ایضاً
سید احمد عالم انور ایم این اے	554	F-10\2	4-5-1987	ایضاً
حمید خان ایم این اے	301	F-10\3	29-6-1987	666 گز
یعقوب خان جدون ایم این اے	312	ایضاً	18-5-1987	ایضاً
فیروز الدین انصاری ایم این اے	313	ایضاً	9-6-1988	ایضاً
شہاب الدین شاہ حسینی ایم این اے	314	ایضاً	28-1-1987	ایضاً
بیگم ریحانہ علیم مشہدی ایم این اے	315	ایضاً	23-6-1987	ایضاً
سینیٹر مولانا سمیع الحق	317	ایضاً	14-11-1987	ایضاً
بریگیڈیئر (ر) محمد اصغر ایم این اے	169A	ایضاً	3-2-1988	ایضاً
بیگم سلمیٰ احمد ایم این اے	170A	ایضاً	31-6-1987	ایضاً
سردار محمد جہانگیر ایم این اے	318	ایضاً	11-11-1987	ایضاً
بیگم بلقیس نصر من اللہ ایم این اے	9	ایضاً	29-9-1987	ایضاً
گوہر ایوب ایم این اے	320	ایضاً	11-11-1987	ایضاً
سید غلام مصطفیٰ شاہ ایم این اے	272C	ڈی-12-3	ایضاً	ایضاً

بیگم مہرالنساء ایم این اے	229	ڈی-12-2	30-7-1990	ایضاً
چودھری نوریز شکور خان	1533	ڈی-12-1	20-11-1989	ایضاً
ملک امیر محمد خان ایم این اے	384	ڈی-12-2	26-12-1989	ایضاً
سینیٹر سردار محمد ہاشم	396	ڈی-12-2	13-2-1990	600
سابق سینیٹر سردار محمد سلیم	226	ایضاً	14-1-1990	ایضاً
ملک نیاز احمد جھکڑ ایم این اے	288C	ڈی-12-4	14-3-1990	500
بیگم شہناز وزیر علی ایم این اے	608C	ڈی-12-2	27-12-1989	ایضاً
رانا شوکت حیات نون ایم این اے	202 A	F-10\2	11-11-1987	ایضاً
سینیٹر نوابزادہ شیخ محمد عمر	203A	F-10-3	11-11-1987	ایضاً
ایم پی بھنڈرہ ایم این اے	228A	ایضاً	25-8-1987	ایضاً
فتح محمد خان ایم این اے	228B	ایضاً	2-7-1987	ایضاً
حاجی جاوید اقبال عباسی ایم این اے	251A	ایضاً	11-11-1987	ایضاً
محمد اکرم خان ایم این اے	251B	ایضاً	ایضاً	ایضاً
سینیٹر شاہ مردان پیر آف پگاڑا	14A	F-7\2	3-8-1987	10-11
پیر علی گوہر شاہ	10A	ایف-10-3	15-10-1987	733
محمد عبداللہ غازی ایم این اے	10B	ایضاً	31-8-1987	ایضاً
نور جہاں پانیزئی ایم این اے	10B	ایضاً	23-6-1987	ایضاً
آغا عطا محمد خان ایم این اے	95A	ایضاً	23-6-1987	ایضاً
میاں ریاض احمد خان دولتانہ	95B	ایضاً	30-8-1987	ایضاً
چوہدری محمد بشیر رندھاوا ایم این اے	95B	ایضاً	14-6-1990	ایضاً
سید عبدالغفور شاہ ایم این اے	1539	ڈی-12-1	6-1-1990	600
شہادت علی خان بلوچ ایم این اے	217	ڈی-12-3	7-1-1990	ایضاً
ڈاکٹر شیر افگن نیازی ایم این اے	216	ڈی-12-2	29-3-1990	ایضاً

محمد اسلم لون	223C	ایضاً	6-5-1990	ایضاً
بریگیڈیئر (ر) حامد نواز ایم این اے	1503	ڈی-12-1	17-12-1989	ایضاً
فتح محمد خان ایم این اے	451	ڈی-12-2	14-11-1989	500 مربع گز
شہزادہ محمد گستاسب ایم این اے	1301	ڈی-12-1	12-11-1989	ایضاً
ارباب محمد ایوب خان ایم این اے	468	ڈی-12-2	15-11-1989	ایضاً
بابر نسیم خان ایم این اے	1302	ڈی-12-1	12-11-1989	ایضاً
غنی الرحمٰن ایم پی اے	462	ڈی-12-2	14-11-1989	ایضاً
امان اللہ خان کنڈی ایم پی اے	1300	ڈی-12-1	12-11-1989	ایضاً
سردار حمید گل ایم پی اے	457	ڈی-12-2	14-11-1989	ایضاً
سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور	1292	ڈی-12-1	7-11-1989	ایضاً
ملک محمد رفیق کھرا ایم پی اے	5C	جی-10-3	15-10-1989	661 مربع گز
عبدالصمد ایم پی اے	598	ڈی-12-2	17-12-1989	500 مربع گز
بیگم شہزادہ محمد سلیمان ایم پی اے	600	ایضاً	11-1-1990	ایضاً
محمد افسر خان ایم پی اے	452	ایضاً	14-11-1989	ایضاً
سید مسعود کوثر ایم پی اے	446C	ایضاً	3-12-1989	ایضاً
محمد ایوب تنولی ایم پی اے	1304	ڈی-12-1	12-11-1989	ایضاً
فقیر الدین ایم پی اے	1306	ایضاً	ایضاً	ایضاً
سردار حیدر زمان خان ایم پی اے	1303	ایضاً	ایضاً	ایضاً
سید محمد منیر شاہ ایم پی اے	1291	ایضاً	7-11-1989	ایضاً
حبیب الرحمٰن ایم پی اے	1294	ایضاً	ایضاً	ایضاً

پلاٹ لینے والے سرکاری اہلکار

نمبر شمار	نام	سائز گز
1	میر رحیم بیگ سٹاف کار ڈرائیور کیبنٹ ڈویژن	139
6	غلام محمد میمن سپرنٹنڈنٹ انجینئر پاک پی ڈبلیو ڈی اسلام آباد	661
19	کامران رضوی ولد سید حسن سلیمانی رضوی ہاؤس	200
65	کیپٹن عثمان زکریا (اے ڈی سی) ٹو پرائم منسٹر	500
66	لیفٹیننٹ کمانڈر شوکت علی	500
67	سکواڈرن لیڈر اقبال محمود	500
71	میجر سید فاروق حیدر پاشا سپیشل سکیورٹی ٹو (پی ایم) سیکرٹریٹ	500
72	پرویز حفیظ	356
129	محمد حیات سمبل چیئرمین ٹرسٹ بورڈ لاہور	666
130	محمد سمیع الدین سیکرٹری پیداوار	1003
143	ڈاکٹر نصیر احمد شیخ (ایس اے ایس پی) وزارت خارجہ اسلام آباد	1166
146	عمر آفریدی چیف سیکرٹری سرحد	933
202	ارشد سمیع کان چیف آف پروٹوکول وزارت خارجہ اسلام آباد	500
218	محمد قاسم گوریلا (پی ایم) سیکرٹریٹ ڈرائیور کیبنٹ بلاک اسلام آباد	200
293	ائیر چیف مارشل حکیم اللہ چیف آف ائیر سٹاف ائیر ہیڈ کوارٹرز چکلالہ	178888
330	لیفٹیننٹ جنرل سید ذاکر علی زیدی' کمانڈنٹ این آئی ڈی کالج راولپنڈی	800
457	بیگم سراج اکرم ڈویژنل پبلک سکول ماڈل ٹاؤن ایچ بلاک لاہور	272
544	بیگم شہناز اختر وزیراعظم سیکرٹریٹ اسلام آباد	600

پلاٹ نمبر	الاٹی کا نام اور پتہ	سائز/مربع گز	کل قیمت	ریمارکس
12/1-ڈی 1458	میڈم سکینہ بی بی (راولپنڈی)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1450	مسٹر ارشد احمد (شیخوپورہ)	272	81600	ایضاً
4/-بی 2469	مسٹر جاوید اختر	1666/9	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1451	مسٹر محمد صدیق (شیخوپورہ)	272	81600	تحریری منظوری
12/1-ڈی 1452	مسٹر محمد اصغر (اسلام آباد)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1453	حنیفہ بیگم (سیالکوٹ)	272	81600	ایضاً
12/3-ڈی 70	مسٹر غلام مرتضیٰ (راولپنڈی)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1454	مسٹر رحیم (راولپنڈی)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1455	مسٹر شجاع الدین (راولپنڈی)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1456	مسٹر پرویز صدیق (اسلام آباد)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1457	مسٹر محمد رحمان (راولپنڈی)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1460	مسٹر مزمل محبوب (راولپنڈی)	272	81600	ایضاً
12/3-ڈی سی 68	میڈم نادرہ بیگم (راولپنڈی)	272	89700	ٹیلیفون/چٹ
12/3-ڈی سی 69	میڈم زینت (راولپنڈی)	272	897600	ایضاً
12/2-ڈی سی 470	مسٹر منور حسین (کراچی)	272	275000	ایضاً
12/2-ڈی 682	مسٹر محمد نعیم (لاہور)	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 768	راجہ ذوالقرنین (لاہور)	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 687	مسٹر شہزادہ ممتاز (واہ کینٹ)	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 689	سید مقصود علی شاہ (شیخوپورہ)	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 688	حاجی اکرم (لاہور)	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 690	مسٹر محمد اکرم بھٹی (لاہور)	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 679	مسٹر مجتبیٰ کامران حیدر (کینٹ)	272	81600	ایضاً

12/3-ڈی 77	مسٹرالیس ناصر عباسی (اسلام آباد)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 361	مسٹرمحمد نادر (لاہور)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 362	مسٹرعبدالحمید گل (میانوالی)	272	81600	ٹیلیفون/چٹ
12/3-ڈی 75	مسٹرفیصل خان (لاہور)	272	81600	تحریری منظوری
12/3-ڈی 74	مسٹرطلعت محمود (لاہور)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1433	میڈم انور بیگم (لاہور)	272	81600	تحریری منظوری
12/1-ڈی 1434	میڈم سرور بیگم (لاہور)	272	81600	ایضاً
جی/2626 16	مسٹرعبدالقادر (کراچی)	272	90000	ٹیلیفون/چٹ
12/4-ڈی 354	میڈم سردار بیگم (فیصل آباد)	272	81600	تحریری
12/1-ڈی 1499	محمد شفیع محمدی (کراچی)	356	186800	ٹیلیفون احکامات
12/1-ڈی سی 1447	میڈم فرزندہ بخاری لاہور	272	89768	تحریری
13/2-ڈی 858	مس عابدہ شیخ (راولپنڈی)	272	81600	ایضاً
سی 1028-ڈی 131	سید محمد زبیر شاہ بخاری منڈی بہاءالدین	200	6000	ٹیلیفون احکامات
12-ڈی 1531	ممتاز علی (کراچی)	200	48000	تحریری
12/4-ڈی 1414	میڈم شہناز بیگم (حیدرآباد)	272	80000	ٹیلیفون احکامات
12/4-ڈی 228	سید کمال شاہ (مردان)	272	81600	تحریری
12/1-ڈی 1465	آغا محمد ظفر (لاہور)	272	81600	تحریری منظوری
10/2-جی 625	لیفٹیننٹ جنرل سید ذاکر علی زیدی (راولپنڈی)	800	200000	ٹیلیفون/چٹ
12/1-ڈی 1467	مسٹرمحمد جاوید (لاہور)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1468	بیگم نسیم بابا لاہور	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 671	میڈم زبیدہ شاہین لاہور	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 672	میڈم رشید بیگم لاہور	272	81600	ایضاً

12/2-ڈی 673	میڈم بشیراں بیگم لاہور	272	81600	ایضاً
12/3-ڈی 76	میڈم عبیدہ نسرین لاہور	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 221	چودھری آفتاب اسلم اسلام آباد	600	480000	ایضاً
12/2-ڈی 685	ملک تنویر علی (راولپنڈی)	272	81600	تحریری منظوری
12/1-ڈی 675	مسٹرمحمد اقبال چیمہ (لاہور)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1464	مسٹرالطاف حسین (اٹک)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1463	مسٹرفرمان الٰہی (اٹک)	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1462	قاری عبدالملک (راولپنڈی)	272	81600	ٹیلیفون/چٹ
12/1-ڈی 1461	میڈم تسنیم کوثر (شیخوپورہ)	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 674	محمد اشرف ناز (لاہور)	272	81600	تحریری منظوری
12/1-ڈی سی 1470	مسٹرعبدالحفیظ باشانی لاہور	272	89760	ایضاً
12/4-ڈی 384	مسٹرریحان علی (لاہور)	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 677	میڈم نسیم اختر (لاہور)	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 683	مسٹرعطاللہ (لاہور)	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 684	مقصود حسین (لاہور)	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 686	مسٹرحبیب الرحمٰن (لاہور)	272	81600	ایضاً
12/2-ڈی 1469	چودھری محمد لطیف ایاز لاہور	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1245	مسٹرمحمد یونس (راولپنڈی)	272	41700	ٹیلیفون پر اطلاع
12/1-ڈی 1244	شیخ زاہد پرویز (راولپنڈی)	272	41700	ایضاً
12/1-ڈی 1246	مسٹرمحمد اسحاق (راولپنڈی)	272	41700	ایضاً
12/1-ڈی 1243	سید شاہد حسین (ٹیکسلا)	272	41700	ایضاً
12/4-ڈی 421	سید جاوید حسین کاظمی راولپنڈی	272	60000	ٹیلیفون احکامات
12/4-ڈی 225	مسٹرمحمد مشتاق اظہر (چیچہ وطنی)	272	81600	تحریری

12/2-ڈی 458	پروفیسر مسز شیکلا رشید (لاہور)	272	275000	ٹیلیفون احکامات
12/2-ڈی سی 447	کرنل (ر) حبیب خان راولپنڈی	272	275000	ایضاً
12/2-ڈی سی 392	بیگم نرگس پروین (اسلام آباد)	272	528000	ایضاً
12/1-ڈی 422	مسٹر مظہر اقبال (لاہور)	272	33300	ٹیلیفون احکامات
12/4-ڈی 226	سینیٹر سردار محمد سلیم (راولپنڈی)	272	480000	ایضاً
12/4-ڈی 224	مسٹر شوقین علی حیدری راولپنڈی	272	81600	تحریری
12/2-ڈی 222	مسز ثمرین وقار اسلام آباد	272	480000	ٹیلیفون احکامات
12/1-ڈی 1495	سید دیدار حسین شاہ (لاڑکانہ)	272	106800	ٹیلیفون/چٹ
12/2-ڈی 225	مسٹر منگا خان (اسلام آباد)	272	180000	ٹیلیفون احکامات
12/4-ڈی 229	مسز زیبا راشد (لاہور)	272	81600	تحریری
12/4-ڈی 477	سید سرور احسن (کراچی)	272	117480	ٹیلیفون اطلاع
12/2-ڈی	سید مختار علی شاہ (پشاور)	272	81600	تحریری
12/4-ڈی	مسٹر محمد یامین (لاہور)	272	60000	ٹیلیفون احکامات
12/4-ڈی 34	مسٹر انور حسین (لاہور)	272	81600	تحریری
12/1-1-ڈی	میاں منیر احمد (لاہور)	272	81600	ایضاً
10/2-ڈی 624	مسٹر صفدر شاہ (اسلام آباد)	272	200000	ٹیلیفون احکامات
12/3-ڈی سی 1145	مسٹر منظور احمد راولپنڈی	272	66000	ایضاً
12/3-ڈی 274	مسٹر محمد نواز کوہاٹ	600	480000	ٹیلیفون/چٹ
12/3-ڈی 273	مسٹر محمد اکرم کوہاٹ	600	480000	ایضاً
12/3-ڈی 276	مسز فہمیدہ جمال اورکزئی ایجنسی	600	480000	ایضاً
12/1-ڈی 1250	سید حسین طاہر کرمانی سرگودھا	138	41700	ٹیلیفون احکامات
10/2-ڈی 614	مسٹر رضوان الحق کوئٹہ	800	200000	ٹیلیفون/چٹ
12/1-ڈی 1252	مسٹر ایم عبدالحمید فیصل آباد	138	41700	ٹیلیفون احکامات

12/1-ڈی 1254	مرزا محمد امین فیصل آباد	1388/9	41700	ایضاً
12/1-ڈی 1251	مسٹر محمد اشرف فرشتہ فیصل آباد	1388/9	41700	ایضاً
12/1-ڈی 1253	مسٹر ارشد حسین جعفری فیصل آباد	1388/9	41700	ایضاً
12/2-ڈی 229	بیگم مہر النساء ایم این اے پشاور	600	400000	ایضاً
12/2-ڈی 233	محمد جاوید اقبال قصور	600	400000	ایضاً
12/4-ڈی 428	نذیر احمد اوکاڑہ	200	60000	ایضاً
12/1-ڈی 1501	اورنگزیب خان راولپنڈی	356	106000	ایضاً
12/2-ڈی 236	مسز شہناز اختر اسلام آباد	600	400000	ایضاً
12/2-ڈی 516	لالہ اعجاز احمد پٹھا اسلام آباد	356	31600	ایضاً
12/4-ڈی 230	مسٹر مہر دین لاہور	272	81600	ایضاً
12/4-ڈی 231	میڈم عائشہ بیگم لاہور	272	81600	ایضاً
12/4-ڈی 232	میڈم انور بیگم لاہور	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی 1255	مسٹر محمد یاسین کراچی	111	33300	ایضاً
12/1-ڈی 1435	مسٹر حمید پرویز گوجرانوالہ	272	18000	ایضاً
12/1-ڈی 1436	مرزا خالد پرویز گوجرانوالہ	272	18000	ایضاً
12/1-ڈی 1437	سید محمد اسلام لاہور	272	18000	ایضاً
6/3-جی 13 اے	ایئر چیف مارشل حکیم اللہ چکلالہ	1788،88	447220	ایضاً
12/1-ڈی سی 227	مسٹر محمد صغیر ملتان	600	528000	ایضاً
12/1-ڈی 1442	میڈم ناہید سعید لاہور	272	18600	ایضاً
12/1-ڈی 1440	مرزا مقبول احمد کراچی	272	18600	ایضاً
12/1-ڈی 1441	مسٹر محمد اسلم ساغر اسلام آباد	272	18600	ایضاً
12/1-ڈی 1438	شیخ تاج الدین لاہور	272	18600	ایضاً
12/1-ڈی 1439	مسٹر محمد رزاق سرگودھا	272	18600	ایضاً

4.جی12589	مسٹر محمد امین اسلام آباد	1944/9	48612	ایضاً
12/2-ڈی سی214	مسٹر جواد عباسی اسلام آباد	600	528000	ٹیلیفون/ چٹ
12/1-ای سی1446	میڈم حمیدہ خاتون سیالکوٹ	272	89760	تحریری منظوری
12/2-ڈی129	مسٹر وحید اسلام آباد	600	488000	ٹیلیفون اپروول
12/2-ڈی1444	مسٹر علی بابا راولپنڈی	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی1445	مسٹر قادری اللہ خان گوجرانوالہ	272	18600	تحریری منظوری
12/2-ڈی680	مس ارشاد گل ساہیوال	272	89760	ایضاً
12/1-ڈی1443	رانا محمد فاروق سعید خان ٹوبہ ٹیک سنگھ	272	18600	ٹیلیفون چٹ
12/3-ڈی344	مسٹر ریاض احمد فیصل آباد	272	18600	تحریری منظوری
12/3-ڈی266	چودھری محمد اصغر فیصل آباد	600	480000	ایضاً
12/1-ڈی1448	چودھری محمد اسلم راولپنڈی	272	31000	ایضاً
12/1-ڈی1449	بیگم زاہدہ اعظم جہلم	272	81600	ایضاً
12/1-ڈی1459	چودھری محمد ارشد راولپنڈی	272	81600	ایضاً

الاٹی کا نام اور پتہ	پلاٹ نمبر	مربع گز	تاریخ الاٹمنٹ
مسز ثریا نذیر لاہور	296 سی ایف 11	500	8-7-1985
مسٹر سراج الدین احمد اسلام آباد	339ایف1/11	666	8-7-1985
مسٹر نیر آغا کراچی	408ایف1/11	1000	9-4-1985
سید آل حیدر لاہور	426ایف1/11	500	29-7-1985
رحمت علی صدیقی اسلام آباد	462ایف1/11	600	29-4-1985
سعد اللہ خان راولپنڈی	478ایف1/11	600	14-2-1985
مسٹر ایس اے ایس اعوان پشاور	486ایف1/11	666	29-4-1985
ایم ممتاز ملک اسلام آباد	489ایف1/11	66666	8-7-1985
مسٹر ذکاء اللہ لودھی کوئٹہ	497ایف1/11	666	29-1-1985

مس خان اسلام آباد	506ایف1/11	666	22-7-1985
مسٹر محمد سید اسلام آباد	203ایف1/11	800	29-4-1985
میجر محمد اشرف راولپنڈی	225ایف1/11	800	14-2-1985
مسٹر وزیر فرمان علی اسلام آباد	227ایف1/11	800	8-7-1985
بیگم ریحانہ سلطان محمود ایبٹ آباد	228ایف1/11	800	18-8-1985
مسٹر فرخ الدین ایم حبیب کراچی	227ایف1/11	1000	19-2-1985
مسٹر جاوید اسلم آسٹریلیا	230ایف1/11	1000	14-2-1985
بریگیڈیئر محمد اکرم کراچی	273ایف1/11	666	29-4-1985
بریگیڈیئر آرجی ایم چودھری	275ایف1/11	666	29-4-1985
میجر انوار حسین اسلام آباد	277ایف1/11	666	29-4-1985
محمد صدیقی فیصل آباد	276ایف1/11	666	24-3-1985
ناصر فاروق راولپنڈی	401ایف1/11	500	14-2-1985
مس ریحانہ یاسمین	402ایف1/11	500	14-2-1985
مسٹر علیم الدین ایم ظفر کی نگرانی میں	404ایف1/11	500	14-2-1985
انوار بیگم اسلام آباد	438ایف1/11	500	29-4-1985
میاں نیاز گل اسلام آباد	410ایف1/11	500	9-7-1985
مسٹر افتخار علی سگرو راولپنڈی	412ایف1/11	500	29-4-1985
مسٹر بشیر احمد بھٹی اسلام آباد	413ایف1/11	500	29-4-1985
مسٹر محمد حنیف رضا (G-10-3)	414ایف1/11	500	29-4-1985
مسز سرتاج قیوم ایبٹ آباد	416ایف1/11	500	29-4-1985
مسٹر کے جی مرتضیٰ اسلام آباد	417ایف1/11	500	29-4-1985
مسز ریحانہ ملک اسلام آباد	418ایف1/11	500	29-4-1985
ایس بشیر حسین اسلام آباد	419ایف1/11	500	29-4-1985

مسٹر محمد رفیع راولپنڈی	420 ایف 1/11	500	29-4-1985
مسٹر اے آر شیخ راولپنڈی	7 ایف 1/11	1000	14-2-1985
مسٹر ظفر حسین لاہور	8 ایف 1/11	1000	14-2-1985
مسٹر محمد منصور علی خان فیصل آباد	9 ایف 1/11	1000	14-2-1985
مسٹر ذاکر حسین خان اسلام آباد	14 ایف 1/11	1000	2-5-1985
مسز ثریا بیگ اسلام آباد	14 ایف 1/11	1000	29-4-1985
جسٹس عثمان علی شاہ راولپنڈی	18 ایف 1/11	1000	1-4-1985
محمد سعید اسلام آباد	137 ایف 1/11	444	8-7-1985
مسز نصرت منیر ایبٹ آباد	220 ایف 1/11	500	8-7-1985
مسٹر جلیل اے خان اسلام آباد	238 ایف 1/11	500	8-7-1985
مسز عابدہ خان ایبٹ آباد	239 ایف 1/11	500	8-7-1985
مس رضیہ اے ذری کراچی 5	240 ایف 1/11	500	8-7-1985
مسز نسیم بیگ اسلام آباد	241 ایف 1/11	500	8-7-1985
لیفٹیننٹ کرنل (ر) ولی محمد راولپنڈی	242 ایف 1/11	500	8-7-1985
مسز نجم سعید گیلانی اسلام آباد	243 ایف 1/11	500	8-7-1985
مسٹر طارق بٹ اسلام آباد	257 ایف 1/11	500	29-4-1985
ڈاکٹر مسز اے کے طاعت پشاور	492 ایف 1/11	666	29-4-1985
کرنل (ر) سکندر خان اسلام آباد	248 ایف 1/11	1000	21-4-1985
مسٹر ڈبلیو ڈی سبائز اسلام آباد	423 ایف 1/11	500	8-7-1985
الیاس بشیر اسلام آباد	409 ایف 1/11	500	14-2-1985
مسز ثریا شہاب انگلینڈ	407 ایف 1/11	500	24-3-1985
ڈاکٹر اقبال مصطفیٰ صدیقی	247 ایف 1/11	500	18-8-1985
مسز ثریا فرمان شاہ اسلام آباد	2AN ایف 1/11	233	16-5-1985

مسز تسنیم کوثر راولپنڈی	1 جی سٹریٹ 35 ایف 1/6	233	8-7-1985
مسز نوشابہ خاتون راولپنڈی	1 ڈی سٹریٹ 35 ایف 1/6	233	8-7-1985
مسز رفعت مسعود اسلام آباد	1 بی سٹریٹ 35 ایف 1/6	233	8-7-1985
محمد اکرم اسلام آباد	سٹریٹ 54 ایف 4/7	556	8-5-1985
مسٹر شوکت جاوید اسلام آباد	1 سٹریٹ 47 ایف 1/7	555	7-7-1985
مسٹر بابر ڈبلیو ملک اسلام آباد	17 سٹریٹ 47 ایف 1/7	555	12-8-1985
مسٹر عبدالقیوم راولپنڈی	6 سٹریٹ 54 ایف 4/7	556	28-4-1985
مسٹر اے آر صدیقی راولپنڈی	9/7 ایونیو ایف 1/8	800	16-6-1985
بریگیڈیئر ذوالفقار احمد راولپنڈی	9/9 ایونیو ایف 1/8	800	12-2-1985
سلیمہ آر احمد اسلام آباد	9/11 ایونیو ایف 1/8	888	16-6-1985

سستے پلاٹ

الاٹی کا نام	پلاٹ سائز	ٹوٹل قیمت
محمد یوسف خٹک لاہور	200	37000/-
محمد عارف سیالکوٹ	138	25530/-
محمد رفیع فیصل آباد	200	37000/-
محمد اسلم لدھیانوی رحیم یار خان	200	37000/-
محمد صابر لاہور	200	37000/-
رشید بانو اسلام آباد	356	72448/-
بیگم عبیدہ عالم کوئٹہ	666	135666/-
محمد طارق راولپنڈی	111	33300/-
خالدہ آغا	600	480000/-
نجمہ بیگم راولپنڈی	272	81800/-
ملک عامر محمد خان ایم این اے اٹک	600	480000/-

محمد علی لاہور	356	106800/-
عبدالستار شاہ اسلام آباد	356	106800/-
جعفر بٹ لاہور	356	81600/-
حاجی شاہ زمان آفریدی	272	106800/-
ارشاد علی لاڑکانہ	356	89768/-
طارق سہیل لاڑکانہ	272	89768/-
ڈاکٹر جلال الدین فیصل آباد	356	106800/-
سید عبدالغفور شاہ ایم این اے چترال	600	480000/-
ڈاکٹر ذوالفقار برک بہاولپور	600	48000/-
شہادت علی خان ایم این اے فیصل آباد	500	250000/-
چودھری نور احمد اسلام آباد	600	480000/-
بابا عبدالحق راولپنڈی	356	106800/-
زاہد حسین گوجرہ	356	106800/-
ظہیر احمد اسلام آباد	600	480000/-
زینب خاتون کراچی	600	480000/-
بریگیڈیئر حامد نواز لاہور	600	480000/-
ملک فضل حسین گوجرانوالہ	600	480000/-
حاجی ملک محمد امین ڈی آئی خان	600	480000/-
اسلم لون گوجرانوالہ	600	480000/-
خان محمد بروہی اسلام آباد	600	480000/-
ولی محمد خان مانسہرہ	500	250000/-
ڈاکٹر عظمت رشید راولپنڈی	500	275000/-
ارشد سمیع خان چیف آف پروٹوکول	500	250000/-

عبدالصمد خان پشاور	500	250000/-
طیبہ افتخار پشاور	500	250000/-
سید غلام مصطفیٰ شاہ ٹھٹھہ	600	480000/-
سرفراز عباس مہدی شیخوپورہ	500	250000/-
جاوید اختر خٹک کرک	500	250000/-
رحیم دو خان کوہاٹ	500	250000/-
اعجاز احمد کوہاٹ	500	250000/-
سکندر علی لاڑکانہ	200	60000/-
محمد سجاد اوکاڑہ	200	60000/-
محمد اشرف گجرات	200	60000/-
خواجہ نصیر راولپنڈی	200	60000/-
مرزا نصیر محمود گجرات	200	60000/-
احمد یار ساجد گوندل گجرات	200	60000/-
غلام مصطفیٰ راولپنڈی	200	60000/-
محمد ریاض گجرات	200	60000/-
محمد قاسم اسلام آباد	200	60000/-
محمد افضل گجرات	200	60000/-
غلام یٰسین آزاد اسلام آباد	200	60000/-
فقیر محمد نذیر خیرپور	200	60000/-
عبدالوحید خیرپور	200	60000/-
ایم ابراہیم خیرپور	200	60000/-
امتیاز احمد رانجھا گجرات	200	60000/-
محمد الیاس خان ملتان	200	60000/-

بشارت محمود گجرات	200	60000/-
بیگم شہزادہ محمد سلیمان ایم پی اے چترال	500	250000/-
آغا محمد اقبال راولپنڈی	200	60000/-
اسرار شاہ لاہور	352	106800/-
امجد صوفیان ملتان	352	106800/-
ریاض شاہد لاہور	167	30895/-
محمد انور بیگ راولپنڈی	200	60000/-
آغا محمد احمد خان راولپنڈی	600	60000/-
محمد اشرف راولپنڈی	200	60000/-
محمد اکرم خان راولپنڈی	200	60000/-
سید زاہد عباس راولپنڈی	200	60000/-
محمد یعقوب چیمہ لاہور	200	60000/-
محمد اقبال راولپنڈی	200	60000/-
آفتاب احمد خان (رحیم یار خان)	200	60000/-
غلام شبیر (بھکر)	200	60000/-
عمر حیات (لاہور)	200	60000/-
طارق محمود (اسلام آباد)	200	60000/-
غلام مرتضیٰ (خیر پور)	200	60000/-
عطیہ جاوید (اسلام آباد)	600	480000/-
ظہور احمد ملک (میانوالی)	200	60000/-
سید سرفراز حسین شاہ (راولپنڈی)	200	60000/-
چودھری شاہد (گوجرانوالہ)	200	60000/-
محمد چراغ پہلوان (گوجرانوالہ)	200	60000/-

سجاد حسین (سیالکوٹ)	200	60000/-
محمد یونس (ایبٹ آباد)	500	250000/-
طارق حسین صدیقی (راولپنڈی)	356	117480/-
نفیس احمد نجمی (راولپنڈی)	356	117480/-
سید نثار حسین بخاری (راولپنڈی)	138	530/-
محمد ہاشم خان لونی سینیٹر (بلوچستان)	392	480000/-
امتیاز علی خان راولپنڈی	200	60000/-
ملک نیاز احمد جھگڑا ایم این اے لیہ	500	275000/-
عتیق احمد لاہور	356	89000/-
بابا عبدالرشید راولپنڈی	272	81600/-
ریحانہ ملک راولپنڈی	272	81600/-
ڈاکٹر شاہد خلیل	500	81600/-
سکینہ بی بی راولپنڈی	272	25000/-
خان محمد حسین آزاد لاہور	272	81600/-
جہانگیر احمد خان لاہور	272	81600/-
محمد سفر دادو سندھ	600	480000/-
عبدالحمید نیازی بھکر	272	81600/-
منیر احمد شیخوپورہ	272	81600/-
محمد رمضان جانباز ڈی آئی خان	272	81600/-
آغا محمد نوید لاہور	272	81600/-
راحل خان لاہور	356	81600/-
نواز ربانی لاہور	272	81600/-
اشفاق احمد قاضی راولپنڈی	272	81600/-

چودھری محمد رفیق گوجرانوالہ	272	81600/-
شیر احمد گلگت	356	89000/-
محمد اسلم لاہور	356	89000/-
سلطان خان کوہاٹ	356	89000/-
طارق محمود ڈار گوجرانوالہ	272	81600/-
بیگم پیرس جان اسلام آباد	200	66000/-
بیگم شمیم نیازی لاہور	272	81600/-
ڈاکٹر شیر افگن نیازی ایم این اے اسلام آباد	600	48000/-
معروف جان اسلام آباد	272	81600/-
محمد بشیر کوڑیانوالہ فیصل آباد	272	81600/-
مسعود سعید راولپنڈی	139	81600/-
میر رحم بیگ کیبنٹ ڈویژن	1000	25700/-
بیگم حسن نواب اسلام آباد	500	250000/-
رابعہ طاہر لاہور	31111	92500/-
معصومہ نرجس ملتان	500	57553/-
جسٹس چودھری لاہور	611	92500/-
غلام محمد میمن اسلام آباد	200	113035/-
غلام سرور چیمہ وزارت دفاع	1022	180070/-
فریدہ سید اسلام آباد	500	250000/-
ولیم جوزف	138	11700/-
میجر جنرل (ر) خان مردان	356	106800/-
ملک رفیق کھر ایم پی اے	611	113035/-
بابا محمد شریف ساہیوال	356	65860/-

غلام رسول ڈسٹرکٹ ساہیوال	356	65860/-
محمد منیر ساہیوال	356	65860/-
نذیر بلوچ بھکر	200	37000/-
طارق خورشید لاہور	200	37000/-
ملک سرور حسین لاہور	200	37000/-
کامران رضوی اسلام آباد	200	37000/-
گل محمد گوجرانوالہ	200	37000/-
محمد اعجاز بھٹی لاہور	200	37000/-
حمید منظور لاہور	200	37000/-
حبیب الرحمٰن پشاور کینٹ	200	250000/-
فرحت حسین	200	250000/-
سردار حیدر زمان خان ایبٹ آباد	500	250000/-
جمیل عباسی اسلام آباد	200	66000/-
ارباب ایم ایوب جان پشاور	500	250000/-
فیض محمد خان پشاور	500	250000/-
فتح اللہ خان ڈی آئی خان	500	250000/-
سیمتہ پرویز راولپنڈی	500	250000/-
محمد افسر خان ایم پی اے مانسہرہ	500	250000/-
فقیر الدین ایم پی اے پشاور	500	250000/-
نور جہان پشاور	500	250000/-
ولی محمد خان مانسہرہ	500	250000/-
عبدالرشید	500	250000/-
جاوید اکبر ایم پی اے ملتان	500	250000/-

نصیر خان ایم پی اے	500	250000/-
سید مسعود کوثر پشاور	500	250000/-
عصمت اللہ	500	250000/-
محمد ایوب	500	250000/-
ظہیر مردان	500	250000/-
رضی خان ملتان ایجنسی	500	250000/-
عباس قریشی	500	123832/-
بابر نسیم خان ایم پی اے مانسہرہ	500	250000/-
سردار عنایت اللہ ایم پی اے پشاور	500	250000/-
امان اللہ ڈی آئی خان	500	250000/-
سردار حمید گل ایبٹ آباد	500	250000/-
عامر زیب خان سوات	500	250000/-
شہزادہ مانسہرہ	500	250000/-
شیر محمد کوہستان	500	250000/-
خواجہ محمد ہوتی مردان	500	250000/-
شیر مردان	500	250000/-
سعید حسین کوہستان	500	250000/-
لیاقت علی سوات	500	250000/-
سید محمد منیر شاہ ایم پی اے پشاور	500	250000/-
محمد اعظم آفریدی ایم پی اے پشاور	500	250000/-
فتح محمد خان ایم پی اے مانسہرہ	500	250000/-
فاطمہ تھرپارکر	1022	189070/-
ثریا بیگم حیدر آباد	1022	189070/-

کیپٹن عثمان زکریا	500	250000/-
لیفٹیننٹ کمانڈر شاگروالی	500	250000/-
لیڈر اقبال	500	250000/-
شہناز بیگم لاہور	600	480000/-
مہراب خان	356	106800/-
سید فاروق حیدر	500	275000/-
پرویز حفیظ اسلام آباد	356	106800/-
جاوید اقبال اسلام آباد	500	106800/-
شگفتہ اقبال اسلام آباد	272	81900/-
شبیر اللہ سکھر	600	480000/-
الطاف الرحمٰن	600	480000/-
سعیدہ	600	480000/-
ارجمند سکھر	600	480000/-
عشرف فاطمہ لاہور	600	528000/-
محمد صدیق بہاولنگر	600	528000/-
نگہت اسلام راولپنڈی	600	480000/-
سلیم فاروقی اسلام آباد	600	528000/-
اللہ دتہ راولپنڈی	356	106800/-
فضل حسین شاہ لاہور	272	81600/-
غلام رسول انصاری فیصل آباد	272	81600/-
محمد خالد راولپنڈی	272	81600/-
جام ممتاز حسین شاہ سکھرا	356	86800/-
فردوس بیگم لاہور کینٹ	272	89760/-

مہر محمد یوسف چاند گجرات	272	81600/-
نذیر بیگم اٹک	272	81600/-
شیر زاد مردان	272	81600/-
شوکت گوجرانوالہ	272	81600/-
سید باقر حسین بخاری لاہور	272	81600/-
ملک ناظم لاہور	272	81600/-
مریم عابد راولپنڈی	272	81600/-
اختر علی اسلام آباد	272	81600/-
حمید بی بی قصور	272	81600/-
شریف حسین انصاری اسلام آباد	272	81600/-
محمد بشارت راولپنڈی	272	81600/-
محمد نسیم کشمیری لاہور	272	81600/-
لیاقت عمر دین اسلام آباد	272	81600/-
اشفاق کولاچی کراچی	272	81600/-
سید محمد نثار نقوی ڈی آئی خان	272	81600/-
علی گل نواب شاہ	272	81600/-
غلام مصطفیٰ میمن جیکب آباد	272	81600/-
اقتدار علی شاہ راولپنڈی	272	81600/-
محمد حسین اسلام آباد	272	81600/-
محمد اختر شاہین راولپنڈی	272	81600/-
محمد انیس راولپنڈی	272	81600/-
کوثر علی راولپنڈی	272	81600/-
آصف محمود خان سرگودھا	356	117840/-

محمد اسلم لاہور	272	81600/-
خورشید بیگم لاہور	272	81600/-
غلام مصطفیٰ نواب شاہ	272	81600/-
سعید احمد خان فیصل آباد	600	528000/-
دین محمد لاہور	272	81600/-
شہناز بھٹی اسلام آباد	272	81600/-
عبدالغفور گوجرانوالہ	272	81600/-
رابعہ کوثر جاوید	272	81600/-
زبیدہ خانم کراچی	272	81600/-
شاہ نواز بھٹی لاہور	272	81600/-
شیخ ضیاالرحمٰن اوکاڑہ	272	81600/-
گلزار بیگم راولپنڈی	272	81600/-
رشید میر راولپنڈی	356	117480/-
آصف نسیم راٹھور راولپنڈی	272	81600/-
محمد بابر شجاع راولپنڈی	272	81600/-
عبدالرؤف لاہور	272	81600/-
مس روبینہ اختر اسلام آباد	272	81600/-
سیف اللہ ڈی آئی جی	272	81600/-
مبارک شاہ ڈی آئی جی	272	81600/-
علی گوہر خیرپور	500	250000/-
غلام علی خیرپور	500	250000/-
محمد امین اسلام آباد	272	81600/-
شہزادہ احمد اسلام آباد	111	33300/-

محمد شریف چودھری لاہور	272	81600/-
عزیز بیگم لاہور	272	81600/-
سید دلدار حسین سیالکوٹ	272	81600/-
قمرالدین منگی کراچی	600	480000/-
جاوید حفیظ لاہور	272	81600/-
ظفر علی ملک لاہور	272	81600/-
مس ساجدہ اشرف لاہور	272	81600/-
محمد یونس لاہور	272	81600/-
رانا عیش بہادر لاہور	272	81600/-
بابو عبدالحمید راولپنڈی	272	81600/-
محمد سعید اختر ڈی آئی جی	272	81600/-
غلام حسین آفریدی راولپنڈی	272	81600/-
تاجدار صدیقی کراچی	272	81600/-
میاں افضل حسین گوجرانولہ	272	81600/-
چودھری علی محمد لاہور	272	81600/-
عبدالسلام بٹ راولپنڈی	272	81600/-
محمد حسین ملک لاہور	272	81600/-
ایم اشرف بٹ راولپنڈی	272	81600/-
نسیم مظہر لاہور	272	81600/-
سراج اکرم لاہور	272	81600/-
ایم اقبال راولپنڈی	272	81600/-
اعجاز ملک مہران لاہور	272	81600/-
حشمت بی بی راولپنڈی	272	81600/-

ایم شفیق لاہور	272	81600/-
عبدالوحید بنوں	272	81600/-
غلام فاطمہ فیصل آباد	272	81600/-
عبدالقادر ملتان	272	81600/-
رفعت ممتاز لاہور	272	81600/-
عارف رضا مردان	272	81600/-
مسز محمد اصغر سیالکوٹ	272	81600/-
سید عبدالوحید بخاری سیالکوٹ	272	81600/-
ملک اللہ دتہ ملتان	272	81600/-
مسز حفیظہ بیگم سیالکوٹ	200	66000/-
مسٹر علی اصغر کیانی راولپنڈی	272	81600/-
حاجی محمد افضل گوجرانوالہ	272	81600/-
مسٹر شاہد چوہان رحیم یار خان	272	81600/-
مسٹر محمد ریاض باجوہ لاہور	272	81600/-
مسٹر شاہد معین لاہور	272	81600/-
مسٹر قدیر بخشی رحیم یار خان	272	81600/-
مسٹر طالب حسین ملتان	272	81600/-
مسٹر غلام شبیر (یو کے)	356	106800/-
مسٹر مسکین حسین شاہ لاہور	272	81600/-
مسٹر سرور شکر لاہور	500	250000/-
آغا محمد مبین لاہور	272	81600/-
مسٹر محمد طاہر پشاور	272	81600/-
مسٹر عثمان فتح گجرات	356	106800/-

افضل ساہیوال	272	81600/-
مسٹر آصف شبیر راولپنڈی	272	81600/-
مسٹر اقبال پرویز مسیح فیصل آباد	200	37000/-
میاں ناظم الدین	500	250000/-
عبدالرحمان اسلام آباد	356	106800/-
زمان بٹ لاہور	356	106800/-
نصیر محمد شاہ کراچی	500	250000/-
رانا باقی اسلام آباد	500	250000/-
صغیرہ اختر اسلام آباد	500	250000/-
محمد الیاس لاہور	600	480000/-
غلام فاطمہ اسلام آباد	600	66000/-
زبیدہ نیازی راولپنڈی	66667	123334/-
یاسمین مظہر	66667	123334/-
محمد شفیع راولپنڈی	200	37000/-
خان محمد بلوچ راولپنڈی	200	37000/-
حمید اصغر راولپنڈی	200	37000/-
مسعود اقبال خان لاہور	200	37000/-
محمد آصف جاوید سیالکوٹ	200	37000/-
منور احسان عاصم بھٹی گوجرانوالہ	200	37000/-
عبدالقیوم راولپنڈی	200	37000/-
کراچی	277	130013/-
خالد احمد کراچی	527	131750/-
احمد علی حیدر آباد	500	125000/-

جمیلہ پارکر	1000	250000/-
نسیم اقبال لاہور	167	30895/-
عبدالرزاق باجوہ رحیم یار خان	167	30895/-
زبیر شاہ گوجرانوالہ	167	30895/-
محمد صادق لاہور کینٹ	167	30895/-
مفتی محمد شفیع گجرات	200	37000/-
نعیم اختر وارثی راولپنڈی	200	37000/-
زاہد محمود بٹ سیالکوٹ	200	37000/-
عابد حسین سیالکوٹ	200	37000/-
ندیم احمد کراچی	277	130013/-
محمد بوٹا کھوکھر لاہور	167	30895/-
رانا فرحت ملہی سیالکوٹ	167	30895/-
محمد اعظم بٹ فیصل آباد	167	30895/-
سلیم عباس ڈسکہ	167	30895/-
ملک عتیق الرحمٰن ڈسکہ	167	30895
ملک انور بھٹی سیالکوٹ	138	25530/-
راجہ اللہ داد راولپنڈی	138	25530/-
صابر عباسی راولپنڈی	138	25530/-
ایف ایم شہزاد لاہور	167	30895/-
محمد الطاف قریشی لاہور	200	37000/-
محمد امین فیصل آباد	200	37000/-
محمد اعظم بھٹی سیالکوٹ	138	25530/-
حامد سعید پیارا راولپنڈی	200	37000/-

انور کمال خان بنوں	500	250000/-
محمد حیات اللہ خان لاہور	666	166665/-
ایم مسیح الدین	1003	185555/-
کلثوم جی حیدر اسلام آباد	356	65860/-
نادرہ بی بی لاہور	167	30895/-
اشرف سیال بھکر	167	30895/-
جمیلہ بیگم راولپنڈی	167	30895/-
محمد حنیف گوجوانوالہ	167	30895/-
نسرین اختر اوکاڑہ	167	30895/-
شیلا رخسانہ بہاولپور	167	30895/-
آسیہ بیگم بہاولپور	167	30895/-
عنایت کھوکھر گوجوانولہ	167	30895/-
شہناز اختر لالہ موسی	167	30895/-
صغیرہ بی بی اوکارڑہ	167	30834/-
ناصر احمد شیخ اسلام آباد	167	49014/-
محمد ارشد	167	92500/-
معراج بی بی	167	30834/-
عمر آفریدی پشاور	167	172667/-
ارشد محمود سیالکوٹ	500	37000/-
محمد یونس سیالکوٹ	167	30895/-
محمد ریاض ساجد راولپنڈی	200	37000/-
اورنگزیب ظفر راولپنڈی	200	37000/-
امجد ہاشمی قریشی (سیالکوٹ)	138	25530/-

امجد انور غوری سیالکوٹ	138	25530/-
محمد اصغر سیالکوٹ	138	25530/-
طلعت محمود سیالکوٹ	200	37000/-
صادق سجاد قریشی سیالکوٹ	167	30895/-
محمد سعید قریشی سیالکوٹ	167	30895/-
محمد اشرف علی خان راولپنڈی	200	37000/-
اقبال معظم لاہور	200	37000/-
محمد منشا لاہور	200	37000/-
محمد جہانگیر لاہور	200	37000/-
امجد حسین الیاس امجد سیالکوٹ	138	25530/-
طلعت محمود سیالکوٹ	167	30895/-
احمد چودھری لاہور	167	30895/-
عطا محمد بھکر	200	37000/-
حافظ نصرت الدین رحیم یار خان	200	37000/-
محمد حسین منو بہاولپور	200	37000/-
محمد طاہر سیالکوٹ	200	37000/-
چاچا غلام رسول لاہور	272	81600/-

(بشکریہ: روزنامہ پاکستان اسلام آباد جون 1996ء)

قومی اسمبلی، صوبائی اسمبلیوں اور سینٹ کے کل ارکان کی تعداد 787 بنتی ہے۔ ان میں سے زیادہ تر افراد کروڑ پتی یا ارب پتی ہیں کیونکہ آج کل سیاسی جماعت کے اخراجات برداشت کرنا۔ الیکشن کے دوران ہزاروں لوگوں کو کھانا کھلانا، اپنی لاتعداد گاڑیوں کو استعمال کرنا یا کرایہ پر لینا۔ ان کے پٹرول کے اخراجات، پوسٹروں، بینروں وغیرہ کے اخراجات لگائے جائیں تو ہر آدمی کو الیکشن لڑنے کے لیے 20 لاکھ سے 2 کروڑ روپیہ درکار ہے۔ ان

787 افراد میں سے مذہبی جماعتوں کے چند افراد یا درمیانہ طبقہ کے 27 افراد کو چھوڑ بھی دیں تو 760 ممبران اس قابل ہیں کہ وہ دو لاکھ روپیہ فی کس انکم ٹیکس ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

یعنی یہ 760 افراد اگر 200000 روپے سالانہ ٹیکس ادا کریں تو یہ رقم 15 کروڑ 20 لاکھ روپے بنتی ہے۔ اسی طرح سے ان 760 سیٹوں پر ہارنے والے 760 افراد بھی یقیناً کروڑ پتی افراد سے کم نہیں ہوں گے۔ وہ بھی اتنا ہی ٹیکس دیں تو سالانہ مزید 15 کروڑ 20 لاکھ کی رقم بنتی ہے۔ یعنی 1520=760+760 افراد ہارنے اور جیتنے والے ہی ٹیکس ادا کریں تو سالانہ تیس کروڑ چالیس لاکھ روپے کے ٹیکس اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ کہ ہارنے والے افراد بھی سابقہ ایم این اے یا وزیر سفیر رہے ہیں اور صرف 60-50 لاکھ مالیت کا ایک پلاٹ ہی انہیں کروڑ پتیوں کی لائن میں کھڑا کر سکتا ہے۔

اگر سیاست سے وابستہ افراد میں سے صرف 3000 افراد ہی دو لاکھ ٹیکس دیں تو سالانہ ٹیکس 60 کروڑ روپیہ بنتا ہے۔ اگر ان لوگوں نے پچھلے دس سال سے یہ ٹیکس نہیں دیا تو 60 کروڑ 10=60 ارب روپے سیاست سے وابستہ لوگوں نے 10 سال میں ٹیکس چوری کی ہے۔ کیونکہ اکثر لوگوں نے کروڑوں اربوں کے قرضے لئے ہوئے ہیں یا اتنی ہی مالیت کی جائیدادوں کے مالک ہیں۔ لہٰذا اتنا ٹیکس دینے کی وہ ہر طرح سے اہلیت رکھتے ہیں۔

اسی طرح سے ملک میں سیاست سے وابستہ دیگر افراد جن میں میونسپل کارپوریشنوں کے سابق میئر، ڈپٹی میئر، کونسلر، سیاسی جماعتوں کے صوبائی، ڈویژنل اور ضلعی عہدیدار آتے ہیں اور ان کی تعداد 10000 لگائی جائے اور ان سے اوسطاً 40000 روپیہ سالانہ ٹیکس وصول کیا جائے تو یہ رقم 40 کروڑ روپیہ بنتی ہے اگر ان لوگوں نے بھی پچھلے دس سال میں یہ ٹیکس ادا نہ کیا تو یہ رقم 4 ارب روپے بنتی ہے یعنی صرف سیاست سے وابستہ افراد نے ہی دس سال میں صرف انکم ٹیکس کی مد میں ہی دس ارب روپے ادا نہیں کئے یا ٹیکس کی چوری کی ہے۔

گزشتہ 5 انتخابات میں پنجاب اسمبلی سے 989 ارکان منتخب ہوئے لیکن ٹیکس صرف 103 افراد نے دیا۔

سندھ اسمبلی سے 5 انتخابات میں 429 رکن منتخب ہوئے ٹیکس صرف 94-93ء کے دوران 33 افراد نے دیا۔

سرحد اسمبلی میں گزشتہ 5 انتخابات میں منتخب ہونے والے 340 ارکان میں سے صرف 60 نے ٹیکس دیا۔

بلوچستان سے منتخب ہونے والے 160 ارکان (4 انتخابات میں) میں سے صرف 2 نے ٹیکس دیا۔ ان سیاست دانوں کے ٹیکس دینے کے اعداد و شمار ملاحظہ کریں تو نہایت دلچسپ صورتحال سامنے آئے گی۔ 1993ء کے عام انتخابات میں ملک بھر سے منتخب ہونے والے 825 ارکان میں سے مالی سال 94-93ء کے دوران 159 سابق اور موجودہ ارکان نے انکم ٹیکس کی مد میں کل 38 لاکھ 484 سو 81 روپے جمع کرائے جبکہ 666 افراد کی آمدنی اتنی نہیں تھی کہ ٹیکس اس پر لاگو ہوتا۔

ماہوار تنخواہ 1725 روپے لینے والا ملازم 158 روپے ٹیکس ادا کرتا ہے۔

2190 — 1814 روپے ٹیکس ادا کرتا ہے۔

5085 — 6988 روپے ٹیکس ادا کرتا ہے۔

10900 — 27200 روپے ٹیکس ادا کرتا ہے۔

اسمبلی کے ہر رکن نے اوسطاً چار ہزار سات سو آٹھ روپے ٹیکس دیا۔ 1985ء میں 404 منتخب ارکان میں سے 22 افراد نے ٹیکس دیا۔

1988 میں 207 ارکان میں سے 36 افراد نے ٹیکس دیا۔

1990 میں 207 ارکان میں سے 41 افراد نے ٹیکس دیا۔

1993 میں 207 ارکان میں سے 60 افراد نے ٹیکس دیا۔

نام رکن اسمبلی		ٹیکس ادا کیا
رانا شوکت محمود چیئرمین NIRC	(94-93ء)	56560 روپے
بے نظیر بھٹو	(94-93ء)	19916 روپے

(اعداد و شمار سنٹرل بورڈ آف ریونیو)

نام رکن اسمبلی — ٹیکس ادا کیا

سید ظفر علی شاہ	18650
غلام احمد بلور	464
آفتاب احمد شیر پاؤ	1953
حاجی محمد یونس الٰہی	2620
خان بہادر خان	1000
سردار علی خان	2851
میاں مظفر شاہ	1400
حاجی محمد یعقوب	4800
نوابزادہ عبدالغفور خان	63
رحمان اللہ	859
سردار مہتاب احمد خان	480
اسلم خان خٹک	43234
امان اللہ خان جدون	5081
گوہر ایوب خان	306
راجہ سکندر زمان خان	10385
سید قاسم شاہ	7400
سید عباس شاہ	13292
میاں گل اورنگ زیب	33306
حاجی یاروز خان	2596
راجہ شاہد ظفر	1762
چودھری نثار علی	2116
ملک محمد اسلم	10811
ملک لعل خان	17373
لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ ملک عبدالمجید	49745

محمد نور خان	4901
سردار ممتاز خان	1572
چودھری الطاف حسین مرحوم سابق گورنر	4520
احسان الحق پراچہ وزیر خزانہ	2305
ملک محمد نعیم خان	5623
شیر افگن نیازی وفاقی وزیر	510
رانا زاہد توصیف	5611
دلدار چیمہ	5257
چودھری محمد نذیر (مرحوم)	175637
شاہد نذیر	60997
محمد اکرم انصاری	1720
نثار اکبر خان	33912
چودھری شیر علی	22352
احمد سعید اعوان سابق وفاقی وزیر	4100
میاں امجد یسین	10860
مہر عبدالرشید	8580
چودھری محمد اشفاق	5600
رائے صلاح الدین	17309
چودھری احمد مختار سابق وفاقی وزیر	149797

بشکریہ: (روزنامہ پاکستان اسلام آباد جون 1996ء)
(روزنامہ جنگ سپیشل ایڈیشن 1996ء)

ٹیکس نہ دینے والے لوگ

سابق صدر مملکت‘ فاروق احمد لغاری

سابق وزیراعظم‘ بلخ شیر مزاری

سابق وزیراعلیٰ سندھ‘ سید عبداللہ شاہ

سابق وزیراعلیٰ پنجاب‘ منظور احمد وٹو

سابق وزیراعلیٰ سرحد‘ پیر صابر شاہ

سابق وزیراعلیٰ بلوچستان‘ اکبر بگٹی‘ ذوالفقار مگسی

سابق وزیراعلیٰ سرحد‘ ارباب محمد جہانگیر

پاکستان کے سب سے بڑے ٹرانسپورٹر گل حمید روکڑی

خاں عبدالولی خان

سابق وفاقی وزیر‘ خالد احمد کھرل

سابق ایم این اے اور وزیر مسلم لیگ شاہد خاقان عباسی

سابق وزیر خارجہ‘ سردار آصف احمد علی

اگر کسی کے پاس صرف زرعی زمین ہے تو اس پر انکم ٹیکس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ صدر اور وزیراعظم کی تنخواہیں بھی ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔

اعداد و شمار جنگ سپیشل ایڈیشن 1996۔

’’غریب‘‘ سیاست دان

نام	کتنا ٹیکس ادا کیا
سابق وزیراعظم نواز شریف	2680 روپے
میاں عباس شریف	80343 روپے
سابق وزیراعظم غلام مصطفیٰ جتوئی	224822 روپے
آصف علی زرداری	17732 روپے
سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو	7864 روپے
آفتاب شیرپاؤ (سابق وزیراعلیٰ سرحد)	1953 روپے
گوہر ایوب خان سابق وزیر و سپیکر (ارب پتی)	306 روپے
جنرل فضل حق مرحوم (ارب پتی)	1203 روپے
شیر افگن نیازی سابق وفاقی وزیر	510 روپے
میاں شہباز شریف کروڑ‘ ارب پتی	897 روپے
خواجہ طارق رحیم سابق گورنر پنجاب کروڑ‘ ارب پتی	19635 روپے
شاہد نذیر (ایم این اے) ارب پتی	60997 روپے
یسین وٹو مسلم لیگی وزیر خزانہ	2731 روپے
وسیم سجاد چیئرمین سینٹ	15478 روپے
سینٹر چودھری شجاعت حسین ارب پتی (91-90)	17213 روپے

پرویز الٰہی (1993-94)	2926روپے
سینئر شیخ رفیق احمد (1993-94)	17700روپے
ملک قاسم مرحوم (1990-91)	300روپے
سابق چیئرمین انٹی کرپشن کمیٹی	
وزیراعلیٰ سرحد میر افضل خاں مرحوم (93-94)	135059روپے
چودھری شجاعت حسین	17213روپے
حاجی محمد اصغر	109روپے
عمر حیات لالیکا	2000روپے
خواجہ محمد آصف	26200روپے
میاں محمد شفیع	26200روپے
چودھری عبدالستار	20490روپے
راؤ خضر حیات خان	2065روپے
میاں عباس شریف	20343روپے
چودھری اعتزاز احسن	53311روپے
محمد اسحاق ڈار (ارب پتی)	2330روپے
میاں محمد نواز شریف (ارب پتی)	2680روپے
میاں شہباز شریف (ارب پتی)	897روپے
طارق بانڈے	9920روپے
خواجہ طارق رحیم (ارب پتی)	19635روپے
محمد حسین طاہر	2731روپے
میاں یسین وٹو	2731روپے
محمد فاروق ستار	1380روپے
حاجی محمد بوٹا	1720روپے

شیخ محمد رشید	61941روپے
آفتاب احمد خان	20000روپے
عقیل دولتانہ	20149روپے
میجر ریٹائرڈ محمد رفیق صفدر	9934روپے
میاں عبدالستار لالیکا	93715روپے
چودھری جعفر اقبال گجر	23032روپے
سردار غلام محمد خان مہار	2905روپے
آفتاب شعبان میرانی	1276روپے
غلام مصطفیٰ جتوئی سابق نگران وزیراعظم	224822روپے
آصف علی زرداری	17732روپے
حاکم علی زرداری	11500روپے
بیگم نصرت بھٹو	7864روپے
آفتاب احمد شیخ	3929روپے
قاضی اسد عابد	15980روپے
عبدالستار بچانی	5487روپے
ذوالفقار علی مرزا	24920روپے
حاجی محمد بخش جمالی	2093روپے
میاں اعجاز اے شفیع	446520روپے
دوست محمد فیضی	10380روپے
محمد عثمان افسر	2608روپے
غلام محمد چشتی	250روپے
عبدالعزیز میمن	252روپے

ٹیکس ادانہ کرنے والے

ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق قومی اسمبلی کے ارکان جو ٹیکس ادا نہیں کرتے رہے۔
درج ذیل ہیں۔

ارباب محمد جہانگیر خان
مولانا گوہر رحمٰن
قاضی مولانا فضل اللہ
عبدالخالق خان
مولوی نعت اللہ
یعقوب خان
مولانا شبیر احمد
حاجی نادر شاہ
فرید احمد جدون
حاجی جاوید اقبال
حاجی گل خطاب
سردار محمد یوسف خان
نوابزادہ صلاح الدین
حاجی محمد ایوب خان
علم زیب خان

چودھری انور علی چیمہ
رائے محمد اسلم
امان اللہ خان
شہادت علی خان بلوچ
میاں ناصر علی خان
ملک نور حیات نون
محمد عبداللہ غازی
چودھری عبدالصبور خان
محبوب احمد خان
محمد الیاس احمد
محمد خان جونیجو (مرحوم)
غلام مصطفیٰ خان باجوہ
امان اللہ خان شہانی
سردارزادہ محمد شاہ
میاں زاہد سرفراز

ملک سعید احمد
مولانا فضل الرحمٰن
مولوی محمد امین
محمد صابر شاہ
مولوی علی اکبر
خداداد خان
غلام الدین
خالق داد خان
شہزادہ گرمانی خان
میاں گل اورنگزیب
محمد افضل خان
عبدالمتین خان
فضل رازق
محبوب الرحمٰن
فتح محمد خان
مولانا عبدالرحیم
شہزادہ محی الدین
صاحبزادہ فتح اللہ
نجم الدین
محمد عنایت الرحمٰن
مظفر خان
احمد حسن
محمد حنیف خان
قدر گل

مولانا محمد رحمت اللہ
سید عامر حسین
سید ظفر عباس
سید اسد حیات شاہ
خان محمد عارف خان
حافظ محمد اعظم
قاری ایثار القاسمی
محمد انور خان بلوچ
سید فیصل حیات
صاحبزادہ محمد نذیر
محمد حنیف انصاری
خالد احمد کھرل
چودھری اسد الرحمٰن
عبدالستار
ایم حمزہ
حاجی محمد اسحاق
محمد شفیق چودھری
حامد ناصر چٹھہ
کرنل غلام سرور چیمہ
چودھری بشیر ندھاوا
چودھری مہدی حسین بھٹی
افضل حسین تارڑ
ملک فضل حسین
عارف حسین

فضل منان
ذوالفقار علی
سید یوسف حسین
خانزادہ محمد سعید
عمرالدین بنگش
یٰسین گل غازی
سعید جمال
خیال شاہ
ارسلان خان
محمد جمال
ملک نادر خان
جہانگیر خان
عبدالقیوم خان
حاجی علی جان
حاجی لعل کریم
عبدالستار خان
حاجی محمد شاہ
محمد ایوب خان
ملک وارث خان
گل شیر
ملک اسلم خان
ملک معین خان
نور شیر

غازی محمد عبداللہ
چودھری محمد اصغر
چودھری عبداللہ ورک
رانا نذیر احمد
مخدوم سید علی رضا
چودھری اعجاز احمد
محمد اشرف وڑائچ (مرحوم)
عبدالستار
نوابزادہ غضنفر گل
چودھری تجمل حسین
پیر محمد اشرف
سید منظور حسین شاہ
اقبال احمد خان
ظفراللہ تارڑ
ناصر اقبال
چودھری ممتاز احمد تارڑ
روحیل اصغر
نذر محمد گوندل
لیاقت بلوچ
میاں محمد آصف
چودھری اختر علی
امیر حسین
سید افتخار الحسن شاہ

حاجی محمد نواز کھوکھر
راجہ پرویز خان
شاہد خاقان عباسی
محمد خاقان عباسی
راجہ محمد ظہیر
آفتاب احمد شیخ
ملک اللہ یار خان
سردار منصور حیات خان
راجہ محمد افضل خان
نوابزادہ اقبال مہدی
راجہ محمد افسر
غلام حسین چیمہ
نوابزادہ مظہر علی
لیاقت حیات بدرانا
چودھری قادر بخش
احمد ضیاء الرحمٰن ملک
حاجی محمد جاوید اقبال چیمہ
میاں عبدالروف
جہانگیر بدر
سرفراز احمد
میاں محمد منیر
میاں محمد عثمان
مہر ذوالفقار علی بابو

چودھری نذیر احمد خان
خورشید عالم
حافظ سلمان
چودھری محمد سرور خان
الحاج حامد نواز خان
سردار آصف احمد علی
احسن اقبال
محمد اشفاق تاج
چودھری انور عزیز
سردار عبدالحمید
ہمایوں اختر
محمد یٰسین انصاری
معین الدین
رانا تنویر حسین
میاں عبدالوحید
میاں عمر حیات
سید منظور حسین شاہ
سردار عاشق مزاری
عبدالقیوم جتوئی
ذوالفقار برقی
میاں غلام محمد مانیکا
نوابزادہ نصراللہ خان
میاں عطا محمد قریشی

وزیر علی بھٹی
بریگیڈیر (ر) افتخار بشیر
جاوید گھر کی
عاشق علی ڈیال
معراج خالد
محمد منصور
نثار احمد پنوں
حاجی مند منج
چودھری نذیر احمد ورک
مشتاق احمد اعوان
عارف اعوان
توکل اللہ ورک
نعیم حسین چٹھہ
خواجہ محمد خضر
رائے بشیر خان بھٹی
رائے منصب علی خان
رائے رشید خان
صاحبزادہ خضر حیات
محمد اکرم خان
محمد احمد
سردار طالب حسین
رانا محمد حیات خان
چودھری محمد سرور خان

غلام محمد فخر کھر
مصطفیٰ کھر
میاں محمد اعظم
سجاد حیدر
ملک نیاز احمد جھکڑ
سید خورشید احمد
محمد جہانگیر خان
صاحبزادہ فیض الحسن
شہزادہ سعید الرشید
نوابزادہ صلاح الدین عباسی
فاروق اعظم ملک
تسلیم نواز گردیزی
میاں ریاض حسین پیرزادہ
میاں نور حسین
سید محمد اصغر شاہ
سید ممتاز عالم
محمد احمد شاہ
خان میاں ممتاز احمد
عبدالستار لالیکا
علی اکبر مظہر وینس
عبدالغفور چودھری
سید احمد عالم انور
مخدوم شہاب الدین

سردار عاشق ڈوگر
معین الدین لکھوئی
شفاعت احمد خان
راؤ سکندر اقبال
میاں محمد زمان
رائے اسلم کھرل
سید سجاد حیدر
سید فخر امام
راؤ قیصر علی
میاں منظور احمد وٹو
راؤ محمد افضل
قمر الزمان شاہ
ثناء اللہ بودلہ
یوسف رضا گیلانی
جاوید ہاشمی
حامد سعید کاظمی
ریاض حسین قریشی
حامد رضا گیلانی
محمد طاہر رشید
تنویر الحسن شاہ
مختار احمد اعوان
فیرالدین انصاری
رانا ممتاز خان نون

حاجی سیف اللہ خان
میاں عبدالخالق
مخدوم امداد الدین
سید احمد محمود
انیس شبیر احمد
مخدوم زادہ حسین محمود
سید خورشید احمد شاہ
علی حسن منگی
اسلام الدین شیخ
جام سیف اللہ خان
فخر عبدالحق
سردار نور محمد لنڈ
آغا طارق خان
الٰہی بخش سومرو
احمد نواز جھکرانی
مہر الطاف خان بھائیو
آغا عطاء محمد خان
سردار فہیم خان
مہر میرانی خان
رحیم بخش سومرو
سید علی اصغر شاہ
حاجی رحمت اللہ
غلام مصطفیٰ خان

حاجی حیات اللہ
محمد صدیق کانجو
مرزا نصیر بیگ
سید جاوید علی شاہ
رانا تاجر احمد
عبدالرحمٰن واہلہ
رانا شوکت حیات
حاجی اقبال ہراج
محمد نواز خان
میاں ریاض احمد دولتانہ
پیر محمد اسلم بودلہ
غلام حیدر وائیں مرحوم
حاجی نذیر احمد
نوریز شکور خان
انوار الحق رامے
خواجہ غلام معین الدین
غلام فرید کاٹھیا
چودھری محمد اشرف
مسز شہناز جاوید
رائے محمد نواز خان
میاں امجد جوئیہ
راجہ شاہد سعید
میاں غلام محمد احمد

دل مراد جمالی
سید پرویز علی شاہ
پیر عبدالقادر شاہ
شاہ محمد
مخدوم امین فہیم
انصاری
کنور نوید
وصی ظفر ندوی
نوید قمر
قاضی عبدالمجید عابد
مخدوم خلیق الزمان
عبداللہ ہالی پوتا
سید قربان علی شاہ
نواب یوسف تالپور
رئیس خیر محمد
پیر گوہر راشدی
جام معشوق علی
شیر نواز جونیجو
احمد خان میمن
امیر حیدر کاظمی
محمد آفاق خان
سید سلیم الحق
زوہیر اکرم ندیم

میاں ذوالفقار علی
راؤ محمد ہاشم خان
میاں محمود احمد خان
غلام مجتبیٰ غازی
میاں نور محمد بھابھہ
میاں نواز خان
میاں محمد مرتضیٰ
اکبر علی بھٹی
غلام فرید میرانی
قربان علی میرانی
شاہد مہدی نسیم
محمد جہانگیر خان
خواجہ کمال الدین منور
سردار منصور احمد خان لغاری
سردار فاروق احمد خان لغاری
رانا نعیم محمود
شیخ شیر مزاری

کنور خالد یونس
محمد رفیق عیسانی
حنیف طیب
پروفیسر این ڈی خان
محمود خان اچکزئی
میر نبی بخش کھوسہ
حافظ حسین احمد
میر باز محمد خان
وزیر احمد جوگیزئی
سردار یار محمد خان
میر طارق حسین مگسی
نواب اکبر خان بگٹی
سلیم اکبر خان بگٹی
میر ظفر اللہ خان جمالی
مولوی عبدالغفور مہدی
جام اکبر لاسی
جام محمد یوسف

ہمایوں اختر (ارب پتی)
نوابزادہ نصر اللہ خان
غلام محمد مانیکا اور مصطفیٰ کھر سابق وفاقی وزیر و گورنر پنجاب
یوسف رضا گیلانی
معراج خالد
مشتاق اعوان سابق سینئر وزیر پنجاب

نوید قمر سینٹر سابق وزیر خزانہ
سابق وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ
سابق وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر

جن اخبارات سے مدد لی گئی

روزنامہ جنگ لاہور' کراچی' راولپنڈی - روزنامہ نوائے وقت لاہور' راولپنڈی روزنامہ پاکستان لاہور' اسلام آباد - روزنامہ خبریں لاہور' اسلام آباد' ملتان - روزنامہ قومی اخبار کراچی - روزنامہ عوام کراچی - روزنامہ انتخاب کراچی - روزنامہ دن لاہور' راولپنڈی ہفت روزہ وجوہ ہفت روزہ تکبیر کراچی' ماہنامہ اُردو ڈائجسٹ لاہور

اہم شخصیات جنہوں نے ٹیکس ادا نہیں کیا

ان میں محمد اجمل خٹک' خان عبدالولی خان' سید افتخار گیلانی' مولانا فضل الرحمٰن' محمد نواز کھوکھر' خاقان عباسی' ملک خدا بخش ٹوانہ' مولانا عبدالستار نیازی' ایم حمزہ' حامد ناصر چٹھہ' کرنل (ر) غلام سرور چیمہ' چودھری اختر علی' حافظ سلمان بٹ' سردار آصف احمد علی' احسن اقبال' ہمایوں اختر' معراج خالد' مشتاق اعوان' سید سجاد حیدر' منظور احمد وٹو' سید فخر امام' جاوید ہاشمی' حامد رضا گیلانی' مختار احمد اعوان' صدیق کانجو' غلام حیدر وائیں (مرحوم)' شاہ محمود قریشی' اکبر علی بھٹی' نوابزادہ نصراللہ خان' مصطفیٰ کھر' تسنیم نواز گردیزی' مخدوم شہاب الدین' حاجی سیف اللہ خان' الٰہی بخش سومرو' مخدوم امین فہیم' نوید قمر نواب یوسف تالپور' حاجی حنیف طیب' پروفیسر این ڈی خان' زین نورانی' محمد خان اچکزئی' حافظ حسین احمد' نواب اکبر بگتی' میر ظفر اللہ جمالی' میر غلام اکبر لاسی' منظر علی رانجھا' فوزیہ معراج' عامر سلطان چیمہ' گل حمید روکڑی' مولانا منظور احمد' شاہ نواز چیمہ' ریاض فتیانہ' خوش اختر سبحانی' سرفراز نواز' چودھری افضل چن' بیگم فرحت خواجہ سلمان تاثیر' جہانگیر بدر' میاں یوسف صلاح الدین' سہیل ضیاء بٹ' پرویز صالح' سید ناظم حسین شاہ ' ارشد خان لودھی' طارق بشیر چیمہ' سردار نصراللہ دریشک' منظور احمد موہل' عبدالقادر شاہین' عبد الرحمٰن کھر' آفتاب شعبان میرانی' غلام مرتضیٰ جتوئی' میر اعجاز احمد تالپور' ممتاز علی بھٹو' ارباب ' جہانگیر' بیگم نسیم ولی خان' ہمایوں سیف اللہ' نواب سلیم بگتی' میر نبی بخش کھوسہ' محمد اسلم رئیسانی اور میر ناصر مینگل شامل ہیں۔

رسول جتوئی' غلام مرتضیٰ خان جتوئی' منظور حسین وسن' ممتاز علی بھٹو' مہر اللہ بخش' سید علی

مردان شاہ اللہ نبی بخش، لیاقت علی جتوئی، لال بخش، منصور، محمد عثمان سومرو اور عبدالقادر ہنیس ٹیکس نہ دینے والے چند اہم ارکان میں ملک گل زمان تیمور خان جوگیزئی، محمد یوسف خان کرار، مہر طارق مسعود کتھران، میر باز محمد خان کتھران، ملا فیض اللہ اخوندزادہ، مولوی محمد اسحاق، عبدالوصی، جام میر غلام قادر، نوابزادہ سلیم اللہ بگتی، میر تاج محمد جمالی، کھوسہ، محمد صادق عمرانی، سید محمد ہاشم، ذوالفقار علی مگسی، محمد اسلم رئیسانی، سردار ثناء اللہ زہری، میر محمد ناصر مینگل اور سردار محمد صالح خان شامل ہیں۔





نواز شریف نے ولی خان اور اجمل خٹک کو کیا فائدے پہنچائے

معزول وزیراعظم نواز شریف نے وزیراعلیٰ پنجاب کی حیثیت سے عوامی نیشنل پارٹی کو جو فائدہ پہنچایا اس سے ایک طرف قومی خزانے کو نقصان ہوا تو دوسری طرف حق داروں کی حق تلفی ہوئی۔

اجمل خٹک کی سفارش پر میاں نواز شریف نے وزیراعلیٰ پنجاب کی حیثیت سے مندرجہ ذیل افراد کو پلاٹ الاٹ کیے۔ (ماہنامہ بنیاد کراچی)

سلیم اختر کیانی	1 کنال لاہور	محمد علی	1 کنال لاہور
حسن	1 کنال لاہور	عبدالغفار	
عبدالمجید	=	منیر احمد	
منظور حسین	=	محمد آصف	
شریف حسن	=	محمد شریف	
محمد بشیر	=	ثریا نجیب	

محمد نعیم	=	آمنہ بی بی	=
نصرت سلطانہ	=	شیخ مقبول	=
راجہ محمد صدیق	=	رشیدہ نسرین	=
نصرت جاوید	=	خالد محمود	=
مختار احمد	=	خالد حسین	=
قربان علی	=	کرامت علی	=
نادر عباس	=	ڈاکٹر عباس ڈوسل	4 کنال مری
ذکیہ شاہ	=	مرحبا کمپنی	1335 ایکڑ چکوال
احمد سعید چودھری	=	سپرنٹنڈنٹ افسر	″
خادم حسین	=	پی آئی اے	لاہور
ذوالفقار	لاہور	اعجاز حسین شاہ	لاہور
حمیدہ بی بی	لاہور	شہزادہ شہزاد	لاہور
تصدق حسین	لاہور	محمد اشرف	لاہور
یونس صابر	لاہور	محمد رفیق	لاہور
بشیر حسین	لاہور	توحید احمد	لاہور
سخاوت علی	لاہور	ذکیہ لطیف	لاہور
اعجاز انور	لاہور	محمد اکرم	لاہور
الطاف حسین	لاہور	عبدالقیوم	=
شاہدہ پروین	لاہور	اکرم نوید	=
زاہدہ صدیقی	=	محمد فاروق	=
ممتاز رانا	=	منیر حسین	=
عنایت اللہ	=	شجاع الرحمٰن	=
رشیدہ خانم	=	جاوید مہتاب	=
محمد ارشاد	=	تسنیم خالق	=

زینب بی بی	لاہور	مولانا جعفر قاسمی	لاہور
نسیم شاہد	=	عبدالمجیب رضوان	=
نیاز احمد	=	روحی عزیز	=
محمد عتیق اسلم	=	عبدالعزیز	=
ہادی حسن رضوی	=	فرزانہ بیگم	=
منظور احمد	=	محمد اسلم	لاہور
سرفراز احمد	لاہور	محمد رفیق	=
محمد بشیر خان	=	محمد افضل	=
عبدالحمید	=	محمد طالب نذر	=
منیر احمد	=	مقبول علی	ملتان
اللہ رکھا	=	محمد جاوید	راولپنڈی
شاہد فیضان	=	محمد خلیل	لاہور
زاہدہ پروین	=	رزاق جنجوعہ	گجرات
نعیم الاسلام	لاہور	محمد یونس	گوجرانوالہ
شیخ زاہد منظور	=	ایس عبدالمالک	گوجرانوالہ
مصری بیگم	=	محمد الطاف بٹ	انڈسٹری پلاٹ لاہور
شہناز بیگم	=	حاجی طیب	لاہور
خدیجہ بی بی	=	اصغر علی شاہ	لاہور
محمد اسلم	لاہور	ذوالفقار علی	لاہور
غلام محمد	=	ندیم حسین	خوشاب
احمد عزیز ملک	=	علی مقصود	سرگودھا
محمد رفیق	لاہور	عارف علی	ملتان
محمد حسین	لاہور	محمد عارف	ملتان
محمد اخلاق	بہاولپور	[illegible]	[illegible]

گندم سکینڈل' سردار مہتاب خان عباسی کو سزا

احتساب عدالت نے گندم سکینڈل کا فیصلہ سناتے ہوئے سرحد کے سابق وزیر اعلیٰ سردار مہتاب خان عباسی اور سابق سیکرٹری خوراک جاوید عالم خانزادہ کو گندم کی خرید و فروخت میں گھپلوں پر 14`14 سال قید سخت اور دو دو کروڑ روپے جرمانے کی سزا سنائی۔ جرمانے کی عدم ادائیگی کی صورت میں مجرموں کو مزید تین تین سال قید بھگتنا ہوگی۔ مقدمہ کے ایک اور ملزم ٹھیکیدار طلحہ احمد کو سات سال قید اور 8 کروڑ جرمانہ کی سزا سنائی گئی' جبکہ سرحد کے سابق وزیر خوراک غفور خان جدون جو مقدمہ میں وعدہ معاف گواہ بن گئے تھے' کو عدالت نے بری کرنے کا حکم دیا تاہم مقدمہ کے چاروں ملزموں کو کسی بھی سرکاری یا عوامی عہدے کے لیے 21 سال تک نااہل قرار دے دیا گیا۔ احتساب عدالت کے جج فرخ لطیف سے مقدمہ کا فیصلہ سننے کے بعد سردار مہتاب نے کہا کہ یہ فیصلہ مس کیرج آف جسٹس ہے۔ یہ کوئی نیا فیصلہ نہیں' ایسے فیصلے پہلے بھی ہوئے ہیں اور ہمیں اس کی توقع تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ملک میں جو نظام چل رہا ہے' وہ خلاف قدرت ہے۔ اس لیے یہ زیادہ دیر نہیں چل سکے گا۔ غفور جدون کے بارے انہوں نے کہا کہ اس نے جھوٹ بولا۔ اٹک میں احتساب عدالت میں سکینڈل کا فیصلہ سنائے جانے کے روز یعنی 31 اگست 2000ء کو سیکورٹی کے غیر معمولی انتظامات کیے گئے تھے۔ اس موقع پر ملزمان کے رشتہ دار اور مسلم لیگی رہنما بھی عدالت میں موجود تھے۔ صوبہ سرحد کے سابق سیکرٹری خوراک اور گندم سکینڈل کے ملزم جاوید عالم خانزادہ چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف کیساتھ کاکول اکیڈمی میں دو سال بیج میٹ رہے۔ احتساب بیورو کے چیف پراسیکیوٹر فاروق آدم نے فیصلے سے دو روز قبل عدالت کے رجسٹرار راجہ محمد شفیق کے دفتر میں جاوید عالم سے ایک گھنٹہ تک مذاکرات کیے۔ مذاکرات کے دوران ان کے چچا معطل رکن پنجاب اسمبلی تاج محمد خانزادہ بھی موجود تھے۔ مذاکرات میں فاروق آدم خان نے سابق سیکرٹری خوراک سے سرکاری خزانے کو نقصان پہنچانے پر نیب کے تخمینے کے مطابق دس کروڑ روپے سرکاری خزانے میں جمع کرانے کو کہا جس پر سابق سیکرٹری خوراک اور ان کے چچا نے نیب حکام کو ساڑھے پانچ کروڑ روپے کی پیشکش کی۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جو عوام کے سچے نمائندے کہلاتے ہیں اور عوامی عہدوں پر بیٹھ کر افتتاح کرتے ہیں' خطاب کرتے ہیں' نعرے لگواتے ہیں اور بدعنوانی کا ایسا گند ڈالتے ہیں کہ اسکی بدبو آنیوالی نسلوں کو بھی طویل عرصہ تک بے ہوش کر دیتی ہے۔